رَبُّ العالمین
دُعا اور اِنسان

محمدؑ علی سیّد

سید نذر عباس کے لیے
ڈاکٹر آغا جعفری

کتاب کا نام: ربّ العالمین دعا اور انسان

مصنف: محمد علی سیّد

سنِ اشاعت: شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

تعدادِ اشاعت: ایک ہزار

ناشر: قرآن اینڈ سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن۔ پاکستان
(زہرا اکیڈمی پاکستان کا ذیلی ادارہ)

سرورق: فضّہ علی سیّد

کمپوزنگ: سسٹم گرافکس، کراچی

طباعت: شیری پرنٹنگ پریس

قیمت: =/200 روپے

رابطہ: quranandscience110@gmail.com

ISBN: 978-969-9738-13-5

یہ کتاب پاکستان کے درج ذیل بک اسٹورز پر دستیاب ہے

☆ ویلکم بک ڈپو۔ اردو بازار، کراچی
☆ افتخار بک ڈپو۔ اسلام پورہ، لاہور
☆ کلاسیک۔ 42 دی مال، لاہور
☆ محفوظ بک ایجنسی۔ مارٹن روڈ، کراچی
☆ مسٹر بکس۔ سپر مارکیٹ، اسلام آباد
☆ رحمت اللہ بک ایجنسی، کھارادر، کراچی

اسکواڈرن لیڈر

☆سیّد ضیغم علی شاہ ولد ائر کموڈور محمد علی شاہ

شہادت: ۷ مئی ۲۰۱۲ء

فلائٹ لیفٹیننٹ

☆راشد احمد خان ولد ائر کموڈور شبیر احمد خان

شہادت: ۱۳ دسمبر ۱۹۹۷ء

فلائنگ آفیسر

☆سہیل منظر کاظمی ولد پروفیسر منظر حسین کاظمی

شہادت: یکم جون ۱۹۷۸ء

اس کتاب کے ثواب میں یہ تینوں شہدا شریک ہیں

لیکن آپ سے درخواست ہے کہ آپ بھی

اول آخر پانچ مرتبہ درود ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر

ان تینوں شہدا کی ارواح کو ہدیہ فرمائیں۔

محمد علی سیّد

رَبُّ العالمین دُعا اور اِنسان

اس کتاب کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔

☆ قرآن مجید: مترجم۔ مولانا فرمان علی صاحب قبلہ

☆ نہج البلاغہ: مترجم۔ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ

☆ تفسیر نمونہ ☆ صحیفۂ کاملہ ☆ جسم کے عجائبات

How Universe Works ☆

How The Earth Works ☆

Star & Planets ☆

Ecology ☆

Hidden Message in Water ☆

Secret Life of Plants ☆

Reproduction & Heredity ☆

I am Jeo's Body ☆

شرفِ انتساب

ربّ العالمین جل شانہ
اور سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی خوشنودی کے لیے لکھی گئی اپنی اس پہلی تحریر کو
میں اپنے زمانے اور باقی ماندہ تمام زمانوں کے امام مبینؑ
قائم آل محمد حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کررہا ہوں
کہ جن کے ظہورِ صغریٰ کا دور شروع ہو چکا ہے۔
یہ شبِ عید کی صبح کاذب کا وقت ہے
ان مبارک ساعتوں میں دست بہ دعا ہوں

کہ اللہ رب العالمین قوم کے علماء، طلبہ، ذکرِ حسینؑ کرنے والوں، میری شریکِ حیات، میرے بچوں، میری بہنوں اور ان کے شوہروں اور بچوں، میرے تمام پڑوسیوں اور ان کے رشتے داروں، میرے تمام دوستوں اور خاندان والوں، تمام مومنین ومومنات، تمام مسلمین ومسلمات کو اور مجھے، امام زمانہؑ کے ظہورِ کبریٰ تک زندہ رکھے۔

اور ہم سب کے اعمال کو اپنے فضل وکرم سے ایسا کردے کہ ولی عصرؑ کے ظہور کی اطلاع سنتے ہی ہم بے اختیار ان کی نصرت کے لیے اپنے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں۔

یقین کامل ہے کہ اگر انؑ کے وسیلے سے اللہ رب العالمین نے اس تحریر کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا تو اس کے دربار سے اس گناہ گار کو بے حد گراں مایہ، بیش قدر، بے کراں ثواب عطا کیا جائے گا۔

محمدؐ اور آل محمدؐ کے وسیلے سے میں اس ثواب میں تمام مومنین ومومنات، مسلمین ومسلمات خصوصاً اپنے والد مرحوم ذاکر سید الشہداء سید علی اسد نقوی، اپنی والدہ مرحومہ سیدہ فاطمہ بانو، ذاکرین اہل بیتؑ، شہدائے ملتِ اسلامیہ، دہشت گردی کا شکار ہونے والے تمام مظلوموں، علماء، فضلاء، اپنے اساتذہ، اپنے بچوں کے اساتذہ، تمام بزرگوں، رشتے داروں، دوستوں اور پڑوسیوں کو برابر کا شریک کرتا ہوں اس نیت اور یقین کے ساتھ کہ اللہ رب العالمین جو نعمتیں عطا کرتا ہے انہیں دوسروں کے لیے خرچ کیا جائے تو ان میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

''ہے کوئی جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے تاکہ اللہ اس کے مال کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے (سورہ بقرہ: آیت ۲۴۵)

ربّ العالمین! تو جانتا ہے
کہ میرا مال تو فی الحال بس یہی تحریر ہے!

محمد علی سیّد

خزانوں کی کنجیاں

یقین رکھو کہ جس کے قبضہ قدرت میں آسمان وزمین کے خزانے ہیں، اس نے تمہیں سوال کرنے کی اجازت دے رکھی ہے اور قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تم مانگو کہ وہ دے۔ رحم کی درخواست کروتا کہ وہ رحم کرے۔

اس نے اپنے اور تمہارے درمیان دربان کھڑے نہیں کیے جو تمہیں روکتے ہوں۔

اس نے تمہارے ہاتھ میں اپنے خزانوں کے کھولنے والی کنجیاں دے دی ہیں، اس طرح کہ تمہیں اپنی بارگاہ میں سوال کرنے کا طریقہ بتایا۔

اس طرح تم جب چاہو، دعا کے ذریعے اس کی نعمت کے دروازوں کو کھلوالو۔

ہاں قبولیت دعا میں دیر ہو تو اس سے ناامید نہ ہونا اس لیے کہ عطیہ نیت کے مطابق ہوتا ہے۔

تمہیں بس وہ چیز طلب کرنا چاہیے جس کا جمال پائیدار ہو اور جس کا وبال تمہارے سر نہ پڑنے والا ہو۔

رہا دنیا کا مال......

تو نہ یہ تمہارے لیے رہے گا اور نہ تم اس کے لیے رہو گے۔

حضرت علی ابن طالبؑ کی وصیت

حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند گزارشات

اس کتاب کے حوالے سے بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں لیکن بہت کچھ لکھنا نہیں چاہتا۔ عجیب شش و پنج میں ہوں کہ کیا لکھوں اور کیا اپنے سینے تک محدود رکھوں۔ جو لکھنا چاہتا ہوں وہ اس لیے کہ وہ دوست جو ساری زندگی یقین و گمان کی سرحد پر مصلیٰ بچھائے رکھتے ہیں وہ یقین کے مرکز میں لوٹ آئیں۔ جو نہیں لکھنا چاہتا وہ اس لیے کہ قارئین اس جنسِ بازارِ معاصی کے بارے میں کسی خوش گمانی کا شکار نہ ہو جائیں۔

پہلے تو آپ کو بتا دوں کہ جو کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے اس میں سوائے آیات و احادیث کے آپ کوئی بات ایسی نہیں پڑھیں گے جو آپ نے پہلے کسی کتاب میں پڑھی ہو، سوائے اس کے کہ وہ باتیں میری ہی کسی کتاب میں آپ کی نظر سے گزری ہوں۔

یہ بھی وضاحت کر دوں کہ یہ کتاب دعاؤں کی کتاب نہیں ہے، یہ دعا جیسی ہمیشہ جدید رہنے والی ٹیکنالوجی کے حوالے سے میری چند گزارشات کا مجموعہ ہے۔ میرے ممکنہ قارئین مجھ ہی جیسے میرے ہی زمانے کے عام لوگ ہیں، شیطان کے جال میں تڑپتے پھڑکتے اور اس جال سے رہائی کی جدوجہد کرتے ہوئے لوگ۔ اس لیے آپ اس کتاب میں وہی زبان پڑھیں گے جو آپ اور ہم بولتے لکھتے اور پڑھتے ہیں۔

مشکل مشکل باتوں اور ناقابلِ فہم گفتگو سے میں بہت گھبراتا ہوں، یقیناً آپ بھی گھبراتے ہوں گے۔ اسی لیے میں نے کوشش کی کہ اپنی بات، اپنی دلیل، اپنا نکتہ نظر آسان لفظوں میں بیان کیا جائے۔ البتہ اس کتاب کا پہلا باب کمپیوٹر اور انٹرنیٹ استعمال نہ کرنے والے قارئین کو ذرا مشکل محسوس ہوگا۔ لیکن یقین ہے کہ جو دوست انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں وہ اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

قارئین کے سامنے یہ اعتراف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اس کتاب کے لکھنے سے پہلے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ مجھے جو کچھ ملا، وہ اس کتاب کے لکھنے کے دوران اور اس کے لکھنے کے بعد ہی ملا۔ دینی موضوع پر یہ میری پہلی تحریر ہے۔ اس کے بعد سے اب تک میری چھ کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ تین کتابیں مزید تیار ہیں اور کچھ کتابوں پر کام کر رہا ہوں۔

اب آپ پوچھیں گے کہ جب کچھ جانتے ہی نہیں تھے تو یہ کتاب لکھی کیسے؟ بس یہی وہ راز ہے جو میں آپ

کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں، لیکن بعض مجبوریوں کے سبب بیان نہیں کر سکتا۔

یہ کتاب بہر حال معجزاتی طور پر لکھی گئی ہے اور اس کے ذریعے سب سے زیادہ فائدہ بھی مجھ ہی کو حاصل ہوا۔

جی! کیا فرمایا...... مالی فائدہ ؟ نہیں مجھے اس سے بڑھ کر فائدہ حاصل ہوا۔ دیکھئے! رزق صرف روٹی کپڑے مکان اور گاڑی کا نام نہیں ہے۔ رزق کی بہت سی اقسام ہیں، ایک سے بڑھ کر ایک۔ اللہ تعالیٰ جسے، جس طرح کے رزق سے چاہے نوازتا ہے۔

اس کتاب کو لکھنے کے دوران میں نے محسوس کیا کہ دوسروں کو جس بات کی تعلیم دی جائے، پہلے خود اس پر عمل پیرا ہونا اور رہنا ضروری ہے۔ میں نے کوشش کی کہ خود کو پہلے کی نسبت بہتر کروں۔ اس میں کافی حد تک کامیاب ہوا اور بہت حد تک ناکام بھی۔ بہر حال زندگی روحانی طور پر بہتری کی طرف رواں دواں ہوگئی اور یہی سب سے بڑا فائدہ ہے جو مجھے حاصل ہوا۔

یقینِ کامل ہے کہ اگر آپ نے اس کتاب کو پڑھ لیا تو آپ کی زندگی میں بھی بہت کچھ بدل جائے جس طرح میری زندگی میں بہت کچھ تبدیل ہوگیا۔

میں اس تحریر پر حقیقی اور بے لاگ تبصروں کے لیے علاّمہ طالب جوہری صاحب، مولانا شبیر حسن میثمی صاحب، مفتی اعجاز احمد اویسی صاحب اور مفتی مکرم علی صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان علمائے کرام کو عمر طویل اور صحت و سلامتی عطا فرمائے اور عوام کو ان سے استفادہ کرنے کی توفیق۔

الحمدللہ! آج صبح جب میں نے اس کتاب کے قبل از اشاعت مراحل کو مکمل کیا تو عیدِ ولادت امیر المومنین کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ بابِ مدینۃ العلم حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ''میں علم کا بحر دخار ہوں، سارا علم مجھ ہی سے منتشر ہوتا ہے اور مجھ ہی تک ہی لوٹتا ہے'' (جس طرح بارانِ رحمت سمندر ہی سے اٹھتا ہے اور آخر کار سارا پانی سمندر ہی کی طرف لوٹتا ہے)

میں آبِ نیساں کے ان چند قطروں کو علم کے اسی ''بحر دخار'' کی نذر کرتا ہوں۔

دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ میرا فون نمبر اور ای میل اس کتاب میں موجود ہے۔ مجھے آپ کے مشوروں اور تبصروں کا انتظار رہے گا۔ از راہ کرم میرے موبائل پر فارورڈ میسج کرنے سے گریز فرمایئے گا۔

والسلام

جنسِ بازارِ معاصی

محمد علی سید

فون: 0345-2443358

ای میل: alisyed14@hotmail.com

quranandscience110@gmail.com

اس کتاب کے بارے میں
حجتہ السلام و المسلمین
علامہ طالب جوہری مدظلہ کی رائے

محمد علی سید ایک مشاق اور منجھے ہوئے قلم کار ہیں۔ انہوں نے بہت سی مفید کتابیں اور کثیر تعداد میں مقالات ومضامین تحریر کیے ہیں لیکن زیر نظر کتاب ایک ایسے موضوع پر ہے جو اپنے ذاتی تشخص میں مذہبی اور احساس کے اعتبار سے داخلی ہے۔

دعا ایک ایسا موضوع ہے جس پر صدیوں سے لکھا جارہا ہے اور ان گنت صدیوں تک لکھا جاتا رہے گا۔ دعا کے لغوی معنیٰ پکارنے کے ہیں اور اصطلاحی معنی خداوند قدوس کی بارگاہ میں ذہنی طور پر پیش ہوکر اپنی حاجتیں طلب کرنا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر عہد کا انسان الجھنوں اور پریشانیوں کا شکار رہا ہے اور ان کے لازمی حل کے طور پر دعا کو اپنا سہارا بناتا رہا ہے۔ یہ سہارا انسان کی الجھنوں کا ایک فطری اور نفسیاتی حل ہے۔ الجھنیں اگر دور نہ بھی ہوں تو اس صورت میں کم ضرور ہو جاتی ہیں جب ان کا تذکرہ کسی دوسرے سے کر دیا جائے۔ کتنا خوش قسمت ہوگا وہ انسان جو اپنی الجھنوں کو اس سے بیان کردے جو ہر ایک کی سنتا بھی ہے، ہر مسئلے کو حل بھی کرتا ہے اور ہر ایک کی دادرسی کے فریضے کو بھی انجام دیتا ہے۔

محمد علی سید نے انہی حقائق کو پیش نظر رکھ کر دعا، فلسفہ دعا، آداب دعا اور اس کے اثرات و مضمرات پر سیر حاصل اور تفصیلی بحث کی ہے۔ میں اس پورے رسالے کے مطالعے کا شرف حاصل کر چکا ہوں۔ مجھے یہ رسالہ اپنے محتویات میں جامع اور مانع محسوس ہوا اور اپنے اسلوب بیان میں جدید اور پرکشش۔ میں امید کرتا ہوں کہ ارباب ذوق اس سے استفادہ کریں گے اور ارباب حاجت اسے لائحہ عمل قرار دیں گے۔

طالب جوہری

''رَبّ العالمین دعا اور انسان''

یہ کتاب آنسوؤں کا ایک سمندر ہے

مفتی محمد مکرم خان محمودی قادری
خطیب: جامع مسجد غوثیہ، گلشن حدید فیز ۲

اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث یہ عاجز آج تک برادرِ محترم جناب محمد علی سید صاحب کی زیارت سے تو مشرف نہ ہوسکا۔ مگر بذریعہ فون اکثر رابطہ ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں سید صاحب کا فون آیا اور اپنی نئی کتاب ''رب العالمین، دُعا اور انسان'' پر تاثرات کے لیے حکم فرمایا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنی ای۔میل ID سے کتاب کو ڈاؤن لوڈ کیا اور پڑھنا شروع کردیا۔

کتاب کیا تھی...... آنسوؤں کا سمندر تھا...... ہچکیاں بندھ گئیں، بے ساختہ رونا آ گیا، اسی دوران نارتھ کراچی سے محترم جناب شریف الرحمٰن قادری صاحب کا فون آیا...... اسی کیفیت میں فون ریسیو کیا۔ سامنے سے آواز اُبھری ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ...... بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ جواب دیا...... وعلیکم السلام۔ شریف الرحمٰن صاحب نے جواب سن کر تشویش کا اظہار کیا اور وجہ پوچھی ...... وجہ بتائی تو اصرار کیا کچھ ہمیں بھی سنایا جائے۔ کچھ ہی صفحے سنا پایا تھا کہ وہ بھی ہمارے شریک کار ہوئے اور ہم دونوں ہچکیاں باندھ کر کافی دیر تک آنسو بہاتے رہے۔

میں نے دُعا کے موضوع پر نہ جانے کتنی مرتبہ خطابات کئے ہوں گے، لیکچرز دیے ہوں گے لیکن جس اچھوتے انداز میں سید صاحب نے دُعا کی طرف متوجہ کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ لہجے کی نرمی و شگفتگی، تکلم کا حسن اور عاجزی وانکساری کے جو مظاہر سید صاحب کی کتاب میں جابجا نظر آتے ہیں وہ کسی مشاق لکھاری سے زیادہ مصنف کے دردِ دل کا حال سناتے ہیں۔

میں نے اس موضوع پر اتنی گہرائی میں، اتنے احساسات کے ساتھ آج تک کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا...... کائناتِ ارضی وسماوی، تخلیق انسانی اور دعا کی جن وسعتوں کا ذکر سید صاحب نے کیا ہے، اُسے پڑھنے کے بعد انسان کو اپنی چھوٹی چھوٹی پریشانیاں بے معنی سی لگنے لگتی ہیں۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہ تمام پریشانیاں، مصائب وآلام اِک ذرّہ ناچیز سے کمتر محسوس ہوتی ہیں۔ میں کمپیوٹر اسکرین پر کسی کتاب کے سات یا آٹھ صفحات سے زیادہ نہیں پڑھ پاتا لیکن اس کتاب کے کم وبیش سوا دو سو صفحات میں نے ایک ہی نشست میں پڑھے اور جب ٹائم دیکھا تو ساڑھے چار گھنٹے گزر چکے تھے۔ آپ بھی اللہ کا نام لے کر ابتداء کریں کتاب کی سلاست، روانی اور کتاب میں بکھرے ہوئے بیش بہا موتی آپ کو پوری کتاب پڑھنے پر مجبور کردیں گے۔

محمد مکرم خان محمودی قادری

"رب العالمین دعا اور انسان"

لوازماتِ تبلیغ کا عملی نمونہ

مفتی اعجاز احمد اویسی

رکن علماء کونسل منہاج القران، کراچی

محمد علی سید صاحب کی شخصیت علم اور قلم کے حوالے سے علمی و دینی حلقوں میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ابلاغ و تبلیغ کے لیے عصری تقاضوں سے بہ خوبی آشنا ہیں۔ اسی لیے ان کی گلشن تحریر میں ہمیشہ نئی خوشبوئیں مشامِ جاں کو معطر کرتی محسوس ہوتی ہیں اور ان کا قلم گوہر رقم ہمیشہ ندرت و افادیت کا متلاشی نظر آتا ہے۔

"رب العالمین، دعا اور انسان" انہی لوازماتِ تبلیغ کا عملی نمونہ ہے۔ موضوع کی انفرادیت تحریر کی جاذبیت اور اسلوب بیان کا انوکھاپن اس کتاب کا حُسن ہے۔ کتاب کے سرسری مطالعے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ کتاب کے دامن میں قلم کی جولانیوں اور الفاظ کی سحر انگیزی کے بجائے موضوع سے متعلق ہمہ جہت تفصیلات پر زیادہ توجہ دی گئی لیکن اس طرح کہ کسی مقام پر قاری کو یہ گمان نہیں ہوتا کہ اسے کوئی درس دیا جارہا ہے۔ محمد علی سید کی تحریر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ قاری کے مطلب کی بات کرتے ہیں اور اپنی بات اس کے دل میں اتار دیتے ہیں۔

اس کتاب میں اندازِ بیان کو سادگی کے لباس میں رکھتے ہوئے گہرے علمی مفاہیم کو بہت آسان کر کے بیان کیا گیا ہے۔ سائنسی تمثیلات و تشریحات کے موتیوں سے اس تحریر کو اس طرح سجایا گیا ہے کہ مطالب و مقاصد الفاظ کی جادوگری سے نہیں بلکہ دلائل و براہین کے ذریعے قاری کے ذہن و عقل میں راستہ بناسکیں۔ اپنی انہی خوبیوں کے سبب یہ کتاب دینی سوچ رکھنے والے قلوب و اذہان کی تسکین و فرحت کا سامان رکھتی ہے۔ اسی طرح اس کے ثمرات و پیغامات کی، اثر آفرینی دیگر علمی، فکری طبقات، جدید عصری علوم کے طالب علموں، حتیٰ کہ لامذہب افراد کو بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردینے کی موثر صلاحیت رکھتی ہے۔

کتاب کا موضوع بے حد حساس اور ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہے اور یہ موضوع جن علمی و عقلی لوازمات کا متقاضی تھا، محمد علی سید صاحب نے اس کا حق ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قلم کی قوت میں اضافہ فرمائے اور حق کی راہ میں انہیں اسی طرح سرگرم سفر رکھے۔

دعا گو

اعجاز احمد اویسی

”ربّ العالمین دعا اور انسان“

رواں تبصرے

☆ میں اپنے دوست محمد علی سید کی اس کتاب کا پہلا قاری ہوں۔ میں نے اس کتاب کو اس کے شائع ہونے سے بہت پہلے پڑھا اور اس کی فوٹو کاپیاں کرا کے اپنے خاندان اور دوستوں میں تقسیم کرتا رہا۔ ان دنوں ہم لوگ شدید ذہنی دباؤ اور صدمے سے گزر رہے تھے اور ان سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ محمد علی کی کتاب میں ایسا کچھ تھا جس نے اس سارے عرصے میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت و محبت سے جوڑے رکھا۔ صدمہ تو ہم پر گزرا لیکن ہم ٹوٹنے اور بکھرنے سے محفوظ رہے۔

وقار اکبر، ہیوسٹن۔ امریکہ

....

☆ محمد علی سید صاحب انسان کے جسمانی، روحانی اور نفسیاتی مسائل و معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جسے انسان بنانا تمام انبیاءؑ اور تمام آسمانی کتابوں کا مقصد و منشور ہے۔ وہ انسان کو سمجھ کر اس کی ذہنی سطح سے قریب ہو کر اس سے باتیں کرتے ہیں۔ نہ وہ خود کو ماضی بعید میں زندہ سمجھتے ہیں اور نہ آج کے انسان کو اور شاید یہی ان کی تحریروں کی اثر انگیزی کا راز ہے۔ پروفیسر اقبال احمد خان، اون ٹوریو، کینڈا

....

☆ ”رب العالمین دعا اور انسان“ اپنے موضوع، طرز تحریر اور بیش قیمت معلومات کے یکجا ہونے کے حوالے سے بلاشبہ ایک بالکل انوکھی اور منفرد کتاب ہے۔ سمجھ میں آنے والے دلائل اور مستند سائنسی معلومات قاری کو خود ساختہ توہمات سے نکال کر اس مرحلے میں لے آتی ہیں کہ وہ خود سوچے اور خود فیصلہ کرے کہ وہ کس جگہ کھڑا ہے اور آگے بڑھنے کے لیے اسے کیا کرنا ہے۔ کتاب میں موجود جدید علوم سے متعلق حوالے دراصل آیات و احادیث ہی کی تفسیر و تشریح بیان کرتے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی۔ اسلامک لرننگ ڈپارٹمنٹ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

....

☆ پہلے میں اپنے مریضوں کو دوا کے ساتھ ڈیل کارنیگی کی کتابوں کے نام لکھ کر دیا کرتا تھا۔ اب میں صرف ایک کتاب اپنے نسخے میں لکھتا ہوں اور وہ ہے۔ ”رب العالمین دعا اور انسان“

ڈاکٹر محمد عباس، بلاک H شمالی ناظم آباد، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کاش کہ صاحبانِ عقل...

حجت الاسلام والمسلمین مولانا شبیر حسن میثمی

تمام تعریفیں صرف اس کے لیے

جس نے قلم کو خلق کیا اور عقل کی طاقت کے ذریعے اسے مسطور کی خلقت کی توانائی عطا فرمائی۔

جس نے ہر خلقت میں اپنی عجائبات کے عجائب خانے بنائے تاکہ دیکھنے، سننے اور سمجھنے والے سرِ خم تسلیم کریں ورنہ حیوانات سے بھی بدتر سمجھے جائیں گے۔ جس کا ہر انداز عقلِ انسانی کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ جس نے چربی، گوشت اور ہڈی کو پانی کے ساتھ اس طرح ترکیب دیا کہ انسان نامی مخلوق، خلقت کے جلووں کے ساتھ ہر طرف رواں دواں ہے۔

اور اس عظیم خالق کا درود وسلام ہو اس کی آخری حجت اور انسانیت کے لیے نور ہدایت ورحمت خاتم الانبیاء و المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک وطاہر آلؑ پر جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر طرح کے رجز سے پاک فرمادیا۔

خلقت کا مقصد خالق کی شناخت اور اس کے سامنے تسلیم ہونا ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب شناخت کے وسائل موجود ہوں۔ اللہ رب العزت نے انسان کو خلق کیا، عقل کی نعمت سے نوازا، علم کو اس کی غذا قرار دیا اور اس کے ذریعے انسان کو اپنی نشانیوں سے روشناس کروایا تاکہ انسان عبودیت وتسلیم کا پیکر بن جائے۔

چونکہ عقل انسان کی لامحدود توانائیوں کو دنیا کی ظاہری محدود معلومات قانع نہیں کرسکتی تھیں اس لیے محبت کرنے والے خالق نے قرآن مجید کو قلب رسولؐ کے وسیلے سے نازل فرمایا تاکہ لامحدود توانائیوں والی مخلوق کو لامحدود علوم سے آشنا کروایا جاسکے۔ جب انسان عام کتاب، استاد کے بغیر نہیں سمجھ سکتا تو قرآن مجید جیسی عظیم الشان کتاب بغیر استاد کے کیسے سمجھی جاسکتی ہے۔ اس لیے رحمت للعالمین کے بعد گرچہ نبوت ورسالت کا سلسلہ اختتام پذیر ہوا لیکن ہدایت کا سلسلہ جاری ہے اور آج بھی ہم ائمہ معصومین علیہم السلام کی تفاسیر اور ان کے زرین اقوال سے اس عظیم کتاب کو سمجھ سکتے ہیں۔

آلِ رسولؐ کے ایک روشن چراغ جناب محمد علی سید صاحب نے اس زمانے میں جو کہ ظاہری طور پر علم وترقی کا دور کہلاتا ہے، انسانوں کو انسانیت کی طرف راغب کرنے اور اپنے رب کی معرفت حاصل کرنے کے بعد سرِ تسلیم خم کرنے کی بہترین کوشش کرتے ہوئے جن مطالب کو اپنی فکر کی گہرائیوں اور صفحہ کائنات کی رعنائیوں کو قلم جیسی مخلوق کے ذریعے کاغذ کے کوزے میں بند کر کے انسانی عقول تک منتقل کرنے کی جو کوشش کی ہے، یہ واقعاً ایک عظیم عبادت ہے اس لیے کہ یہ بندوں کو بندگی کی طرف راغب کرنے کا ایک نایاب انداز ہے۔

کاش کہ صاحبانِ عقل اس کتاب کو پڑھتے جائیں اور سربسجود ہوتے جائیں اور سب کی زبان پر ایک ہی ورد ہو:

"ربنا ما خلقت هذا باطلا، سبحانک فقنا عذاب النار"۔

آج کا انسان تمام تر آلات ووسائل سے لیس لیکن روحانیت اور قلبی سکون سے عاری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اس لامحدود کائنات کے بارے میں جیسے جیسے نیا علم سامنے آتا جائے گا اسی تناسب سے سورج کے چند سیاروں تک پہنچنے والوں کے دلوں میں اپنی بے بسی کا احساس بڑھتا جائے گا۔ خدا پرستوں کے لیے معاملہ اس کے برعکس ہوگا اس لیے کہ نیا علم آخر کار قرآن اور علمائے قرآن کی آیات واقوال ہی کی تشریح پیش کرے گا اور اسی لیے خدا پرستوں کے ایمان میں اضافے کا سبب بنے گا۔

آج بے سکونی اور بے ثباتی کے عالم میں سوچنے کا یہ نیا انداز اانسان کو سکون بھی دے گا، سجدے کا شوق بھی دلائے گا اور رب العزت کی محبت سے سرشار بھی کر دے گا۔ سید صاحب نے اپنی دیگر کتابوں میں بھی یہی انداز اپنایا ہے جو مکتب امام جعفر صادق علیہ السلام سے وصلت کی نشانی ہے۔ امید ہے کہ ہماری آئی پیڈ اور انٹرنیٹ نسل اس تحریر سے بھرپور فائدہ اٹھائے گی اور اس مکتوب کے ذریعے اپنی عقل وروح کو پالش کر کے کائنات میں موجود خالق کی اَن گنت حیران کن نشانیوں کو کشف کرتی رہے گی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس کے علاوہ کوئی امید نہیں کی جاسکتی کہ کاتب، راقم، قاری اور ان نیک امور میں تعاون کرنے والوں کو بے حساب نعمتوں اور رحمتوں سے نوازے گا۔

اے اللہ! ہمیں اپنی کتاب کو اپنے آخری رسولؐ اور ان کی پاک آلؑ کی تعلیمات کی روشنی میں بہترین طریقے سے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما اور ہماری کوتاہیوں، خامیوں اور غلطیوں سے درگزر فرما۔ ہمارے لیے علم کے سرچشمے جاری فرما اور آخری حجتؑ کو زمین پر اپنے احکام کو جاری کرنے کے لیے ظاہر فرما۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شبیر حسن میثمی

۳ شعبان ۱۴۳۲ھ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰالَمِین

اے اللہ! تو نے اپنی حمد سرائی کے لیے لب کشائی کی جو قوت و طاقت عطا کی ہے اس کے شکر کے لیے میں اظہارِ شوق کرتا ہوں کیوں کہ اس سلسلے میں جو تکلیف مجھے دی وہ بہت کم ہے اور شکر ادا کرنے پر جو وعدہ فرمایا وہ بہت بڑا ہے۔ تو نے نعمت عطا فرمانے میں پہل کی۔ جو تیرا فضل و کرم تھا۔ پھر شکر ادا کرنے کا حکم دیا جو حق و انصاف کے مطابق تھا اور اس پر کئی گنا انعام اور اس میں بھی اور اضافہ کرنے کا وعدہ فرمایا۔ مجھے رزق عطا فرمایا کہ اس کے ذریعے آزمائش اور امتحان لے۔ معمولی قرضے کا سوال کر کے زیادہ سے زیادہ عطا فرمایا۔ بلاؤں کی زحمت سے محفوظ رکھا اور اپنی آزمائش کی سختیوں کے حوالے نہ کیا۔ عافیت عطا فرمائی، وسعت رزق اور کشادگی عنایت کی اور میرے لیے اپنے فضل کو کئی گنا زیادہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی منزلِ بلند کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی بلند و محفوظ درجے کی بشارت دی۔ مجھے دعوت کے لحاظ سے سب سے بڑے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت اور سب سے بہتر شفاعت کرنے والے (آقائے دو جہاں) رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت کے لیے منتخب فرمایا۔ میں یقینِ کامل رکھتا ہوں کہ تو ہی وہ اللہ ہے جو میرا پروردگار اور ہر شے کا پروردگار ہے۔ زمین و آسمان کا خالق، بے مثال، غائب و حاضر کا علم رکھنے والا، بلند اور صاحبِ بزرگی ہے۔ تیرے لیے وہ مسلسل حمد جو سرمدی اور ابد تک ختم نہ ہو کیوں کہ تو نے مجھے بنی آدم کے بہترین افراد میں پیدا کیا۔ مجھے جسمانی نقص اور دماغی کمزوری سے بچائے رکھا۔ نہ میرے جسم کے کسی حصے پر کوئی آفت آئی، نہ میرے نفس و عقل میں کوئی عیب۔ تیرے احسان اور حسنِ احسانات اور بہترین نعمتوں نے تجھے مزید احسان کرنے سے نہ روکا بلکہ (تو نے) میری دنیاوی روزی میں وسعت عطا کی اور بہت سے اہلِ دنیا پر ممتاز کیا۔ مجھے وہ قوتِ سماعت بخشی جس سے تیرے احکام کو اچھی طرح سنتا ہوں اور (تو نے مجھے) ایسا صاحبِ نظر بنایا کہ تیری قدرت کے مظاہرات (و عجائبات) کو دیکھتا ہوں۔ (تو نے) میری نگہبانی فرمائی اور وہ دل بخشا جو تیری عظمت کا مشاہدہ کرتا ہے اور وہ زبان (عطا کی) جو توحید کا اقرار کرتی ہے۔ میں اپنے لیے تیری ان توفیقات پر بہ قدر طاقت شکر گزار ہوں اور تیرے حق کا اقرار کرتا ہوں اور اپنی مصیبتوں اور مہموں میں تیرے (ہی) حضور فریادی ہوں کیوں کہ تو ہر زندہ سے پہلے مالک (و خالق) حیات اور ہر فانی کے بعد مالکِ زندگی ہے۔

(حضرت علیؑ کی دعائے یمانی سے اقتباس)

آتے ھیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

آتے ھیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

آتے ھیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

آئے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

آئے ھیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

آئے ھیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

باب: ۱

روح، جسم اور نفس کیا ہیں؟

اس سے پہلے کہ ہم اپنے موضوع، یعنی دعا کے حوالے سے بات کریں، بہتر ہو گا کہ سلسلے میں کچھ ابتدائی باتوں پر غور و فکر کیا جائے۔ مثلاً یہ کہ انسان کیا ہے۔ اس کا جسمانی، روحانی نظام کس طرح کام کرتا ہے۔ جسم و روح کی آمیزش سے اس کی شخصیت کس طرح تشکیل پاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ انسان بھی عجیب شئے ہے۔ مادّہ اور ضد مادّہ کی آمیزش کا ایک حیران کن نمونہ۔ کیمیا دانوں کے نزدیک انسان کیمیکلز اور معدنیات کی آمیزش کا بہترین امتزاج ہے۔ طبیعات کے ماہرین کا خیال ہے کہ انسان فزکس کے قوانین کے اظہار کی ایک ایسی مثال ہے جس کا پیدا ہونا، چلنا پھرنا سب ہی کچھ فزکس کے قوانین کے زیر اثر ہوتا ہے۔ ریاضی کے علماء انسانی جسم کو ریاضی اور جیومیٹری کا شاہکار کہتے ہیں۔ مکینیکل انجینئرنگ کے رخ سے دیکھا جائے تو انسانی جسم اور اس کے اعضاء مکینیکل انجینئرنگ کا عقل کو ششدر کر دینے والا کمال دکھائی دیتا ہے۔

لیکن قرآن مجید کے ارشادات کے مطابق ان ساری خوبیوں کے ساتھ ساتھ انسان دراصل تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔ جسم، روح اور نفس۔ آپ پریشان نہ ہوں، ہم کوئی مشکل فلسفیانہ گفتگو کی طرف نہیں جا رہے بلکہ ہماری کوشش ہے کہ جسم، روح اور نفس کے بارے میں آج کے زمانے اور عقل کے مطابق بات کی جائے۔

کمپیوٹر کی مثال:

دیکھئے! کمپیوٹر تو اب ہم سب ہی لوگ استعمال کرتے ہیں۔ بات اگر کمپیوٹر کے حوالے سے کی جائے تو اس مثال سے بہت مشکل باتوں کو آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے۔ کمپیوٹر کا ایک ہارڈ ویئر ہوتا ہے۔ یعنی اس کے نظر آنے والے پارٹس یعنی مانیٹر، یو۔ پی۔ ایس، کی بورڈ، ہارڈ ڈسک، پاور

سپلائی وغیرہ۔کمپیوٹر کا دوسرا حصّہ جو نظر نہیں آتا۔ وہ اس کا سوفٹ ویئر کہلاتا ہے۔اس میں مختلف پروگرام سوفٹ ویئر اور ونڈوز وغیرہ ہوتی ہیں۔ ہارڈ ویئر خواہ کتنا ہی قیمتی ہو لیکن اس میں سوفٹ ویئر موجود نہ ہو تو کمپیوٹر وہ کارنامے سرانجام نہیں دے سکتا جن کے لیے اسے بنایا گیا ہے۔

انسان کے اندر، اس کے مختلف اعضا دراصل کمپیوٹر کے ہارڈ ویئر کی طرح ہیں۔ جہاں تک روح کا تعلق ہے تو کوئی انسان نہیں بتا سکتا کہ روح کیا ہے۔اس کا ایک ہی قرآنی جواب ہے کہ ''روح مِن امرِ ربّی'' ہے۔بات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کہہ سکتے ہیں کہ روح جسم اور نفس کا آپریٹنگ سسٹم ہے آپ اسے ''مدر بورڈ'' بھی کہہ سکتے ہیں۔جسم اور نفس کی پاور سپلائی بھی روح کے سبب ہی برقرار رہتی ہے۔

نفس کیا ہے:

آپ کہیں گے کہ یہ نفس کیا ہے؟ تو سمجھیں کہ نفس ایک سوفٹ ویئر ہے، جو ہمارے جسم کے اندر موجود ہے۔یہ بڑا ہی حساس سوفٹ ویئر ہے۔ پھر اس کی کئی اقسام ہیں۔ان اقسام کو ہم نفس کی مختلف ونڈوز کہہ سکتے ہیں۔نفس کی ہر قسم، زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے لیکن نفس نامی اس سوفٹ ویئر کو اس طرح ڈیزائن کیا گیا ہے کہ یہ اچھے یا برے دونوں ہی کاموں کو سرانجام دے سکتا ہے۔البتہ برا کام اس کے لیے کمپیوٹر کے وائرس کی طرح ہوتا ہے۔جھوٹ، حسد، غیبت اور غصے کے سارے شیطانی وائرس، نفس نامی اس سوفٹ ویئر ہی پر حملہ آور ہوتے ہیں۔وائرس زیادہ ہو جائیں، یا کوئی بڑا وائرس مثلاً کوئی گناہ کبیرہ اس پر حملہ آور ہو جائے تو یہ نفس کی تمام فائلوں کو بیک وقت کرپٹ کر سکتا ہے۔کچھ وائرس ہوتے تو خطرناک ہیں لیکن جب تک ان کی تعداد زیادہ نہ ہو جائے نفس نامی یہ سوفٹ ویئر کام چلاتا رہتا ہے۔

نفس کے ساتھ ایک سافٹ ویئر:

نفس نامی اس سوفٹ ویئر کو ہینگ یا کرپٹ ہونے سے بچانے کے لیے اس میں ایک خاص پروگرام بلٹ اِن ہوتا ہے یعنی ''کمپنی'' ہی سے لگا ہوا آتا ہے اور کبھی بھی خراب نہیں ہوتا، اسے ہم

لوگ ''ضمیر'' کہتے ہیں۔اس کی وجہ سے ہم کسی برائی کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو نفس کے مانیٹر پر فوراً ہی ایک وائرس الرٹ آ جاتا ہے۔یہ اینٹی وائرس آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہے کہ جسم کا کون سا حصہ غلطی کرنے والا ہے۔مثلاً زبان، آنکھیں، ہاتھ، پیر، کان وغیرہ۔وائرس کہاں سے آ رہا ہے اور کیا کرے گا۔

غلطی کوئی سا بھی عضو سر انجام دے لیکن اس غلطی سے جنم لینے والا وائرس نفس ہی کو متاثر کرتا ہے۔یہ وائرس اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ اگر کمپیوٹر کو فوراً ہی فارمیٹ نہ کرایا جائے تو شیطانی وائرس، نفس کی تمام ونڈوز کو کرپٹ کر دیتے ہیں۔پھر ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ شیطان پورے نفس ہی کو ہیک (اغوا) کر لیتا ہے۔آپ کی پوری ویب سائٹ ہی ہینگ ہو جاتی ہے۔شیاطین ہیکرز اس پر اپنی مرضی کے پیغامات لکھ دیتے ہیں اور پورے پروگرام پر کنٹرول حاصل کر کے اسے شیطانی پروگرام کے مطابق چلانے لگتے ہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ نفس کا سوفٹ ویئر شیطانی کاموں کے لیے ڈیزائن ہی نہیں کیا گیا لیکن جب ہم شیطانی نیٹ ورک سے کنیکٹ ہو جاتے ہیں تو ہمارے سوچنے کا انداز ہی بدل جاتا ہے۔

شیطانی وائرس شکلیں بدلتے رہتے ہیں:

ضمیر نامی سوفٹ ویئر، وائرس الرٹ دے سکتا ہے، وہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں برائی سے روک نہیں سکتا۔یہ کام انسانی عقل کو ودیعت کیا گیا اور انسان کو اس کے لیے ضروری صلاحیتوں سے لیس کیا گیا ہے۔

شیطانی وائرسوں کی مثال فِلو کے وائرس جیسی ہوتی ہے۔فِلو کی بیماری اس لیے دیر سے ختم ہوتی ہے کہ فِلو کا وائرس اپنا میک اَپ (حلیہ) بدلتا رہتا ہے۔یہ اپنی شکل بدلنے کا ماہر ہوتا ہے اس لیے جسم کا دفاعی نظام اور ادویات کے اثرات اسے پہچان نہیں پاتے، اسی لیے اسے فوری طور پر فنا بھی نہیں کر پاتے۔

شیطانی وائرس بھی اکثر اسی طرح شکلیں بدلتے رہتے ہیں۔نفس کا دفاعی نظام خیر و شر کے

درمیان تمیز نہیں کر پاتا۔ انسان سمجھ ہی نہیں پاتا کہ وہ کوئی نیکی سرانجام دے رہا ہے، یا کسی بدترین گناہ میں مبتلاء ہے۔

نفس کا ایک ایسا ہی وائرس ہے ''خود پسندی''۔ یہ وائرس عام طور پر بے جا تعریفوں اور اپنی چھوٹی سی نیکی کو بڑا سمجھنے کے سبب جنم لیتا ہے اور فوری طور پر نفس پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ متاثرہ شخص بہ ظاہر ٹھیک ٹھاک لگتا ہے۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو مکمل صحت منداور تن درست محسوس کرتا ہے لیکن بڑے خطرات سے دو چار ہوتا ہے۔ اکثر اوقات وہ اپنے ظاہر کو تقدس کے لبادے سے آراستہ کرتا ہے۔ رکھ رکھاؤ اور انکساری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر باتیں کرتا ہے۔ دوسروں کی باتیں سنتا ہے لیکن خود کو عقلِ کُل کے مرتبے پر فائز سمجھتا ہے۔ اگرچہ اس وقت اس کی عقل نہیں بلکہ اس کا نفس اسے آپریٹ کرر ہا ہوتا ہے۔

بعض شیطانی وائرس کسی اور طرح نفس کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ مثلاً کوئی وائرس ایسا ہو سکتا ہے کہ صبح کو میری آنکھ بھی نماز فجر کے اول وقت کھل جائے اور میں اذان کی آواز بھی سنتا رہوں اور سوتا بھی رہوں اور اذان کی آواز ختم ہوتے ہی سکون کا سانس لے کر دوبارہ گہری نیند میں چلا جاؤں۔

جب ایسا بار بار ہونے لگے تو روح جو جسم کا آپریٹنگ سسٹم ہے وہ ضمیر نامی سوفٹ وئیر کو استعمال کرتی ہے اور آپ کے دماغ کی اسکرین پر Software up date یا Low connectivity کے سگنلز آنے لگتے ہیں۔

یہ روحانی حالت بہت خطرناک ہوتی ہے:

یہ لوکنیکٹی وٹی کی حالت بہت تکلیف دہ اور سخت خطرناک ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ سے رابطے کے لیے جس ''سَر وَر'' کی سہولت آپ کو دی گئی تھی، وہ سہولت عارضی طور پر منقطع کر دی گئی ہے۔ اس حالت میں زیادہ دیر گزرے تو ہم اور آپ رحمانی وروحانی نیٹ ورک سے کٹ جاتے ہیں۔ ضمیر کام کرنا بند کر دیتا ہے۔ خیر وشر کی تمیز مٹنے لگتی ہے۔ اس تنہائی کے عالم میں شیاطین کو خوب کھل کر کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ ایسے شخص کو اچھی طرح ذلیل وخوار کر کے چھوڑتے ہیں۔

اس تنہائی سے فوری باہر نکلنا ضروری ہوتا ہے اور اس کے لیے آپ کو اپنا پورا سسٹم فارمٹ کرنا ہوتا ہے۔ سسٹم کو فارمٹ کرنا زیادہ مشکل کام نہیں۔ قرآن کی تلاوت، حکیمانہ جملے، علماء کی صحبت، مسجد میں نماز کے وقت سے ذرا پہلے مجرموں کی طرح جا کر بیٹھنا، استغفار اور درود کثرت سے پڑھنا، سجدے میں گرنا اور جب نمازی جمع ہو جائیں تو ان کے درمیان جگہ بنا کر نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا۔ پھر جب بہت سارے مومنین دعا کر رہے ہوں تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا اور اپنی اوقات کو سمجھنا۔

جب مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے تو میں تو یہی کرتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے یقین ہوتا ہے کہ میرا مالک بہت مہربان ہے جب وہ مجھے اپنے اتنے سارے نیک بندوں کے درمیان شرمندہ و شرمسار دیکھے گا تو اس کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ مجھے معاف نہ کرے۔

اس حالت سے نکلنے کا ایک اور طریقہ:

اس لو کنیکٹی وٹی یعنی روحانی پسماندگی سے نکلنے کا ایک اور بھی بہت آزمودہ نسخہ ہے۔ وہ ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیتؑ سے توسّل اختیار کرنا۔

> ''ہم نے کسی رسول کو بے سبب نہیں بھیجا مگر صرف اس لیے کہ حکم خدا سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اگر یہ لوگ بھی اس وقت جب انہوں نے اپنے (نفسوں) پر ظلم کیا تھا، اللہ سے بخشش طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے طلب مغفرت کرتا تو یہ (لوگ) یقیناً اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔'' (سورالنساء: آیت ۶۴)

اس توسّل کے لیے بہترین جگہیں مساجد ہیں۔ مسجد میں جا کر کسی کونے میں بیٹھ کر دعائے توسّل پڑھیے۔ خود کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہلِ بیتؑ کے سامنے حاضر و ناظر تصوّر کیجیے۔ دعائے توسّل کے بعد سجدے میں جا کر آنسو بہایئے۔ سجدے سے اٹھ کر بیٹھیں تو کثرت سے درود پڑھیں اور ہاتھ جوڑ کر کہیں۔ ''لِیسَ لی وَرَاَاللهِ وَ وَرَاء کُم یا سادَتی مُنتهیٰ''

''میرا کوئی کوئی نہیں ہے، سوائے اللہ کے اور آپ کے۔اے، میرے سردارو!''

شیطانی وائرس مرجاتے ہیں:

لوکیکٹی وٹی کی حالت ختم ہوجاتی ہے۔ سارے شیطانی وائرس اپنی موت آپ مرجاتے ہیں اور روحانی ورحمانی دنیا سے رابطے کی جو سہولت منقطع کردی گئی تھی، وہ دوبارہ بحال ہو جاتی ہے۔ ضمیر جو پہلے ''ہینگ ہوگیا تھا'' دوبارہ پوری توانائی سے کام کرنے لگتا ہے۔ پورا سسٹم فارمٹ ہوجاتا ہے اور میں کوشش کروں، احتیاط سے کام لوں، تو بہت عرصے تک میرا نفس شیطانی وائرسوں کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔

لیکن خیر وشر کے معرکے تو آخری سانس تک جاری ہی رہتے ہیں۔ کسی نے ایس ایم ایس کیا تھا وہ مجھے یاد آ گیا۔ میسج میں لکھا تھا۔

''انسان اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں نہیں جاتا بلکہ وہ گناہوں پر مطمئن رہنے اور توبہ نہ کرنے کی وجہ سے جہنم میں چلا جاتا ہے۔''

بس گناہوں کی طرف سے بے فکر نہ رہیں اور توبہ کو ٹالتے نہ رہیں۔ شیطانی وائرسوں سے محفوظ رہنے کے لیے ندامت، معافی، استغفار، درود، صدقہ وخیرات، خوش خلقی اور صلہ رحمی بہترین اینٹی وائرس ہیں۔ آپ بھی انہیں اپنے نفس میں انسٹال کر کے دیکھیں۔

کچھ لوگ اپنے روحانی سسٹم کو کسی اور سے بھی ''فارمیٹ'' کراتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایسے عرفانی لوگوں سے دنیا خالی نہیں ہے لیکن ان میں اصل اور نقل کی پہچان بہت مشکل ہے۔ باطل سے ہم اکثر اس لیے دھوکا کھا جاتے ہیں کہ وہ بالکل حق کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے یا ان دونوں کی آمیزش کے ساتھ۔ اب اگر آپ دھوکا کھا گئے، کسی فٹ پاتھی مکینک کے ہاتھ لگ گئے تو وہ اپنی چرب زبانی سے آپ کو اپنا گاہک بنا لے گا اور سسٹم کو فارمیٹ بھی کردے گا لیکن کچھ عرصے بعد آپ کو پتا چلے گا کہ آپ...... بین الکائناتی نیٹ ورک کے بجائے ایک لوکل سرور کو استعمال کرتے رہے ہیں اور یہ سرور دنیا میں انسانی شکلوں کے شیاطین چلاتے ہیں۔

باب:۲

روحانی حالت کا تعلق، اعمال سے ہوتا ہے

ہم سب کا تجربہ ہے کہ ہمارا ہر دن ایک الگ کیفیت کے ساتھ گزرتا ہے۔ کسی دن ہم پُر اعتماد ہوتے ہیں اور کسی دن اعتماد بالکل کم ہوتا ہے۔ بعض دنوں میں ہمارا ذہن منتشر ہوتا ہے اور بعض دنوں میں پرسکون۔ کبھی صبح کو ہم بور اٹھتے ہیں اور شام ہوتے ہوتے مزاج کا تکدّر دور ہو جاتا ہے۔ کبھی مایوسی کی حالت، کبھی امید کی کیفیت۔ کسی دن خود بہ خود دل چاہتا ہے کہ مسجد جائیں نماز پڑھیں، علم یا ضریح کے پاس جا کر بیٹھ جائیں، کسی دن نماز پڑھنے میں کاہلی اور سستی طاری ہو جاتی ہے۔ ایک دن صبح کے وقت بڑے خضوع و خشوع سے نماز ادا کی لیکن مغرب کی نماز کے وقت دل اُچاٹ۔ مارے باندھے کی نماز۔

ایسا کیوں ہوتا ہے:

ایسا کیوں ہوتا ہے اس کا حتمی سبب تو نہیں بتایا جا سکتا لیکن ذہن کی ان بدلتی ہوتی حالتوں کا کوئی تعلق ہمارے اعمال و افعال سے ضرور ہوتا ہے۔ شاید اس طرح ہوتا ہو کہ بعض اعمال کے سبب ہمیں نیکی کرنے کی مزید توانائی عطا کر دی جاتی ہو اور کبھی کسی عمل کی وجہ سے اس پاور سپلائی کے ایک دو فیز اڑ جاتے ہوں۔

مثلاً مغرب کی نماز میں آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ راغب ہوا۔ اس کے احسان اور اس کی نعمتیں زیادہ یاد آئیں اور آپ نے بڑی توجہ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو محسوس کرتے ہوئے نماز پڑھی لیکن رات گئے آپ نے اپنے کسی کام سے انٹرنیٹ کھولا۔ آپ کام کچھ کرنا چاہ رہے تھے کہ سائٹ پر موجود مختلف وڈیوز کے باکس آنے لگے اور اردگرد کی فضا میں موجود شیاطین نے آپ کو

نشانے پر رکھ لیا۔آپ نے بے خیالی میں، یا شعوری طور پر کسی باکس کو کلک کر دیا اور آپ کے سامنے شیطانی دینا کے دروازے پاٹوں پاٹ کھل گئے۔شیطان نے کان میں سرگوشی کی۔ ''اللہ بہت معاف کرنے والا ہے۔ابھی دیکھ لیتے ہیں۔بعد میں معافی مانگ لیں گے اللہ سے''۔

آنکھ نہیں کھلی:

آپ ہر روز نماز فجر اول وقت نہیں تو سورج نکلنے سے پہلے پڑھ لیا کرتے تھے لیکن اگلے دن آنکھ کھلی تو آٹھ بج رہے تھے، دفتر کا ٹائم ہو رہا تھا، آپ نے سوچا ظہر سے پہلے نماز فجر قضا پڑھ لوں گا لیکن دفتر میں کام اتنا نکل آیا کہ لنچ ٹائم میں بھی مصروفیت رہی۔شام کو مغرب کی اذان راستے ہی میں ہوگئی۔گھر آئے تو ٹریفک کی زیادتی سے تھکے ہوئے۔گھر پر کوئی عزیز ملنے آئے ہوئے تھے۔ اس طرح مغرب، عشاء نہ پڑھ سکے یا بہت دیر سے نماز ادا کی اور سو گئے۔صبح پھر آنکھ نہیں کھلی۔

مالک بہت مہربان ہے:

لیکن آپ کا مہربان مالک آپ کی کمزوریوں سے واقف ہے اور شیطانوں کی سازشوں سے بھی۔اگر کسی غلطی کے بعد آپ نے ندامت اور شرمندگی محسوس کی تو اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے۔مثلاً اگلے دن صبح کسی مسلمان بھائی کے بارے میں آپ کو معلوم ہوا کہ وہ رات اسپتال میں داخل ہوئے ہیں۔ان کے حالات اچھے نہیں ہیں۔شاید انہیں مالی مدد کی ضرورت ہو۔آپ دفتر جاتے جاتے راستے میں اسپتال چلے گئے۔ان کی مزاج پرسی کی۔ ''میں کچھ پیسے لایا تھا شاید آپ کو ضرورت پڑ جائے'' آپ نے چپکے سے مریض کی بیوی سے کہا اور بڑے خلوص اور رازداری کے ساتھ کچھ رقم ان کے حوالے کر دی۔آفس جا کر بھی آپ نے مریض کے گھر والوں سے حال احوال پوچھا۔

سلسلہ بحال ہو گیا:

نماز ظہر سے پہلے پہلے آپ کے ذہن میں خیال آیا۔ ''کتنے لوگ ہیں جو اسپتالوں میں داخل ہیں اور اللہ نے مجھے ان مصیبتوں سے بالکل دور رکھا ہوا ہے'' اذان ہونے لگی اور آپ بے اختیار

وضو کے لیے دوڑے اللہ کا شکر ادا کرنے کو جی چاہنے لگا۔ آپ نے نماز پڑھی اور شاید بہت سے دوسرے عادتاً نماز پڑھنے والوں کی نماز سے مختلف نماز پڑھی اور یوں سلسلہ جہاں سے ٹوٹا تھا، وہیں سے بحال ہو گیا۔

مریض کی عیادت کے لیے جانے کا موقع اللہ نے آپ کو فراہم کیا تھا۔ آپ نے اس سے فائدہ اٹھالیا۔ اگر اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاتے تو اسپتالوں میں داخل مریضوں اور ان کے پریشان حال لواحقین کا تصور بھی آپ کے ذہن میں نہ آتا۔ یہ خیال نہ آتا تو آپ ان بے شمار مصیبتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے جو آپ کے اردگرد موجود تھیں لیکن اللہ نے انہیں آپ تک آنے سے روکا ہوا تھا۔ آپ تو اپنے ایئر کنڈیشنڈ آفس میں دفتری گفتگو اور منافقانہ مسکراہٹوں کے درمیان کاموں میں مصروف رہتے اور وہی ہوتا جو ہم نے اوپر والے پیراگراف میں لکھا ہے۔ نماز ٹلتی ہی رہتی اور اور اس سے حالات میں مزید پیچیدگیاں جنم لیتی رہتیں۔

ہم اور آپ معصوم نہیں ہیں:

دیکھیں ہم اور آپ معصوم پیدا نہیں کیے گئے۔ غلطیاں سب سے ہوتی ہیں لیکن دانستہ یا نادانستہ غلطی کے بعد اللہ سے خوف محسوس کریں، اس سے ڈرے سہمے رہیں اور جلد از جلد کوئی نیکی سرانجام دیں۔ کسی ناراض عزیز سے خود ملنے جائیں، ماں باپ حیات ہیں تو ان کی کوئی خدمت سر انجام دیں، انھیں کوئی خوشی دیں اگر وہ اس دنیا میں نہیں ہیں تو ان کی قبر کے سرہانے جا کر اللہ سے دعا کریں۔ اسی طرح صدقہ، کلمۂ خیر، کسی کی مدد، کسی کی عیادت، راستے سے کانٹے ہٹا دینا، کسی کو راہ دکھا دینا۔ اس طرح ہمیں اور آپ کو توبہ کی توفیق حاصل ہو جاتی ہے اور جو توبہ کی توفیق عطا کرتا ہے، وہ معاف بھی کر دیتا ہے۔ معاف کرنے کا ارادہ نہ ہوتا تو وہ توفیق ہی کیوں دیتا!

باب:۳

نماز میں یکسوئی کیسے حاصل کریں

نماز پڑھتے وقت یہ مسئلہ سب ہی کو پیش آتا ہے۔ کھڑے ہوتے ہیں اللہ کے دربار میں اور ذہن بھٹک رہا ہوتا ہے اِدھر اُدھر۔ آئمہ طاہرینؑ جیسی عبادت تو ہم کر نہیں سکتے لیکن اپنی سی کوشش تو کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان ہمیں اس بے خبری کی عادت ہی ڈال دے۔ یعنی ہم عادتاً نماز پڑھنے لگیں اور اس کی روح سے غافل ہونا ایک عادت بنالیں۔

پھر کیا کریں؟

اس کے کئی طریقے ہیں۔ مثلاً سب سے آئیڈیل طریقہ تو یہ ہے کہ ہم جو کچھ نماز میں پڑھتے ہیں اس کا ترجمہ ہمیں معلوم ہو۔ یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں ...... جی ہاں مجھے معلوم ہے کہ عربی کا مسئلہ ہے لیکن اس کی ایک ترکیب یہ ہے کہ آپ نماز پنج گانہ کی ایک چھوٹی سی کتاب خرید لیں یہ کتابیں ہر بک اسٹور پر دستیاب رہتی ہیں۔ ان میں نماز کا مکمل طریقہ بھی ہوتا ہے اور وہ سب کچھ بھی اردو ترجمے کے ساتھ موجود ہوتا ہے جو آپ نماز میں پڑھتے ہیں۔ مثلاً اذان و اقامت، نیت، قیام، سورے، رکوع، سجود اور درمیان کے ذکر قنوت، تشہد سلام، تعقیبات۔ اس کتاب کے ذریعے آپ پوری نماز کے ارکان و اذکار کے معنی جان سکتے ہیں۔

تھوڑا تھوڑا کر کے کبھی سورہ فاتحہ کا مکمل ترجمہ یاد کرلیں، کبھی سورہ قدر اور سورہ اخلاص کا ترجمہ ذہن نشین کرلیں۔ پھر آگے بڑھیں اور دوسرے اذکار کا مطلب یاد کرلیں۔

نماز میں توجہ قائم رکھنے کا آئیڈیل طریقہ یہی ہے کہ آپ عربی میں جو کچھ پڑھیں، اس کا اردو ترجمہ آپ کے ذہن میں چلتا رہے۔ ایک مرحلہ آئے گا کہ آپ اس ترجمے کی معنویت سے بھی

لذت اندوز ہونے لگیں گے۔

یاد رہے کہ ذہن میں دو باتیں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ اگر ترجمہ آپ کے ذہن میں تازہ رہے گا تو پھر شیطان کو خاصی مشکل پیش آئے گی کہ آپ کے ذہن کو ادھر اُدھر بھٹکا سکے۔

دُعا تعلیم کرنے والے کا بھی ایک حق ہے:

بات شاید بے ربط سی محسوس ہو آپ کو، لیکن ایک خیال آیا۔ جی چاہتا ہے آپ کو بھی بتاؤں۔

دیکھیے! اکثر دوست ایسے ہیں جو نماز کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی تعلیم کردہ دعائیں پڑھتے ہیں۔ یہ دُعائیں ہماری حاجات کے پورا ہونے کی ضمانت کے ساتھ ساتھ علم اور معرفت کے ان مول، لازوال خزانے ہیں۔ یہ خزانے ہمیں کتابوں میں نظر آتے ہیں تو ہم انہیں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ ان کے ذریعے اپنے مسائل بھی حل کرتے ہیں اور معرفت پروردگار کی تربیت بھی حاصل کرتے ہیں لیکن اکثر ان مہربان شخصیات کا شکریہ ادا کرنا بھول جاتے ہیں جنہوں نے علم وعرفان کے یہ خزانے ہمیں عطا کیے ہیں۔

اگر کوئی شخص، مثلاً کوئی معالج ہمیں کسی لاعلاج بیماری کا بالکل مفت علاج بتادے، کینسر کے لب دم مریض کو کوئی دوا کھلا کر اس کے کینسر کو جڑ سے ختم کر دے تو ایسے مریض کو، اس معالج کا کس قدر شکر گزار ہونا چاہیے۔ مریض ساری زندگی اسے یاد رکھے گا اور ہمیشہ اس کا شکریہ ادا کرتا رہے گا۔

محمدؐ وآلِ محمدؑ کی تعلیم کردہ دعائیں کفر وشرک جیسے سرطانوں کا علاج، مایوسی اور غم واندوہ سے نکلنے کا راستہ، دنیاوی مشکلات سے نکلنے کی راہ، امراض سے نجات کا ذریعہ، دوزخ کے عذاب کے سامنے ڈھال، جنت الفردوس میں داخل ہونے کا راستہ اور آخرت کی زندگی کا کبھی نہ ختم ہونے والا سرمایہ ہیں۔

ان ہستیوں کی طرف متوجہ رہیں:

جن پاکیزہ قلوب سے یہ خزانے سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچے ہیں، ان ہستیوں کا ہم شکرانہ تو ادا نہیں کر سکتے لیکن اس کے لیے کسی حد تک کوشش ضرور کر سکتے ہیں۔ مثلاً دعا پڑھتے وقت انہیں ”آن

بورڈ'' رکھیں، ان کی طرف متوجہ رہیں اور ان کی تعلیم کردہ دعا پڑھنے سے پہلے اور پڑھنے کے بعد ان کی خدمت میں کم از کم تین، پانچ، سات یا چودہ مرتبہ درود کا ہدیہ پیش کریں۔

اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے اور آخر میں درود پڑھنا چاہیے۔ قرآن مجید جیسی عظیم رحمت و نعمت ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے ملی ہے اور اہل بیت علیہم السلام نے زمانے کی سازشوں اور دشمنوں کی تحریفوں سے بچا کر اسے ہم تک پہنچایا ہے۔ تو یہ ہمارا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ ہم جب بھی قرآن کھولیں، پہلے اپنے محسنوں کو یاد کریں اور انؑ کے لیے درود و سلام کا تحفہ ضرور بھیجیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیتؑ، اللہ جل شانہ تک پہنچنے کے دروازے ہیں تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ہر دروازے پر اپنی پیشانی ملیں۔ ہر دوراز ے سے درود پڑھتے ہوئے داخل ہوں۔

باب: ۴

دُعا کی درخواست اور ذمے داریاں

دوسرے مومنین سے دُعا کی درخواست کرنا، اچھی بات ہے لیکن یہ درخواست اگر محض رسماً اور لفظوں تک محدود رہے تو یہ ایک بے معنیٰ درخواست ہوگی۔ ''التماس دعا،'' دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔'' یہ جملے بہت سے لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔ خصوصاً جب کوئی عزیز، دوست حج وعمرے یا زیارات کے لیے جاتا ہے تو ہم اس سے کہتے ہیں کہ بھائی! ان مقامات پر جائیں تو خاص لمحوں میں، خاص کیفیتوں اور دعا قبول ہونے کے ان مقامات پر ہمیں یاد رکھیے گا۔

ان مقامات کے لیے لوگ عریضے بھی لکھتے ہیں تاکہ انہیں ضریح مقدس تک پہنچایا جائے۔ یہ سب، مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ ایسا ہونا چاہیے۔ ان مقامات پر دعائیں یقیناً مستجاب ہوتی ہیں۔

لیکن میں سوچتا ہوں کہ التماس دُعا، دعا کی درخواست کرنے اور معصومین علیہم السلام کی خدمت میں عریضے ارسال کرنے کے بعد مجھ پر کئی ذمے داریاں بھی عائد ہو جاتی ہیں۔ وہ ذمے داریاں کیا ہیں، اس کے بارے میں نہ کسی کتاب میں کچھ پڑھنے کو ملتا ہے اور نہ ہمارے منبروں سے اس موضوع پر بات کی جاتی ہے لیکن ہمیں ان باتوں پر غور کرنا چاہیے۔

میں بھی دوسروں کو دعا میں یاد رکھوں:

مثلاً میں کسی مومن سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرتا ہوں تو میرا اخلاقی فریضہ بنتا ہے کہ میں بھی اس مومن بھائی کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں۔ جس طرح میں اپنی مشکل، اپنی بیماری، اپنے معاشی مسائل، مہنگائی اور اپنے بچوں کی بہتری کے لیے پریشان رہتا ہوں اس طرح وہ مومن بھی بہت سے مسائل میں گھرا ہوا ہوگا۔ اب میں اس سے تو درخواست کروں کہ دعاؤں میں یاد رکھیے گا

اور خود اسے اپنی دعاؤں میں بھول جاؤں تو بات بہر حال خود غرضی میں شمار ہوگی۔

جی ہاں۔ مجھے احساس ہے کہ ان باتوں کو پڑھ کر آپ کے ذہن میں کیا بات آئی ہے آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ہم تو بہت سارے دوستوں، خصوصاً علماء سے دعا کی درخواست کرتے ہیں یاد ہی نہیں رہتا کہ کس کس سے کہا تھا۔ اب ان سب کو دعاؤں میں کیسے یاد رکھیں!

یہ کام مشکل نہیں:

آپ نے صحیح سوچا۔ یہ کام مشکل ضرور ہے لیکن بہت آسان بھی ہے۔ ہم نے آیندہ صفحات پر ایک دعا کا تذکرہ کیا ہے۔ جسے ماہ رمضان میں روزانہ پڑھا جاتا ہے۔ یہ انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی دُعا ہے اور پورے معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ چھوٹی سی دعا ہے اگر اسے کسی نماز کے بعد روزانہ کتاب سے دیکھ کر پڑھا جائے تو چند ہی دنوں میں یہ دعا زبانی یاد ہو جاتی ہے۔ جب زبانی یاد ہو جائے تو پھر جب چاہیں یہ دعا کریں، یہ دعا اللہ سے مانگیں۔ اب آپ کو سہولت حاصل ہوگی کہ چاہے یہ دعا سجدے میں سر رکھ کر پڑھیں یا اسے قنوت کا حصہ بنالیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ سب سے اچھی نماز کون سی ہوتی ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: جس کا قنوت زیادہ طویل ہو۔" (مفہوم)

قنوت میں دعائیں:

عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ قنوت میں بس وہی دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں جو انہیں والدین نے بچپن میں سکھائی تھیں یا جو دعائیں مولانا صاحب جماعت کی نماز میں قنوت کے دوران پڑھتے ہیں۔ نماز جماعت میں تو آپ پیش نماز صاحب کو فالو کر رہے ہوتے ہیں لیکن گھر میں پڑھی جانے والی دعاؤں میں تو وقت ہوتا ہے۔ قنوت میں بہت ساری دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ روزانہ نہیں پڑھ سکتے تو جب یاد آئے اور موقع ہو تو اس دعا کو پڑھیں۔

التماس دعا کی ایک ذمے داری ہمیں خود ہی اپنے اوپر عائد کر لینا چاہیے۔ وہ یہ کہ جب کسی دوسرے بھائی سے دعا کی درخواست کریں تو خود بھی ذرا محتاط ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ جب وہ

مومن اپنی تنہائی میں نماز کے بعد آپ کے لیے دل سے دعا کر رہا ہو تو عین اسی وقت ہم اپنی تنہائی میں خود کسی گناہ کا ارتکاب کر رہے ہوں۔

عریضے ارسال کرنے کے بعد:

اس سے بڑھ کر حساس معاملہ ہمارے ان عریضوں کا ہے جن کے لیے ہماری خواہش ہوتی ہے کہ زائر کسی طرح انہیں معصومؑ تک پہنچا دے۔اب عین اس وقت جب کہ میری درخواست معصومؑ کے دربار میں پہنچتی ہے میں کسی الٹے سیدھے کام میں مصروف ہوں تو یہ بڑی ندامت کی بات ہوگی۔ایسے میں مجھے خود ہی تصور کرنا چاہیے کہ امام معصومؑ میرے لیے دعا کریں گے یا میری حالتِ زار پر افسوس۔

امام معصومؑ کی خدمت میں عریضہ لکھنے کو معمولی بات نہ سمجھیں۔اس کی قدر و قیمت کو جانیں۔عریضہ زائر کے سپرد کرنے کے اگلے لمحے سے یہ یقین کرلیں کہ آپ کی درخواست امام علیہ السلام کے دربار میں پہنچ گئی۔لکھا ہوا عریضہ تو ہارڈ کاپی ہوتا ہے۔اس کی سوفٹ کاپی پہلے ہی معصومؑ کے دربار میں پہنچ جاتی ہے۔اب مجھے اور آپ کو حتیٰ الامکان حالت حضوری میں ہونا چاہیے۔یاد رکھیں کہ عریضہ بھیجا تھا......اور اب مجھے محتاط رہنا ہے۔

ہم عریضے بھی بھیجتے رہیں اور خود اپنی شخصیت، اپنے کردار و عمل میں کوئی مثبت تبدیلی نہ پیدا کریں تو سمجھ لیں کہ نہ ہم نے کوئی عریضہ بھیجا تھا اور نہ کوئی عریضہ کبھی وہاں موصول ہوا تھا۔نہ ہارڈ کاپی نہ سوفٹ کاپی......لیکن نہیں، اللہ تعالیٰ کا کرم یقیناً اس سے بڑھ کر ہے۔

سب زندہ یا سب مُردہ:

میرے ایک جاننے والے ہیں۔انہوں نے اپنے گھر میں ایک جگہ نماز کے لیے مخصوص کر رکھی ہے۔گھر میں ٹی وی چل رہا ہو تب بھی اس جگہ آواز نہیں آتی۔آواز آئے تو وہ پنکھا تیز کر لیتے ہیں۔اس طرح وہ نماز کے دوران ٹی وی نشریات کی آلودگی سے بچے رہتے ہیں۔میں اکثر ان کے پاس جاتا ہوں۔ایک دن میں ان کے گھر گیا تو وہ اسی کمرے میں تھے۔انہوں نے مجھے بھی

وہیں بلالیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں تنگ سی جگہ میں دو جانمازیں بچھی ہیں، قرآن اور دعاؤں کی کتابوں کے ساتھ ساتھ سامنے ہی ایک موٹی سی نوٹ بک بھی رکھی ہوئی ہے۔

میں جہاں جاتا ہوں، وہاں اگر کتابیں موجود ہوں تو انہیں ٹٹولنا شروع کر دیتا ہوں۔ اتفاق سے میں نے اس نوٹ بک کو کتاب سمجھ کے اٹھالیا اور فوراً ہی بند کر کے رکھ دیا۔ اس نوٹ بک میں بہت سارے نام لکھے ہوئے تھے۔

میں نے ان سے پوچھا۔ ''یہ اتنے سارے نام کس کے لکھے ہوئے ہیں؟'' انہوں نے جو کچھ بتایا، اسے سن کر مجھے بہت اچھا لگا۔

انہوں نے کہا۔ ''دیکھو! میرے ساتھ بہت سارے لوگوں نے نیکیاں کی ہیں، بہت سے لوگوں کے احسان ہیں مجھ پر، اب کچھ یہاں ہیں اور کچھ وہاں ہیں۔ یعنی کچھ زندہ ہیں اور کچھ انتقال کر چکے لیکن یہ زندہ مردہ کی تفریق تو ہمارے لیے ہے، اللہ کے سامنے تو سب زندہ ہیں یا سب مردہ۔''

اس جملے پر ہم نے ذرا پہلو بدلا تو وہ سمجھ گئے۔ ''ارے بھائی سب زندہ یا سب مردہ سے مراد یہ ہے کہ مومن یہاں ہو یا وہاں، وہ زندہ ہوتا ہے۔ کافر یہاں ہو یا وہاں، وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی دراصل مردہ ہوتا ہے۔ بہر حال میں نے ان لوگوں کے نام اس ڈائری میں لکھ لیے ہیں تا کہ دُعا کے وقت کسی کو بھول نہ جاؤں۔ انہوں نے زندگی کے اس سفر میں جگہ جگہ میری مدد کی ہے۔ تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں بھی ان کی نیکی کو یاد رکھوں۔

اس ڈائری میں ہر روز کچھ ناموں کا اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ کوئی میری مدد کرتا ہے۔ کبھی کچھ عزیز دوست، رشتے دار، ایسے ملتے ہیں جو مجھ سے دعا کے لیے کہتے ہیں تو میں گھر آ کر ان کا نام اس ڈائری میں لکھ لیتا ہوں۔

کبھی کبھی ہی سہی......

ہر نماز کے بعد نہ سہی، ہر روز نہ سہی، کم از کم شب جمعہ میں ان سب کے لیے ضرور دعا کرتا ہوں۔ کبھی سب کا نام لینے کا وقت نہیں ملتا۔ سستی اور تھکن غالب آ جاتی ہے۔ تو میں ایک عجیب

بے بسی اور شرمندگی کے عالم میں اس ڈائری کو ہاتھ میں اٹھالیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس ڈائری میں جن مومنین کے نام ہیں، محمد آلِ محمد کے صدقے میں انہیں اپنی خوشنودی، خیر و برکت، صحت اور سلامتی عطا فرمادے۔''

بہت سے لوگ ہمارے بھی کام آئے ہوں گے:

اب اگر ہم اور آپ اپنی زندگی، اپنے شب و روز پر غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ بے شمار لوگوں نے ہمارے ساتھ بہت سی نیکیاں کی ہوں گی، ہمارے کام آئے ہوں گے، ہماری سفارش کی ہوگی، کوئی راستہ دکھایا ہوگا، کسی مشکل میں ہمارے ساتھ آ کھڑے ہوئے ہوں گے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم بھی دعاؤں میں انہیں یاد رکھیں، روزانہ نہ سہی لیکن جب جس کی نیکی یاد آئے اسے اپنی دعاؤں میں شامل کرلیں۔

بغیر بتائے ایک دوسرے کے لیے کی گئی دعائیں، دنیا میں بھی ایک دوسرے کے دل میں، ایک دوسرے کے لیے اُنس ومحبت پیدا کرتی ہیں، ایک دوسرے کو، ایک دوسرے پر زیادہ مہربان کردیتی ہیں، آپس میں ایک دوسرے کے کام آنے کے جذبے کو زیادہ کرتی ہیں۔

اور اس عمل سے آخرت میں ہمیں جو حاصل ہوگا۔ اس کا تصور ہی کوئی نہیں کرسکتا کہ قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکے۔ جنت کے باغات، نہریں، ہیرے جواہرات، پکھراج، یاقوت اور موتیوں کے محلات، حوریں غلمان یہ سب عظیم نعمتیں تو آخرت میں اللہ کی نعمتوں اور احسانات کی صرف ایک مختصر سی فہرست ہیں، جو اصل مضامین کے موضوع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اصل مضامین کیا ہیں انہیں سمجھنے کی صلاحیت کا حاصل کرنا ہمارے اور آپ کے لیے اس دنیا میں ممکن نہیں ہے۔

باب: ۵

راضی بہ رضا رہنا کیوں ضروری ہے؟

انسان اس کائنات کی سب سے حیران کن مخلوق ہے۔اس کی خصوصیات اور صلاحیتیں، اس کے مسائل و معاملات سب سے مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ یہ کبھی ایک حالت، ایک کیفیت میں نہیں رہتا، ہر دن، ہر لحہ کسی نہ کسی اچھی یا بری تبدیلی سے دوچار رہتا ہے۔ ذراسی بات پر خوش ہو جاتا ہے، ذراسی بات اسے اداس کر دیتی ہے۔خوشحالی آتی ہے تو اس کی چال ڈھال تک بدل جاتی ہے۔آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے کسی پل چین نہیں آتا۔ ہر دن اور دن کے ہر لمحے اس کی شخصیت اور اس کے عمل اور ردِعمل رُوبہ تغیر رہتے ہیں۔

کبھی خوشی، کبھی غم، کبھی فکرمندی، کبھی بے فکری، کبھی مسکراہٹ، کبھی آنسو، کبھی خوش مزاجی، کبھی غصّہ اور چڑچڑاپن، کبھی منکسر، کبھی متکبّر، کبھی دل اللہ کی طرف راغب، کبھی مکمل اکتاہٹ اور بے زاری، کبھی نماز میں آنسو، کبھی نماز پڑھنا ہی مشکل۔کبھی یقین، کبھی بے یقینی، کبھی مجسم خیر، کبھی مکمل شر، پھر ان دونوں کے درمیان ہزاروں حالتیں اور لاکھوں کیفیتیں ہیں جن سے انسان کو مسلسل گزرتے رہنے پڑتا ہے۔

اس بے پناہ دباؤ سے پتھر جواہرات بن جاتے ہیں:

زمانے اور مزاج کے اس گرم و سرد سے گزرنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ کیفیات انسان کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔اگر پتھروں کو بھی جلدی جلدی اس قدر تبدیلیوں سے گزرنا پڑے تو شاید وہ چند ہفتوں ہی میں بھربھری ریت میں تبدیل ہو جائیں۔ویسے حقیقت یہ ہے کہ پتھر بھی شدید دباؤ سے گزرتے ہیں اور جو پتھر زیادہ دباؤ برداشت کرتا ہے وہ یاقوت، ہیرے یا دوسرے جواہرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

انسان کو بھی تبدیلیوں سے گزرنا پڑتا ہے اور یہ تبدیلیاں، ذہنی دباؤ، پریشانیاں اور مشکلات ہی انسان کو ہیرے، جواہرات میں تبدیل کرتی ہیں۔

پرندوں، درندوں، چرندوں، پیڑ پودوں، مٹی یا پتھروں کو ایسی روحانی کیفیات سے نہیں گزرنا پڑتا۔ حالات ان کے اردگرد بھی مستقل تبدیل ہوتے رہتے ہیں لیکن انسان کے سوا تمام دوسرے حیوانوں کو یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ بس آج کی فکر کریں، بلکہ صرف لمحۂ موجود کی طرف متوجہ رہیں۔

انسان، ماضی حال اور مستقبل میں زندہ رہتا ہے:

ان کے برعکس انسان بیک وقت ماضی، حال اور مستقبل میں زندہ رہتا ہے اور بیک وقت تینوں زمانوں سے اثر قبول کرتا ہے۔ یہ سارے زمانے اس پر سے بار بار گزرتے ہیں اور اس کی شکست وریخت کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے کے ساتھ نئے سرے سے تعمیر بھی ہوتا رہتا ہے۔ جیسے مٹی سے مجسمے بنانے والے گیلی اور چکنی مٹی سے مجسمہ بناتے وقت مٹی میں سے کچھ کھرچتے اور کچھ اس میں شامل کرتے رہتے ہیں تاکہ مٹی کے اس ڈھیر کو بہترین شکل اور نقش ونگار کے ساتھ مکمل کیا جائے۔ انسان ٹوٹ پھوٹ اور تعمیر وتشکیل کے اس مسلسل عمل کو برداشت کر جاتا ہے اور کامل شکل اختیار کرنے لگتا ہے البتہ جس کی مٹی میں شور (نمک) زیادہ ہو، وہ کمہار کے آوے ہی میں ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جاتا ہے۔

مشورہ دینا بہت آسان ہے:

مجھے احساس ہے کہ مشورہ دینا بہت آسان کام ہے۔ شاید دنیا کا سب سے آسان کام، لیکن اس پر عمل کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ میں خود انہی کیفیات سے روز گزرتا ہوں اور اس مسلسل ٹوٹ پھوٹ کے سبب دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے تھوڑا ناراض سا بھی رہتا ہوں لیکن کچھ کر نہیں پاتا (مجھے معلوم ہے کہ آپ بھی کچھ نہیں کر پائیں گے) اس لیے کہ میرے بس میں کچھ نہیں سوائے اس کے کہ چپ رہوں۔ میرے اندر جو ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے، اسے ہونے دوں اور انتظار کروں کہ آخرکار یا آخرت میں میری کیا شکل وصورت ابھر کر سامنے آتی ہے۔

کوئی تخلیق کار ایسا نہیں ہے کہ......

جانتا ہوں کہ کوئی بھی تخلیق کار ایسا نہیں ہے جو کوئی چیز بنائے اور اسے کمہار کے آوے میں ڈال دے۔ ہر تخلیق کار اپنی تخلیق کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے، اسے برباد کرنے کو کبھی تیار نہیں ہوتا۔ تو اگر میرا خالق مجھے بنا رہا ہے اور مجھے بہترین شکل وصورت اور اعلیٰ ترین صفات کے ساتھ بنا رہا ہے تو ہتھوڑی، چھینیاں تو برداشت کرنا ہوں گی۔ کبھی کچھ مٹی مجھ میں سے نوچ لی جائے گی، کبھی کچھ مٹی مجھ میں شامل کی جائے گی تاکہ میرے نقش ونگار کو زیادہ سے زیادہ بہتر کیا جاسکے۔ کبھی مجھے پانی سے تر کیا جائے گا اور کبھی کچھ دیر کے لیے مجھے آوے میں رکھا جائے گا تاکہ مجھ میں مضبوطی پیدا کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ چاہتا تو مجھے خلقت کے پہلے مرحلے ہی میں کامل حالت میں پیدا کر دیتا لیکن اس کے کام بتدریج ہوتے ہیں۔ یہ زمین، آسمان بھی اس نے سات مرحلوں میں بنائے ہیں۔ تاکہ دیکھنے والے سمجھ سکیں کہ ان کی تخلیق کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھا۔

یہ کیفیات اللہ کے ہونے کا ثبوت ہیں:

ہمارے اوپر گزرتی ہوئی یہ ساری کیفیات جن کا ہم نے اس باب کے آغاز میں تذکرہ کیا۔ دراصل ہمارے انسان ہونے کی دلیل اور ہمارے خالق و مالک کے ہر لمحہ ہماری طرف متوجہ رہنے کا ثبوت ہیں۔ راضی بہ رضا رہنے میں ہمارا ہی فائدہ ہے بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ راضی نہیں رہیں گے تب بھی وہی ہوگا، جو راضی بہ رضا ہونے کی صورت میں ہوگا لیکن ہم خود سپردگی اور تسلیم ورضا کے کے ثواب سے محروم رہیں گے۔

اچھا راضی بہ رضا رہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ اپنی مشکل، پریشانی یا مسئلے کو حل کرنے کی کوشش ہی نہ کریں اور تسبیح لے کر مسجد میں جا بیٹھیں۔ نہیں...... اپنے مسئلے، پریشانی، اپنی کمزوری اور کمی کو دور کرنے کی دعا کے ساتھ بھرپور کوشش بھی کرتے رہیں لیکن نتیجے کو اللہ پر چھوڑ دیں۔

باب: ٦

اچھائی یا برائی کی جڑ ہمارے بچپن میں ہوتی ہے۔

ہر مسلمان، ہر مومن نماز پڑھنا چاہتا ہے، روزے رکھنا چاہتا ہے۔ ہر اچھا کام کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ یہ سب اس کی فطرت میں پہلے ہی سے موجود ہے۔ ساری گڑبڑ دراصل اس کے اردگرد کے ماحول، اس کے بزرگوں کے روّیے اور دوستوں کا درست انتخاب نہ ہونے کے سبب پیدا ہوتی ہے۔

میں نے کئی لوگوں کو دیکھا کہ جوانی میں انہوں نے بس کبھی کبھار جمعے کی اور پابندی سے عید کی نماز پڑھی لیکن جب عمر کا سورج ڈھلنے لگا یا وہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے فرض نمازیں پابندی سے ادا کرنے کا ارادہ کیا، نمازیں پڑھیں بھی لیکن زیادہ تر ''ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، توڑ دیتا ہوں'' کی سی کیفیت کا شکار رہے۔ نماز پڑھنا، ان کے لیے کچھ مشکل کام رہا اور اسی سبب سے وہ یا تو ہمیشہ احساس جرم کا شکار اور خوف زدہ رہے یا پھر عاجز آ کر خود کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا اور بالکل ہی بے خوف ہو گئے۔

ایک انسان جو مومن پیدا ہوا تھا:

ایک انسان جسے اللہ نے مومن پیدا کیا تھا، آخر 45۔50 سال کی عمر میں ناامید، احساسِ جرم کا شکار، مایوس، خوف زدہ اور شیطان وحالات کے سامنے ایک بے بس آدمی میں کیسے تبدیل ہو گیا؟ اس بات پر غور کرنا چاہئے۔ اس غور وفکر کرنے سے ہم بہت سے انسانوں کو جو ابھی ماؤں کی گود میں ہیں، بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

بچوں کی تربیت میں سب سے بنیادی کردار ماؤں کا ہوتا ہے۔ ہر ماں اپنے بچے کو اچھا

مسلمان، اور کامیاب انسان بنانا چاہتی ہے لیکن اچھا مسلمان اور کامیاب انسان بننے میں اکثر اسے وہ مدد فراہم نہیں کرتی جس کی اس بچے کو ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے ہونے کے بعد ایسے بچے ممکن ہے دولت مند انسان تو بن جائیں لیکن اچھے مسلمان، اچھے انسان نہیں بن پاتے۔

بے جا لاڈ پیار:

میں بہت سی ماؤں کو جانتا ہوں کہ جب ان کے بچے چھوٹے تھے تو انہوں نے اپنے بچوں کو بے جا لاڈ پیار کے سبب خود اپنے ہاتھوں سے خراب کیا اور جب بچوں کے رویّوں میں بدلاؤ آیا تو انہیں فکر لاحق ہونے لگی۔ ''دیکھیے۔ یہ نماز ہی نہیں پڑھتا۔'' بھائی جب بچہ چھوٹا تھا تو آپ نے اسے نماز کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی؟

اس وقت تو آپ کو خود بھی صبح کی نیند پیاری تھی۔ البتہ اسکول بھیجنے میں آپ نے سردیوں کے موسم میں بھی کبھی تاخیر نہیں کی تاکہ بچہ کامیاب آدمی بنے لیکن چھٹی کے دن یا چھٹیوں کے زمانے میں آپ نے اپنی محبت میں بچے کی نیند ''خراب'' کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اگر اسکول جانے کے لیے بچہ صبح ساڑھے چھ بجے اٹھ سکتا تھا تو نماز فجر کے وقت سے ذرا پہلے کیوں نہیں اٹھ سکتا تھا؟

قدموں تلے سے جنت کھسک جاتی ہے:

یہ کام دراصل ماؤں ہی کے کرنے کے ہوتے ہیں کہ وہ بچوں کو نماز اور اچھے کاموں کی طرف مسلسل متوجہ کرتی رہیں۔ خاص طور پر لڑکیاں ذرا بڑی ہوں تو ان کی تربیت کے لیے تو ماں ہی جانتی ہے کہ بچی کس وقت نماز پڑھنے کی پوزیشن میں ہے اور کب اسے نماز سے استثنیٰ حاصل ہے۔ اس معاملے میں باپ کا اصرار کبھی کبھی بالکل بے وقت ہوتا ہے۔

اپنے بچوں کو بہتر انسان، اچھا مسلمان بنانے کا آغاز ماؤں کی گود رحم مادر سے ہوتا ہے اسی لیے ماؤں کا رتبہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی نگاہوں میں بہت زیادہ ہے۔ جنت کو اپنے قدموں تلے سمیٹے رکھنا آسان کام نہیں ہے اس کے لیے ماؤں کو بہت جان کھپانا پڑتی ہے۔ ورنہ یہ جنت ان کے قدموں تلے سے کھسک بھی جاتی ہے۔

اللہ کا خوف یا اس کی اہمیت:

بچوں کے دلوں میں اللہ کا خوف نہ بٹھائیں۔ انہیں اللہ سے اتنا نہ ڈرائیں کہ وہ بھاگ ہی کھڑے ہوں۔ ہمارے یہاں بچوں کو اللہ سے عجیب وغریب طریقے سے ڈرایا جاتا ہے۔ مثلاً جب بچہ دو تین سال کا ہوتا ہے اور کہنا نہیں مانتا، یا سونے کو تیار نہیں ہوتا تو مائیں، دادیاں اور نانیاں اسے ''الّا بابا'' سے ڈراتی ہیں۔ (واضح رہے کہ ہمارے گھروں میں اللہ کو الّا ہی پکارا جاتا ہے)۔ اب آپ اس ڈرانے کو عربی کے لفظ تقویٰ کے سامنے رکھ کر دونوں لفظوں کے معنی اور ان کے اثرات کا تقابل کر لیجیے کہ خوف خدا کس قدر پاکیزہ اور نجات بخشنے والی کیفیت ہے اور ہم نے اسے کیا رنگ دے دیا ہے!

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا سکھائیں:

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے داؤد تم مجھ سے محبت کرو اور میرے بندوں سے بھی کہو کہ مجھ سے محبت کریں۔ جناب داؤدؑ نے عرض کی۔ ''اے اللہ! میں تو تجھ سے محبت کرتا ہوں لیکن بندوں کو کس طرح سمجھاؤں کہ وہ تجھ سے محبت کریں؟''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''انھیں میری نعمتوں کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ تو وہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگیں گے''۔

آپ نے درست سوچا کہ بچوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں زیادہ تفصیل سے نہیں بتایا جا سکتا۔ یہ بات درست ہے۔ آپ بچوں کو تفصیلات نہ بتائیں بلکہ خود ان نعمتوں کا ادراک کرنے کی کوشش کریں۔ پھر جب آپ خود سمجھنے کے بعد بچوں کے سامنے دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے تو بچے بھی اس شکرانے کو محسوس کریں گے اور نعمتوں کا ادراک نہ کرنے کے باوجود بھی نعمتوں کا احساس کریں گے اور یہ ہی احساس انھیں ایک دن اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا سکھا دے گا۔

میں اکثر کہتا ہوں کہ کہ بچوں کو اللہ سے ڈرنا نہ سکھائیں، انہیں اللہ، رسولؐ اور اہل بیتؑ سے محبت کرنا سکھائیں۔ یہ محبت اللہ نے اپنے ہر بندے کے دل میں پیدا کی ہے اس لیے آپ کو زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی۔ بچے سے کچھ نہ کہیں، وہ مشکل باتوں کو سمجھ نہیں پائے گا، اس کے بجائے

آپ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور اہل بیتؑ کی محبت پیدا کریں۔ ایسی محبت جو بچے کے سامنے آپ کے اعضاء جوارح اور قول و فعل سے ظاہر ہوتی ہو۔ اگر آپ اپنے بچے کے دل میں اللہ کی محبت پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر اُسے اللہ سے ڈرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، یہ محبت خود بہ خود اسے خوف خدا (تقویٰ) کے معنیٰ سمجھا دے گی اور شاید آپ کو بھی۔

بچے کے سامنے نماز اور اوقات نماز کو اہمیت دیں۔ مثلاً دفتر سے آئے، بیگم نے کھانا نکالا، تو آپ نے کہا ذرا دومنٹ...... پہلے نماز پڑھ لوں، اذان ہو رہی تھی تو ٹریفک میں پھنسا ہوا تھا۔ کھانا نکالیں میں آرہا ہوں۔'' شادی میں جانا ہے تو آپ گھر والوں سے کہیں۔ ''پہلے نماز پڑھ لیں پھر تیار ہوتے ہیں۔''

نماز کو اتنا بھی طاری نہ کرلیں:

اچھا...... اب یہ بھی نہیں کہ آپ اپنی نماز کو اتنا طاری کرلیں کہ نماز نہ پڑھنے والوں کو حقارت سے دیکھنے لگیں۔ شیخ سعدی اور ان کا بیٹا نماز فجر سے فارغ ہوئے تو اس وقت تک گھر کے باقی افراد بے سدھ پڑے سو رہے تھے۔ بیٹے نے ان سونے والوں پر کوئی جملہ کسا تو شیخ سعدی نے بیٹے سے کہا۔ ''دوسروں پر طنز کرنے سے بہتر تھا کہ تم بھی سوتے ہی رہتے۔''

تو ہر معاملے میں، اپنے ہر قول اور ہر فعل میں، اپنے روّیے اور لہجے میں ہمیشہ محتاط رہیں کہ کہیں شیطان آپ کی ساری محنت پر پانی نہ پھیر دے۔

ہم ذرا موضوع سے ہٹ گئے۔ بات ہو رہی تھی بچوں کی تربیت کی۔

بڑے ہو کر اگر کسی کو نماز پڑھنے میں سخت مشکل ہوتی ہے تو اس کا سبب بچپن سے نماز کی طرف توجہ اور اس کا عادی نہ ہونا ہے۔ اگر ماں باپ بچوں پر غیر ضروری رحم نہ کھائیں اور خود اوّل وقت نماز پڑھنے کے ساتھ بچوں کو بھی ساتھ کھڑا کریں، یا انہیں تاکید کرتے رہیں اور عمل درآمد کو بھی یقینی بنائیں تو یہ بچے بڑے ہو کر اول وقت نماز پڑھنے میں خوشی محسوس کریں گے۔ اسے اپنے لیے بوجھ نہیں سمجھیں گے۔ اگر خدانخواستہ نماز نہیں بھی پڑھیں گے تو بھی نماز کو بھول نہیں پائیں گے اور بہت جلد مصلّے پر آ کھڑے ہوں گے۔

باب: ۷

شکرِ نعمت، کفرِ نعمت اور اس کے اثرات

حال ہی میں ایک جاپانی سائنس دان کی نئی کتاب مارکیٹ میں آئی ہے۔انگلش میں ہے یہ کتاب ہم سب کو پڑھنا چاہیے۔ ماسارواموٹو بدھ مذہب کا پیروکار ہے۔اس کی اس کتاب کا نام ہے "Hidden Message in Water" اس موضوع کو تفصیل سے سمجھانا اس وقت ذرا مشکل ہے۔مختصراً عرض کروں کہ یہ کتاب نعمتوں اور نعمتوں کے شکرانے کی اہمیت کے حوالے سے ایک سائنسی تحریر ہے تمام تر سائنسی ثبوتوں کے ساتھ۔

ماسارواموٹو نے ٹوکیو میں ایک بہت بڑی لیبارٹری قائم کر رکھی ہے۔اس لیبارٹری میں اس نے پانی اور مختلف غذائی اجزاء پر تجربے کیے اور انہیں بار بار دہرا کر یہ نتیجہ حاصل کیا کہ نعمتوں کا احساس کرنا، اور ان پر شکر ادا کرنا، نعمتوں کے معیار، مقدار، اور اثرات میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔اگر نعمتوں کی قدر نہ کی جائے تو نتائج اس کے برعکس ظاہر ہوتے ہیں۔

اب مجھے ضرورت نہیں کہ میں آپ کے لیے قرآن اور حدیث سے نعمتوں کی قدر اور شکرانے کے حوالے پیش کروں اس لیے کہ آپ پہلے ہی ان آیات و احادیث کو پڑھتے اور سنتے رہے ہیں۔ ماسارواموٹو نے جو ریسرچ کی اس کا ایک حصہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔تفصیلات جاننا چاہیں تو اپنے نیٹ پر کتاب کا نام ٹائپ کریں تو اس ریسرچ کے بارے میں بہت ساری معلومات آپ کو مل جائیں گی۔

خالص پانی:

اس ریسرچ کا بنیادی موضوع پانی ہے ......نہیں۔ذرا تفصیل بتانا ہی پڑے گی......دیکھیں

آسمان سے برف باری کے دوران جو پانی برستا ہے تو وہ برف کے ذرات (Crystals) کی شکل میں برستا ہے اور ان میں سے ہر ذرّہ ایک مختلف شکل کا ہوتا ہے لیکن ہر ذرے کی بناوٹ چھ کونوں والی ہوتی ہے۔ یہ پانی کے بالکل خالص ہونے کی نشانی ہے۔ جاپانی سائنس دان نے پانی کو اپنی لیبارٹری میں برف کے ذرات کی شکل میں جمانے کا کام شروع کیا۔

اس مقصد کے لیے اس نے ڈسٹل واٹر، نلکے کے پانی اور دریا اور جھیل کے پانیوں کے نمونے لیے اور انہیں برف کے ذرات "Crystals" کی شکل میں جمایا۔ اس تجربے سے اسے معلوم ہوا کہ پانی، اگر بالکل خالص ہو تو اس کے کرسٹل بہت خوب صورت بنتے ہیں لیکن اگر خالص نہ ہو تو کرسٹل سرے سے بنتے ہی نہیں یا بہت بدشکل بنتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ ڈسٹل واٹر (جو انجکشن میں استعمال ہوتا ہے) سے خوب صورت کرسٹل بنے۔ صاف پانی والی جھیل کے پانی سے بھی کرسٹل بنے لیکن نلکے کے پانی سے کرسٹل بالکل ہی نہیں بنے کیوں کہ اس میں کلورین اور دوسرے جراثیم کش اجزاء شامل تھے۔

تھینک یو:

اس کے بعد اس نے ایک اور تجربہ کیا جس کے نتائج حیران کر دینے والے تھے۔ اس نے شیشے کی سفید بوتلوں میں مختلف اقسام کے پانیوں کے نمونے جمع کیے۔ ڈسٹل واٹر والی بوتل پر اس نے لکھا "You Fool" اور نلکے کے پانی والی بوتل پر لکھا "Thank You" یعنی خالص پانی کو حقارت آمیز جملے سے مخاطب کیا اور نلکے کے پانی کو شکر گزاری کے الفاظ سے اور ان دو بوتلوں کو لیبارٹری میں مختلف مقامات پر رکھ دیا۔ لیبارٹری کے تمام ملازمین سے کہا گیا کہ جب اس بوتل کے پاس سے گزرو تو You Fool والی بوتل کے پانی کو دیکھ کر کہو You Fool اور Thank You والی بوتل کے پاس ٹھہر کر سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک جاؤ اور بڑی شکر گزاری کے ساتھ اس سے کہو Thank You۔

حیران کن نتائج:

یہ عمل 25 دن جاری رہا۔ 25 ویں دن دونوں بوتلوں کے پانیوں کو برف بنانے کے عمل سے

گزارا گیا۔ نتائج حیران کن تھے۔ ڈسٹل واٹر سے (جو خالص پانی تھا اوراس سے پہلے اسی پانی سے بہت خوب صورت کرسٹل بنے تھے) کرسٹل تو بن گئے لیکن انتہائی بدشکل ۔ یہ کرسٹل اس پانی کے کرسٹل سے ملتے جلتے تھے جن پر ایک مرتبہ انہوں نے SATAN یعنی شیطان لکھ کر رکھ دیا تھا۔

نلکے والا پانی جس سے پہلے کرسٹل نہیں بنے تھے، اس مرتبہ اس پر" تھینک یو" لکھا ہوا تھا اور کئی لوگ 25 دن تک اس پانی کو دیکھ کر" تھینک یو" کہتے رہے تھے، اس پانی سے بہترین اور خوب صورت کرسٹل بن گئے تھے۔

نعمتوں کو ٹھکرانے، انھیں حقیر سمجھنے اور ان کا مضحکہ اڑانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ خالص پانی آلودہ پانی میں تبدیل ہوگیا۔ نعمتوں کا ادراک کرنے، انھیں دیکھ کر شکر ادا کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ آلودہ پانی خالص آبِ حیات میں تبدیل ہوگیا۔

ایک گلاس پانی پینے پر جنت مل جاتی ہے:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "کبھی ایک آدمی صرف پانی پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا کر دیتا ہے۔ اس طرح کہ کوئی شخص تھوڑا سا پانی پیئے اور پوری پیاس بجھائے بغیر برتن یعنی (گلاس یا کٹورے) کو دور کرے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے۔ پھر تھوڑا پانی پیئے اور پانی کے برتن کو اپنے ہونٹوں سے دور کرے جب کہ ابھی اس کی پیاس نہ بجھی ہو اور دوبارہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے (یعنی شکر ادا کرے) پھر پانی پیئے۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے" (حوالہ: معانی الاخبار)

چاولوں پر تجربات:

اسی جاپانی سائنس دان نے اسی طرح کا تجربہ چاولوں پر بھی کیا۔ اس نے ایک ہی فصل اور ایک ہی کوالٹی کے چاولوں کو تین الگ الگ بوتلوں میں رکھا اور ان بوتلوں کے 25 سیٹ بنائے۔ شیشے کی ایک بوتل پر لکھا تھا "You Fool" دوسری پر لکھا تھا Thank You اور تیسری بوتل پر کچھ نہیں لکھا گیا۔ یہ تین بوتلیں مختلف گھروں میں رکھوائی گئیں اور گھر والوں سے کہا گیا کہ گھر میں

انہیں مختلف جگہوں پر رکھیں۔گھر کا ہر فرد، روزانہ ان بوتلوں کے پاس جائے اور Thank You والی بوتل کے پاس جا کر کہے ''تھینک یو'' ۔You Fool والی بوتل والے چاولوں سے کہے "You Fool"......البتہ جس بوتل پر کچھ نہیں لکھا گیا ہے اس بوتل کو ایک کونے میں رکھ دیں اور اس سے کچھ بھی نہ کہیں یعنی ان چاولوں کو بالکل نظر انداز کر دیں۔ایک ماہ بعد ان بوتلوں کو لیبارٹری میں پہنچادیں۔

نعمتوں کونظر انداز کرنا:

ایک ماہ کے بعد الگ الگ بوتلوں والے چاولوں کا جائزہ لیا گیا تو پہلے سے بھی زیادہ حیران کن نتائج سامنے آئے۔انھوں نے دیکھا کہ Thank You والے چاول زیادہ چمک دار اور اچھے لگ رہے تھے۔You Fool والے چاول خراب ہو گئے تھے لیکن جن چاولوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا ان کا رنگ ہی بدل گیا تھا اور وہ سب سے زیادہ خراب حالت میں تھے۔مختلف گھروں کے افراد نے بتایا کہ You Fool والے چاولوں سے بھی پہلے وہ چاول خراب ہونا شروع ہو گئے تھے جنھیں بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

یہ ہیں شکرِ نعمت، کفرِ نعمت اور نعمتوں کو نظر انداز کر دینے کے اثرات کے سائنسی ثبوت اور یہ سب باتیں وہ ہیں جنھیں ہم قرآن میں پڑھتے ہیں، احادیث معصومؑ میں دیکھتے ہیں، علمائے کرام اور اپنے بزرگوں سے سنتے رہتے ہیں لیکن ان باتوں کی قدر و قیمت کو نہیں جانتے۔

پانی یاد رکھتا ہے:

سائنسی تجربات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ دیکھنے، سننے اور محسوس کرنے، اپنا ردّعمل ظاہر کرنے اور خود کو تبدیل کر سکنے کی صلاحیت صرف انسانوں اور حیوانوں میں ہی نہیں خود پانی کے اندر بھی موجود ہے۔پانی دیکھتا ہے، سنتا ہے، محسوس کرتا ہے اور اپنا اچھا یا برا ردّعمل ظاہر کرتا ہے۔ یہی نہیں تجربات سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ دنیا بھر میں جہاں جہاں اور جس قدر پانی موجود ہے وہ دوسری جگہ موجود پانی سے ہر وقت رابطے میں رہتا ہے۔

انسان بھی تو ستّر فی صد پانی ہے:

کرہ ارض کا ستر فی صد رقبہ پانی پر مشتمل ہے۔ تیس فی صد حصے پر خشکی ہے۔ دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ پانی اور خشکی کا یہی تناسب ہر انسان کے جسم میں بھی پایا جاتا ہے۔ ہمارے جسم کا ستر فی صد حصہ پانی ہی پر مشتمل ہے۔

ہر انسان کے اندر پانی کی جو الگ الگ مخصوص مقدار پائی جاتی ہے، تو یہ پانی کے ذخیرے بھی ایک دوسرے سے کیمیونی کیٹ کرتے ہوں گے اور ایک دوسرے کے لیے اچھا یا بُرا ردِّ عمل ظاہر کرتے ہوں گے۔ شاید اسی لیے کچھ لوگ ہم سے پہلی بار ملتے ہیں اور ہمارے دل میں اپنے لیے جگہ بنا لیتے ہیں۔ کچھ لوگ بڑی اچھی طرح ملتے ہیں لیکن ہمیں اچھے نہیں لگتے، ہماری ان سے کبھی نہیں بنتی۔ اس کی وجہ شاید پانیوں کا اختلاف ہوتا ہو۔ پانی کی بھی تو بے شمار اقسام ہیں۔

الحمد للہِ ربّ العالمین:

پانی پر ہونے والی اس تحقیق سے ایک اور بات بھی ذہن میں آئی۔ مثلاً پانی اگر Thank You سن اور پڑھ سکتا ہے تو اپنے خالق کی حمد کو سننا اور پڑھنا تو بہ درجہ اولیٰ اس کی فطرت میں شامل ہوگا۔ اب اگر ہم سفید شیشے کی پاک صاف بوتل پر "الحمد للہ رب العالمین" لکھ کر اس پانی کو پئیں تو یقیناً یہ پانی آبِ حیات بن سکتا ہے۔ اگر ہم نماز اور تلاوت قرآن یا دعاؤں کو پڑھتے وقت پانی کو اپنے قریب رکھیں تو پانی بھی اللہ تعالیٰ کی اس حمد کو سنے گا اور اس کے حیات آفرین اثرات اپنے اندر جذب کر کے ہمارے اور دوسروں کے لیے صحت و زندگی کی نوید بن جائے گا۔

پانی کو بوتل میں رکھنے کی کیا ضرورت:

اچھا! پانی کو بوتل میں رکھنے کی کیا ضرورت، اس سے کہیں زیادہ پانی تو خود ہر انسان کے اپنے جسم میں ہر وقت موجود رہتا ہے۔ جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو ہمارے جسم کا سارا پانی بھی تو "نماز" میں مشغول ہوتا ہوگا۔ جب ہم قرآن مجید کی تلاوت اور آیات الٰہی میں غور و فکر کرتے ہیں تو یہ کام بھی

ہم جسم میں موجود پانی کی مدد کے بغیر سرانجام نہیں دے سکتے۔ان سب کاموں میں ہمارے جسم میں موجود پانی بھی تو ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔جب ہم دعا کرتے ہیں یا کوئی دعا پڑھتے ہیں تو ہمارے جسم کا پانی ہی دعا مانگنے میں ہماری مدد کرتا ہے۔یعنی ان سب نیک اعمال میں پانی ہمارا برابر کا شریک ہوتا ہے۔ہمارے جسم میں موجود پانی کا ایک ایک ذرہ،ایک ایک قطرہ،قرآن اور دعاؤں کے ایک ایک حرف،ایک ایک لفظ اور ہماری ہر ہر کیفیت کو محسوس کرتا ہے۔اکثر نماز،تلاوتِ قرآن اور دعا مانگنے کے دوران جسم میں موجود،زندگی کی بنیاد یہ آبِ حیات اپنا ردّعمل ہم پر ظاہر بھی کر دیتا ہے۔

پانی کی دوادائیں اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں:

یہ ردّعمل ہوتا ہے اللہ کے خوف،اللہ کے احسانات،اللہ کی نعمتوں کے شکرانے اور محمدؐ وآلِ محمدؐ کے مصائب ومحبت میں بہنے والے بے ساختہ آنسو!یہ آنسو جب بھی کسی مومن کی آنکھ سے امنڈتے ہیں تو دوزخ کے ایک بہت بڑے حصے کو مومن کے لیے جنت کے باغات میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پانی کی دوادائیں بہت پسند ہیں۔ایک یہ کہ خدا کی راہ میں شہید ہونے والے کے جسم سے قطرۂ خون بن کر زمین پر گرے اور دوسری یہ کہ یہ پانی عشقِ خدا میں کسی مومن کی آنکھ سے نکل کر رات کی تاریکی میں اس کے رخساروں پر پھیل جائے۔

ایک درخواست:

میری درخواست ہے کہ اس کتاب کے اگلے ابواب کو غور سے پڑھیے گا تا کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی لاتعداد نعمتوں کا ایک سرسری سا اندازہ کر سکیں۔''سرسری سا اندازہ'' ہم نے اس لیے لکھا کہ اگر چہ دنیا کے سارے سپر کمپیوٹر زمل کر بھی اپنی کارکردگی میں ہمارے دماغ کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسانات اتنے ہیں کہ ہمارا دماغ ان نعمتوں کا بس ایک سرسری سا اندازہ لگا سکتا ہے۔

قارئین کرام!دعا کے حوالے سے ان چند گزارشات کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ موضوع ہے''ربّ العالمین،دعا اور انسان''۔

باب: ۸

دُعا

رب العالمین سے براہِ راست رابطہ

دعا، اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں میں سے ایک عظیم الشان رحمت ہے۔ یہ انسان اور رب العالمین کے درمیان ہر جگہ اور ہر لمحہ موجود رابطہ ہے۔ یہ مانگنے والے اور عطا کرنے والے کے مابین بے حد کانفیڈینشل، تیز رفتار اور براہِ راست کمیونی کیشن ہے۔ جدید اصطلاح میں دعا ایک ایسی ہاٹ لائن (Hotline) ہے جو بندے اور اس کے پالنے والے پروردگار کے درمیان ہر جگہ، ہر لمحہ، ہر وقت لائیو (live) رہتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس ہاٹ لائن کو استعمال کرنے کے لیے اگر دعا سے پہلے اور دعا کے بعد ایک مخصوص کوڈ ڈائل کیا جائے تو اس کی اثر آفرینی یقیناً ہزاروں گنا بڑھ جاتی ہے۔

اللہ کے بہت سے بندے تو ہر وقت یا زیادہ تر وقت اس ہاٹ لائن پر اللہ تعالیٰ سے رابطے میں رہتے ہیں مگر ہم جیسے بہت سے لوگ اس کارڈلیس (Cordless) بلکہ انسٹرومنٹ لیس جدید ترین بین الکائناتی سہولت کو بہت ہی ایمرجنسی میں کبھی کبھی ''مجبوراً'' ہی استعمال کرتے ہیں اس لیے ہمیں بھرپور یقین نہیں ہوتا کہ یہ ہاٹ لائن کام کر بھی رہی ہے یا نہیں!

بندے کی دعا کو اللہ تعالیٰ براہ راست سنتا ہے:

ہماری اس بے یقینی سے شیطانی قوتیں پورا فائدہ اٹھاتی ہیں۔ وہ ایسے انسان کو مایوسی، بیزاری، قنوطیت اور ڈپریشن میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں انسان جلد ہی اس بین الکائناتی ہاٹ لائن کو استعمال کرنا ترک کر دیتا ہے، جس کے دوسرے سرے پر بادشاہوں کا بادشاہ، آسمانوں اور

زمینوں کا پالنہار، کائنات کے خزانوں کا مالک، عطا کرنے کے بہانے ڈھونڈنے اور عطا کرنے کا سب سے زیادہ اختیار رکھنے والا، اللہ رب العالمین اپنے بندے کی کال (Call) یعنی دعا کو بغیر کسی مداخلت کے براہِ راست، ذاتی طور پر شرف سماعت عطا کر رہا ہوتا ہے۔ آپ کو بس خود کو اس سے کنیکٹ کرنے کی ''زحمت'' کرنا ہوگی۔

اکثر صورتوں میں باری تعالیٰ بندے کی اس دعا پر فرمان قبولیت بھی فوری طور پر جاری فرما دیتا ہے اور کارکنان قضا وقدر فرمانِ قبولیت کے ثمرات بندے تک پہنچانے کے لیے متحرک ہو جاتے ہیں لیکن جب تک یہ ثمرات بندے تک پہنچتے ہیں اس وقت تک شیطان ہم جیسے لوگوں کی توجہات کو بھٹکانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ایسے میں ہم اپنے مسئلے کے حل کو اپنی یا اپنے جیسے انسانوں کی صلاحیتوں سے منسوب کر لیتے ہیں۔

اللہ نے ہمیں اس دنیا میں خالی ہاتھ نہیں بھیجا:

اللہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ وہ شیطان کی چالاکیوں سے بھی واقف ہے اور انسان کی جہالت سے بھی اس لیے درگزر سے کام لیتا ہے۔ اللہ کی عطا کو کسی حقیر انسان سے منسوب کرنے کی سزا بے حساب ہو سکتی ہے لیکن وہ غفور و کریم، رحمان و رحیم اس بندے کے لیے ایسا بن جاتا ہے جیسے اس بندے نے کوئی غلطی کی ہی نہ ہو۔

امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

> ''ڈرو۔ ڈرو! اس لیے کہ خدا کی قسم! اس نے تمہاری اس حد تک پردہ پوشی کی ہے کہ گویا تمہیں بخش دیا''۔ (نہج البلاغہ)

ہمارا ایمان ہے کہ اس دنیا میں ہمارا قیام عارضی ہے۔ ہم کسی اور دنیا سے یہاں آئے ہیں اور ایک دن لوٹ کر ہمیں اُسی دنیا میں جانا ہے، جہاں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں بھیجا تھا۔ اس نے اس اجنبی سرزمین پر اپنے بندوں کو خالی ہاتھ نہیں بھیجا۔ اس نے اور بہت سی نعمتوں کے ساتھ جو سب سے بڑا، بے حد سادہ اور انتہائی موثر ہتھیار ہمیں دیا وہ دعا ہے۔ دعا ہر دشمن سے بچنے کا ہتھیار

بھی ہے اور اپنے مالک سے براہ راست رابطے میں رہنے کی ہمیشہ جدید رہنے والی ٹیکنالوجی بھی۔

دُعا، ایک جدید ترین ٹیکنالوجی:

بلوچستان کے صحرا میں ایٹمی دھماکے سے پہلے ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر ثمر مبارک زیر لب کوئی دعا پڑھ رہے تھے۔ ایک دوسرے سائنس دان نے ان سے پوچھا کہ کیا پڑھ رہے ہیں تو ڈاکٹر ثمر مبارک نے کہا۔ "یہ فتح ونصرت کی دعا ہے جو نبی کریمؐ غزوات کے لیے نکلتے وقت پڑھا کرتے تھے۔"

وہ صاحب طنزیہ بولے۔ "ڈاکٹر صاحب یہ دعاؤں کا زمانہ نہیں۔ یہ ٹیکنالوجی کا دور ہے جس کے پاس جس قدر جدید اور مضبوط ٹیکنالوجی ہوگی وہ اتنا ہی کامیاب ہوگا۔"

ڈاکٹر ثمر مبارک نے انہیں جواب دیا۔ "ڈاکٹر صاحب! دنیا میں آج تک دعا سے زیادہ بڑی، جدید، مضبوط اور قابل اعتبار ٹیکنالوجی دریافت ہی نہیں ہوئی۔"

یہ بات تو ہم نے برسبیل تذکرہ عرض کی، مقصد یہ بتانا ہے کہ ہمارے پاس یہی تو وہ سہارا دوسرے لفظوں میں "ٹیکنالوجی" ہے کہ جب چاہیں، جہاں سے چاہیں، اپنی اصلی دنیا سے رابطہ قائم کر لیتے ہیں۔ ہم کہیں بھی ہوں اللہ سے رابطے کی سہولت ہمیں دستیاب ہے۔

(we are never out of touch)

"تم (چاہے) جہاں کہیں رہو، وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ کرتے ہو
اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔" (سورۃ الحدید: آیت:۴)

یہی تو وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعے اس اجنبی سرزمین پر موجود بڑی سے بڑی بلاؤں کو دور کیا جاسکتا ہے۔ بھوک، غربت، جہالت، دشمن، بیماریاں، شیطان، گناہ، ظلم، ناامیدی، قتل غارت گری، غم واندوہ، زلزلے، آندھیاں طوفان، سیلاب، کون سی بلا ہے جو اس ہتھیار کے آگے ٹھہر سکے!

دُعا نہ ہوتی تو کرّہ ارض اولادِ آدم سے خالی ہوتا:

دعا کو معمولی چیز نہ سمجھیں! دعا نہ ہوتی تو حوادث زمانہ آدمؑ اور اولاد آدمؑ کو اس کرۂ ارض پر ایک لمحے کو بھی نہ ٹھہرنے دیتے۔ حضرت آدمؑ زمین پر آئے تو انہی حوادث زمانہ نے ان کے اور بی بی

حوا کے درمیان جدائی ڈال دی۔ کہتے ہیں کہ اماں حوا صحرائے عرب کے ریتیلے میدانوں میں تنہا تھیں اور حضرت آدمؑ سری لنکا کے سنگلاخ پہاڑی علاقے میں بے سروساماں۔ پھر ایک دن اللہ تعالیٰ نے پہلی بار دعا جیسی عظیم الشان ٹیکنالوجی اس کرۂ ارض پر منتقل کی اور جبرئیلؑ کے ذریعے دعا جیسا ہتھیار آدمؑ کو بھجوایا۔ جبرئیل حضرت آدمؑ کے پاس آئے۔ انہوں نے حضرت آدمؑ کو دعا کے نظام اور طریقے کے بارے میں بریف کیا۔ انہوں نے ہمارے جداعلیٰ حضرت آدمؑ کو اس خفیہ کوڈ سے بھی آگاہ کیا جو قبولیت دعا کی ضمانت ہے۔ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: ''اے اللہ کے پہلے نبی اور پہلے انسان آپ اپنی دعا سے پہلے کہیں:

اللھم صل علی محمدؐ وعلی آل محمدؐ

''اے اللہ درود و سلام بھیج حضرت محمدؐ اور آل محمدؐ پر۔''

تب اس زمین کے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے پہلی پہلی بار اس ٹیکنالوجی کو استعمال کیا۔ اللہ رب کریم نے فوراً ہی ان کی دعا کے نتائج ظاہر فرمائے۔ فاصلے سمٹے اور حضرت آدمؑ و حواؑ ایک دوسرے سے مل گئے۔

اگر وہ دعا نہ کرتے تو جدّہ ہمیشہ جدّہ ہی میں رہتیں اور جدِّ محترم سری لنکا کے پہاڑوں پر۔ ایسے میں اولادِ آدم کے معرض وجود میں آنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اب اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ دعا نہ ہوتی تو کرۂ ارض پر اولادِ آدم کا وجود ہی نہ ہوتا!

باب: ۹

دُعا کو سننے والا اللہ رب العالمین ہے۔

یہ احساس ہی کتنا سنسنی خیز اور پُرتحیّر ہے کہ ہماری پکار یا دعا کو سننے والا اللہ رب العالمین ہے جو اپنے بندے سے ہر چیز ہر رشتے، ہر احساس، ہر کیفیت، ہر نزدیکی اور قرب سے کہیں بڑھ کر قریب ہے۔

وہ ساری کائنات اور ماورائے کائنات، تمام آسمانوں، تمام زمینوں، تمام فضاؤں، تمام خلاؤں، تمام کہکشاؤں اور جو کچھ ان سب کے اوپر، اندر، ان کے درمیان، ان کے علاوہ ان کے سوا ہے......

ان میں سے ہر شئے ہر جاندار، بے جان، متحرک، غیر متحرک، مرئی، غیر مرئی، ہر مخلوق کا پیدا کرنے والا، انہیں رزق دینے والا، انہیں قائم رکھنے والا، ان سب کا پالنہار، ان سب کا فریادرس، ان سب کا مسجود، ان سب کا معبود، ان سب کا پہلی پہلی بار پیدا کرنے والا، ان سب کا بلاشرکتِ غیرے مالک اور ان سب کو ایک معلوم وقت کے بعد نابود و فنا کر دینے والا اور اس کائنات سے بہتر کائناتیں پیدا کرنے والا ہے۔

> ''جس دن یہ زمین بدل کر دوسری زمین کر دی جائے گی اور اسی طرح آسمان بھی بدل دیے جائیں گے اور سب لوگ (اپنی اپنی جگہ سے) نکل کر یکتا واحد قہار خدا کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے'' (سورہ ابراہیم آیت ۴۸)

الحمدُ للہ رب العالمین:

سورہ فاتحہ کی یہ آیت یعنی ''الحمد للہ رب العالمین'' جس دور میں نازل ہوئی، اس زمانے میں دنیا کے کسی علمی معاشرے میں کائنات کے لامحدود ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ یونان اور ہندوستان، مصر اور عراق کے بعض علاقوں میں سورج چاند ستاروں کی پوجا کی جارہی تھی۔

لفظ ''عالَمین'' کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بے شمار عالموں اور لاتعداد دنیاؤں کی موجودگی کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ اس لامحدود کائنات کا مالک، خالق، اللہ رب العالمین ہے۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اللہ کیسا ہے، کیا ہے لیکن اس کی مخلوقات اور ان مخلوقات میں اس کی خالقیت، صناعیت اور ربوبیت کے ذریعے ہم اسے ''محسوس'' ضرور کر سکتے ہیں۔تو آیئے دیکھتے ہیں کہ عالمین کیا ہے؟

عالَمینِ کیا ہے؟

پندرہ سو برس پہلے کے انسان صرف زمین، سورج، چاند اور ستاروں ہی کو عالمین سمجھتے تھے۔ عالمین یا کائنات کی وسعت اور پھیلاؤ کا انہیں اندازہ ہی نہیں ہوسکتا تھا۔

جب انہوں نے رب العالمین اور رحمت اللعالمینؐ کی اصطلاحیں سنیں تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی عظمت، بڑائی، اقتدار، حکومت اور اختیارات کا تصور بھی ان کے لیے مشکل تھا۔ اللہ اور اس کے نبیؐ کی عظمت کا اندازہ صرف انھی افراد کو ہوسکا جنہوں نے اللہ اور اس کی عظیم سلطنت کا مشاہدہ کیے بغیر آنحضرتؐ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ وہ عظیم انسان یقیناً یہ حق رکھتے ہیں کہ قیامت تک آنے والی تمام انسانی نسلیں ان کے جذبہ ایمانی کو سلام کرتی رہیں۔

عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ پندرہ سو برس پہلے کے انسان کے لیے اللہ کی نشانیاں اتنی واضح نہیں تھیں جس قدر کہ آج ہمارے دور میں اللہ نے اپنی آیات ہم پر واضح کی ہیں۔ آج کا انسان دوسرے سیاروں تک پہنچ رہا ہے اور وہاں سے اس زمین کو ایک چھوٹی سی گیند کی مانند دیکھ رہا ہے۔ آج انسان کو یہ مواقع حاصل ہیں کہ وہ چاہے اور کوشش کرے تو روزانہ اللہ کی نت نئی آیات کا مشاہدہ کرتا رہے۔ اللہ کی یہ نشانیاں خود اس کے اندر بھی موجود ہیں اور اس کے وجود سے باہر بھی۔

> ''ہم عنقریب انہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں آسمان کے کناروں میں دکھلائیں گے اور خود ان میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔'' (سورہ حٰم السجدہ: آیت ۵۳)

کائنات لامحدود ہے:

آج کے خلائی دور میں طاقتور ریڈیائی دوربینوں، خلاء میں تیرتی ہوئی ٹیلی اسکوپس، مصنوعی سیاروں اور خلا میں تحقیق کرنے والے خلائی اسٹیشن نے کائنات کا مشاہدہ کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ یہ عالمین یا کائنات لاانتہا، لامحدود اور مسلسل وسعت پذیر ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کُن فیکون

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ہمارا نظام شمسی جس کہکشاں سے وابستہ ہے اس کہکشاں میں کم از کم سو ارب ستارے موجود ہیں۔ یہ ننھے منے ستارے جن سے پندرہ سو برس پہلے کے صحرا نشیں اور سمندروں کا سفر کرنے والے راستوں کی تلاش میں مدد لیا کرتے تھے اور ان کی خلقت کا صرف یہی مقصد سمجھتے تھے، ان ''ننھے منے'' ستاروں میں سے بیشتر اتنے بڑے ہیں کہ ہماری زمین جیسی کئی زمینیں اور ہمارے سورج ایسے کئی سورج صرف ایک ستارے میں گم ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ ستارے زمین سے ٹارچ کے ننھے سے بلب کی طرح نظر آتے ہیں لیکن حقیقتاً یہ اتنے بڑے ہیں کہ ہمارا سورج ان کے سامنے بجھے ہوئے چراغ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

ہماری کہکشاں جسے دودھیا کہکشاں (milky way) کہا جاتا ہے ایک اوسط سائز کی کہکشاں ہے۔ ہم سے قریب ترین ایک کہکشاں اینڈرومیڈا (andro meda) کہلاتی ہے۔ اس کہکشاں میں دو سو ارب سے زیادہ ستارے موجود ہیں اور ہر ستارہ اپنی جگہ ایک سورج ہے۔ جس کا اپنا الگ نظام شمسی اور سیارے ہیں۔ اس طرح کی کم وبیش دس کھرب کہکشائیں کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں، جنہیں دیکھا جا چکا ہے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کائنات میں موجود کہکشاؤں کی تعداد سو کھرب سے زیادہ ہے۔ جتنی دیر میں آپ اس کتاب کی چند سطریں پڑھیں گے اتنے عرصے میں یہ کہکشائیں ایک دوسرے سے لاکھوں میل دور جا چکی ہوں گی۔ اس عرصے میں نہ جانے کتنے ستارے فنا ہو چکے ہوں گے اور نہ جانے کتنے نئے ستارے پیدا ہو چکے ہوں گے۔

سب سے زیادہ سوال کرنے والے:

بہت سے لوگ ان حقائق کو پڑھ کر مغرب کی سائنسی ترقی سے متاثر ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ اللہ رب العالمین کی اس عظیم سلطنت کو دیکھ کر لرزہ براندام ہو جاتے ہیں کہ جس بادشاہ کا ملک اتنا بڑا ہے تو خود وہ بادشاہ کس قدر صاحب قوت و اختیار ہوگا۔ ایسے لوگ جب اللہ سے مانگنے کھڑے ہوتے ہیں تو مانگنے میں ہچکچاتے نہیں۔ سوال کرنے میں سستی و بے دلی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ سب کچھ اور جو کچھ مانگنا ہوتا ہے اسی سے مانگتے ہیں اور اپنے تمام معاملات و مسائل اسی کے حوالے کر کے بے فکر ہو جاتے ہیں۔

مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا ارشاد ہے:

"اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والے اس سے سب سے زیادہ سوال کرنے والے ہیں۔"

بے شمار سورج، بے شمار چاند:

وسعت کائنات کے سلسلے میں حضرت امام باقر علیہ السلام (ولادت ۵۷ھ۔ شہادت ۱۱۴ھ) کا ارشاد ہے:

"تمہارے اس سورج کے آگے چالیس (یعنی بے شمار) سورج اور ہیں اور ایک سورج سے دوسرے سورج کے درمیان چالیس (یعنی بے شمار) برس کی راہ ہے اور تمہارے اس چاند کے آگے چالیس چاند اور ہیں ایک چاند سے دوسرے چاند کے درمیان چالیس برس کی راہ کا فاصلہ ہے۔ ان سورجوں اور چاندوں میں بہ کثرت مخلوق آباد ہے جسے اس کی خبر ہی نہیں کہ اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا ہے یا نہیں۔" (بصائر الدرجات)

نوٹ: امام علیہ السلام نے سورج اور چاند کے لیے "تمہارے" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی امام علیہ السلام کا تعلق صرف اسی نظام شمسی سے نہیں، ان کا دائرہ امامت دوسری زمینوں، سیاروں،

ستاروں، کہکشاؤں اور حیات کی دوسری قسموں تک بھی پھیلا ہوا ہے۔ چالیس سے مراد چالیس نہیں ہے۔ عربی محاورے کی زبان میں جہاں بہ کثرت کہنا مقصود ہو وہاں اکثر چالیس کہا جاتا ہے۔
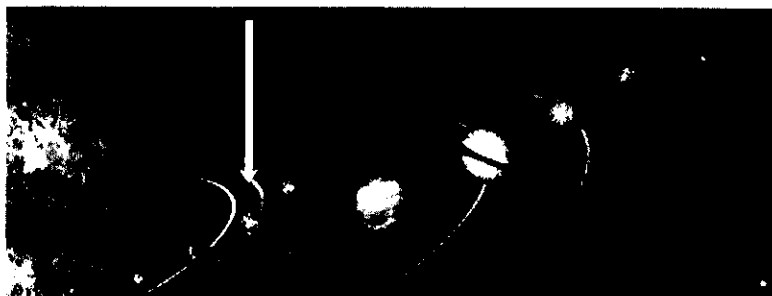
ہمارا نظامِ شمسی جس میں زمین سورج سے تیسرے نمبر پر نظر آ رہی ہے

روشنی کی رفتار سے سفر:

یہ فاصلے ممکن ہے کئی دوستوں کو تصوراتی معلوم ہوں تو جناب آج کے سائنسی حقائق یہ ہیں کہ سورج ہماری زمین سے چودہ کروڑ چھیانوے لاکھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس کی روشنی تین لاکھ کلومیٹر (ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل) فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر طے کرنے کے باوجود آٹھ منٹ بیس سیکنڈ میں زمین تک پہنچتی ہے جب کہ خلاؤں میں سورج سے قریب ترین ستارے (Proxima Centauri) تک پہنچنے میں اس روشنی کو چار سال چار مہینے لگ جاتے ہیں۔ یہ ستارہ ہم سے 27 کھرب میل کے فاصلے پر ہے۔ اگر ہم خلاء میں 27 ہزار میل فی گھنٹا کی رفتار سے سفر کر سکیں تو ہمیں اس ستارے تک پہنچنے میں ایک لاکھ ستر ہزار سال گزر جائیں گے۔

سورج اور زمین کا درمیانی فاصلہ کائناتی فاصلوں کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔ آپ یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ کائنات میں بکھری ہوئی کھربوں کہکشاؤں میں سے اگر ایک اوسط سائز کی کہکشاں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانے کے لیے روشنی کی رفتار یعنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے سفر کریں تب بھی دوسرے سرے تک پہنچنے کے لیے ہمیں ایک لاکھ سال کی مدت درکار ہوگی۔

آج کی جدید خلائی سائنس بھی کائنات کی وسعت کا اندازہ لگانے میں ناکام ہے کیوں کہ جدید دوربینیں اور آلات بھی کائنات کی وسعتوں میں ابھی تک صرف تین سوملین نوری سال کے فاصلے تک دیکھ سکے ہیں۔اس فاصلے کے اختتام پر انہیں روشنی اور توانائی کے عظیم مراکز نظر آتے ہیں اور ان کی روشنیوں کے تجزیے سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہاں جو کچھ ہے وہ دریافت شدہ کائنات سے بالکل مختلف ہے۔

سائنس مجبور ہے:

پہلے زمانے کے لوگ نہ ان باتوں کو سمجھ سکتے تھے اور نہ ہی ان باتوں پر یقین کرتے تھے لیکن کیا کیا جائے کہ آج دنیا بھر کے خلائی اور سائنسی تحقیقاتی ادارے مجبور ہیں کہ قرآن اور چہاردہ معصومینؑ کے پندرہ سو برس پہلے کے ارشادات کی سچائی ثابت کرنے کے لیے ٹھوس حقائق اور واضح دلیلیں تلاش کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں۔

کائنات کے تناظر میں زمین:

اب اگر ہم رب السمٰوات والارض کی بنائی ہوئی کھربوں کہکشاؤں اربوں ستاروں، سیاروں، چاندوں، سورجوں، زمینوں اور ان سب کے درمیان لامحدود خلا اور ناقابل تصور مسافتوں کا تصور کر سکیں

دودھیا کہکشاں جس کے اندر سورج جیسے یا سورج سے بڑے 100 ارب ستارے اور ان کے سیارے موجود ہیں۔ ہمارا سورج اور اس کے نو سیارے اس کہکشاں کے بہت چھوٹے سے حصے میں موجود ہیں۔اس طرح کی سو کھرب سے زیادہ کہکشائیں نظر آنے والی کائنات میں موجود ہیں۔
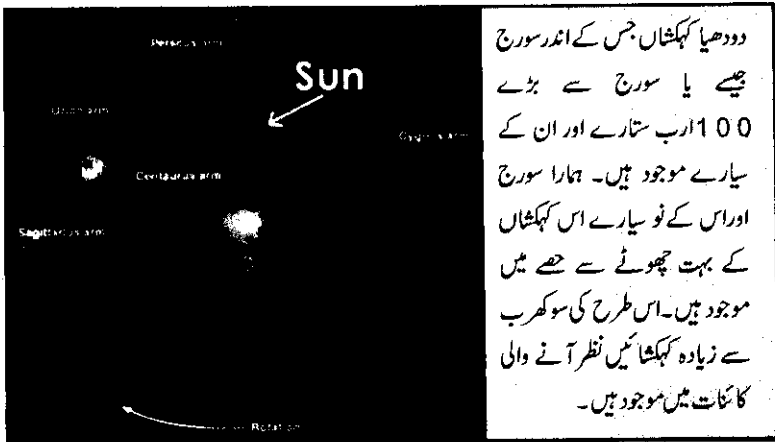
تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس عظیم کائنات کے مقابلے میں ہماری اس زمین کی حیثیت ایک خردبینی جرثومے، ایک وائرس سے بھی کم تر ہے۔ یہ وائرس اگر لاکھوں کی تعداد میں یکجا ہوں تو سوئی کی نوک جتنی جگہ میں بہ آسانی سما سکتے ہیں۔

زمین کیا ہے؟

زمین ہماری کہکشاں کا ایک اہم حصہ ہے۔ سیٹلائٹس کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق اس کا کل رقبہ انیس کروڑ انہتر لاکھ اکیاون ہزار (19,69,51000) مربع میل ہے۔ اس میں سے خشکی کا رقبہ پانچ کروڑ بہتر لاکھ انسٹھ ہزار (5,72,56000) مربع میل ہے جبکہ تیرہ کروڑ چھیانوے لاکھ بانوے ہزار (13,96,92000) مربع میل پر سمندر پھیلا ہوا ہے۔

اس کا وزن ایک اندازے کے مطابق 6600000000000000 میٹرک ٹن ہے۔ زمین اپنے مدار پر تیس گھنٹے چھپن منٹ چار اعشاریہ نو سیکنڈ میں ایک گردش مکمل کر لیتی ہے۔ سورج کے گرد اس کی ایک گردش تین سو پینسٹھ دن چھ گھنٹے نو منٹ اعشاریہ چھپن سیکنڈز میں مکمل ہوتی ہے۔

زمین اپنے مدار پر آٹھ سو کلومیٹر (پانچ سو میل) فی گھنٹا کی رفتار سے گھوم رہی ہے جب کہ خلا میں سورج کے گرد یہ 80 ہزار کلومیٹر (پچاس ہزار میل) فی گھنٹا کی رفتار سے گردش کر رہی ہے۔

اس کی عمر کا اندازہ ساڑھے چار ارب سال لگایا گیا ہے۔ زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ چودہ لاکھ میل یعنی چودہ کروڑ چھیانوے لاکھ کلومیٹر ہے۔ یہ فاصلہ کم زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن عظیم ترین کائنات کے مقابلے میں زمین کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔

زمین پر ہم اور آپ:

یہ تو ہماری زمین کی حیثیت ہوئی، اس معلوم شدہ کائنات کے تناظر میں۔ پھر اس وائرس سائز زمین پر ہم اور آپ جیسے انسان کیا حیثیت رکھتے ہیں، آپ اس کا خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ زیرو کے بعد پوائنٹ لگا کر (0.1000000) دس لاکھ لکھ دیے جائیں تو شاید مسئلہ حل ہو جائے۔

لیکن آپ غور فرمائیں کہ ہماری اس ناقابل بیان حد تک کم تر حیثیت کے باوجود اللہ رب العالمین نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا، ہمیں اپنی بہترین تخلیق قرار دیا۔ ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی عطا کی (خواہ وہ دنیا میں گزرے یا جنت یا جہنم میں) اور ہمیں زمین پر بھیجنے سے پہلے اس کرّہ ارض کو اپنی نعمتوں اور ہماری ضروریات زندگی سے بھر دیا۔

> ''اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا تو اس سے باغ (کے درخت) اُگائے اور کھیتی کا اناج اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا بور باہم گتھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ بندوں کو روزی دینے کے لیے (پیدا کیا) اور (پانی ہی سے) ہم نے مردہ شہر (افتادہ زمین) کو زندہ کر دیا اور اسی طرح (قیامت میں مُردوں کو) نکلنا ہوگا۔ (سورہ ق: آیت ۹ تا ۱۱)

باب: ۱۰

رَبُّ العَالَمین نے ہمیں کن نعمتوں سے نوازا ہے؟

ہمارا ایمان ہے کہ اگر دنیا کے سارے سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درختوں سے قلم بنا لیے جائیں اور سارے انسان اور تمام جن مل کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی فہرست مرتب کرنا چاہیں تب بھی وہ اللہ کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے۔ زمین کی گہرائی سے لے کر آسمان کے کناروں بلکہ کائنات کے آخری کناروں تک کوئی جگہ اس کی نعمتوں سے خالی نہیں اور ہر چیز کے فائدے کا رخ انسان ہی کی جانب ہے۔ مثلاً گھاس پھونس اگرچہ براہ راست انسان کے لیے نہیں ہے۔ بہ ظاہر یہ جانوروں کا چارا ہے۔ جانور اسے کھا کر زندہ رہتے ہیں لیکن اس گھاس پھونس کا سب سے قیمتی جوہر، دودھ، گوشت اور کھال کی شکل میں انسان ہی کو ملتا ہے۔ پھر اس گھاس کی وجہ سے زمین کی سرسبزی، رنگ بدلتے موسم، آنکھوں کی تراوٹ اور مختلف ادویات کا حصول الگ۔

> ''خدا ہی ایسا (قادر و توانا) ہے جس نے سارے آسمان و زمین پیدا کر ڈالے اور آسمان سے پانی برسایا پھر (اس کے ذریعے) تمہاری روزی کے واسطے (طرح طرح کے) پھل پیدا کیے اور کشتیاں تمہارے بس میں کر دیں تاکہ اس کے حکم سے دریا میں چلیں اور تمہارے واسطے ندیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور سورج اور چاند کو تمہارا تابعدار بنا دیا کہ سدا پھیری کیا کرتے ہیں (یعنی کروڑوں سال سے ایک مقررہ وقت پر طلوع اور غروب ہوتے رہتے ہیں) اور رات اور دن کو تمہارے قبضے میں کر دیا اور جو کچھ تم نے اس سے مانگا اس میں سے بہ قدر مناسب تمہیں دیا اور اگر تم

اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو گن نہیں سکتے۔اس میں شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔'' (سورہ ابراہیم آیت: ۳۱۔۳۲۔۳۳)

ہم نعمتوں کو گننے کی کوشش تو کر سکتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں یہ ضرور ارشاد فرمایا ہے کہ تمام انسان اور جن مل کر بھی میری نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے لیکن اس نے نعمتوں کے شمار کرنے کو منع کہیں نہیں کیا۔جتنی نعمتیں ہم اور آپ شمار کر سکتے ہیں، انہیں شمار کرنے میں کیا حرج ہے! نعمتوں کو یاد کرنا، ان پر غور کرنا اور پھر ان پر شکر گزار ہونا تو ہماری اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔

''یہ اس کے سمجھنے کے لیے ہے جو نعمت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے۔'' (سورہ فرقان: آیت: ۷۷)

''اور اس لیے بھی کہ اگر تم ناشکری کرو گے تو اللہ بھی تم سے بالکل بے پرواہے اور اپنے بندوں سے کفر اور ناشکری کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر (ادا) کرو گے تو وہ اسے تمہارے واسطے پسند کرتا ہے۔''

(سورہ: الزمر آیت ۷)

تو آیئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صرف چند نعمتوں کو گننے کی کوشش کرتے ہیں۔اگر چہ ہماری یہ کوشش ناکام ہوگی لیکن کوشش کر کے دیکھنے میں کیا حرج ہے!

سائنس ناکام ہے:

صرف زمین پر موجود اس خالق حقیقی کی جاندار مخلوق کو ٹیکنالوجی کی ترقی اور جدید ترین سائنسی آلات کے باوجود مکمل طور پر شمار نہیں کیا جا سکا۔بہر حال اب تک کی تحقیقات کے مطابق زمین پر جانداروں کی ایک کروڑ سے زیادہ اقسام (تعداد نہیں) دریافت کی جا چکی ہیں جبکہ پودوں اور نباتات کی دریافت شدہ اقسام (تعداد نہیں) ساڑھے تین لاکھ سے زیادہ ہیں اور دونوں میں ہر سال سیکڑوں نئی دریافت شدہ نباتات اور سیکڑوں جانداروں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

''اللہ ہی نے زمین پر چلنے والے (جان داروں) کو پانی سے پیدا کیا۔ان میں سے بعض تو پیٹ کے بل چلتے ہیں (رینگنے والے جانور)اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں (مثلاً انسان اور پرندے)اور بعض ان میں سے چار پاؤں پر چلتے ہیں (یعنی چوپائے)اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔اس میں شک نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (النور: آیت ۴۵)

پھر یہ نرم و گداز، سخت اور پتھریلی زمین، زرخیز مٹی، دھاتیں، معدنیات، مختلف اقسام کی گیسیں، پھران دھاتوں، معدنیات اور گیسوں میں ایک دوسرے سے اختلاط کی صلاحیت اوران کے باہم مل جانے سے دوسری معدنیات، دھاتوں، گیسوں اور لاتعداد اشیاء کا ظہور۔

''کیا تم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ یقیناً اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا۔پھر ہم (اللہ) نے اس (کے ذریعے) طرح طرح کے رنگوں کے پھل پیدا کیے اور پہاڑوں میں قطعات ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں۔کچھ تو سفید اور کچھ لال اور کالے سیاہ (معدنیات)۔''

(سورہ فاطر: آیت ۲۷)

آپ اس وقت کہیں بھی ہوں ذرا اپنے چاروں طرف نظر دوڑایئے۔کیا آپ کو حدِ نظر تک کوئی ایسی شے نظر آتی ہے جو انسان نے پیدا کی ہو۔نظر آنے والی ہر شے ہمیں زمین ہی سے حاصل ہوئی ہے۔ہر چیز کبھی زمین میں تھی، آج وہ کسی اور شکل میں آپ کے سامنے ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

پھر لاتعداد غیر مرئی طاقتیں، مختلف ستاروں سے خارج ہونے والی شعاعیں، سورج کی توانائی الٹرا وائیلٹ ریز، ریڈیائی لہریں، الفا بیٹا لہریں، ایکس ریز، کتنی اجناس، کتنے پھل، حلال جانوروں کا غذائیت سے بھرپور گوشت۔

''کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے ان کے فائدے کے لیے

چوپائے اس چیز سے پیدا کیے جسے ہماری ہی قدرت نے بنایا۔ یہ لوگ (خواہ مخواہ) مالک بن گئے۔" (سورہ یٰس: آیت ۷۱)

سمندروں سے حاصل ہونے والی غذائیں، لحمیات، نمکیات اور لاکھوں غذائیت بخش اجزا۔

"وہی تو وہ (اللہ) ہے جس نے دریاؤں (اور سمندروں) کو بھی تمہارے قبضے میں کر دیا تاکہ تم اس میں سے (مچھلیوں) کا تازہ گوشت کھاؤ۔

(سورہ النحل: آیت ۱۴)

طرح طرح کے لباس، آرام دہ جوتے، تیز رفتار سواریاں، گرمی اور سردی سے بچنے کے جدید ساز و سامان۔

"اور اسی نے تمہارے کپڑے بنائے جو تمہیں (سردی) اور گرمی سے محفوظ رکھ سکیں۔" (سورہ ق: آیت ٦)

یہ سب اللہ ہی نے تو پیدا کیے ہیں اور انسان کو ایسی صلاحیتیں دیں کہ وہ ان سب نعمتوں سے استفادہ کر سکے۔

یہ نیلگوں آسمان جو کرہ زمین پر رہنے والوں کو سخت سردی اور سخت گرمی اور خلا سے گرنے والے شہاب ثاقب اور برقی ذرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

"اور ہم نے آسمان کو تمھارے لیے چھت بنایا جو ہر طرح سے محفوظ ہے"

(سورہ انبیاء: آیت ۳۲)

طرح طرح کی ہوائیں، بادل اور گھٹائیں، موسلا دھار بارشیں، آسمانی بجلی، دھنک، شفق، گھٹتے بڑھتے سائے۔

"کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان پر نظر نہیں ڈالی کہ ہم نے اسے کیوں کر بنایا اور اسے (کیسی) زینت دی۔" (سورہ ق: آیت ٦)

نوٹ: زمین کے اوپر موجود فضا کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ زمین سے قریبی حصے کو ٹروپوسفیر (TROPOSPHER) کہا جاتا ہے۔ یہ فضائی کرہ خط استوا پر اٹھارہ کلومیٹر اور قطبین پر آٹھ کلومیٹر دبیز ہے۔ اس

سے اوپر کی فضا اسٹارٹوسفیر STARTOSPHERE کہلاتی ہے۔ یہ اسی (80) کلومیٹر دبیز ہے۔ اوزون کی حفاظتی تہہ اسی میں پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد آئی نوسفیر IONOSPHERE ہے۔ شہاب ثاقب اسی جگہ جلنا شروع ہوتے ہیں۔ زمین کی سطح سے پانچ سو میل اوراوپر ایکسوز فیر EXOSOSPHERE ہے۔ یہاں ہوا کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔ اس کے بعد دوسری تہیں ہیں۔ پھر لامحدود خلا شروع ہو جاتا ہے۔ ہوا کی زیادہ تر مقدار سطح زمین سے قریبی فضا ٹروپوسفیر میں پائی جاتی ہے۔ اس جگہ نائیٹروجن (78 فی صد) آکسیجن (21 فی صد) کاربن ڈائی آکسائیڈ، آرگن اور بعض دوسری گیسیں بہت معمولی مقدار میں پائی جاتی ہیں۔ انھی گیسوں میں حرکت سے زمین پر موسم بدلتے ہیں، بارشیں برستی ہیں، پیڑ اُگتے ہیں اور پھل لگتے ہیں۔

یہ رنگ بدلتے موسم، آگ، روشنی، تاریکی، سائے، چاندنی اور دھوپ، خزانوں سے بھرے سر بہ فلک برف پوش پہاڑ، دریاؤں، سمندروں اور جھیلوں کی سطح سے اٹھتا، آسمان سے برستا میدانوں میں بہتا اور برف کی صورت پہاڑوں پر انسانوں کے لیے اسٹور ہوتا آبِ حیات۔

> ''(اے رسول) تم کہہ دو کہ بھلا دیکھو تو کہ اگر تمہارا پانی زمین
> کے اندر (زیادہ گہرائی میں) چلا جائے تو کون ایسا ہے جو
> تمہارے لیے پانی کا چشمہ بہالائے۔'' (سورہ ملک: آیت ۳۳)

دریا، ندی، نالے، چٹانوں سے پھوٹتے چشمے، یہ جھاگ اڑاتا بحر ذخار جو خشکی سے تین گنا بڑا ہونے کے باوجود اپنی حدود میں مقید ہے۔

نوٹ: سمندر زمینی حیات کی بقا میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ انھی کی وجہ سے موسم بدلتے ہیں، میٹھے پانی کی فراہمی انھی کے ذریعے ہوتی ہے۔ سمندر مختلف ملکوں اور برِّ اعظموں کے درمیان سفر میں بھی بڑا بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ انھی کی سطح پر تیرنے والے چند خلیوں پر مشتمل پلانکٹن (PLANEKTON) نامی خردبینی جاندار کرہ ارض کی آکسیجن کی ضروریات کی زیادہ تر مقدار تیار کرتے ہیں۔

یہ دل آویز مناظر، کھیتوں کی ہریالی، باغوں کی مہکار، دنیا میں آکسیجن پھیلاتے اور مضر صحت گیس کو جذب کرتے ہزاروں اقسام کے پیڑ۔

> ''بھلا دیکھو تو جو کچھ تم بوتے ہو۔ کیا تم لوگ اسے اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے
> ہیں۔'' (سورہ واقعہ: ۵۸، ۵۹)

میدانوں کی خوشبو٬ صحراؤں کا سکوت٬ شہروں کا شور٬ صبح کاذب کا نور٬ صبح صادق کا اجالا٬ دھنک کے رنگ۔

''سورج کی قسم اور اس کی روشنی (کی) اور چاند کی (قسم) جب اس کے پیچھے نکلے اور دن کی (قسم) جب اسے چمکا دے اور رات کی جب اسے ڈھانک لے اور آسمان کی قسم اور جس نے اسے بنایا اور زمین کی (قسم) جس نے اسے بچھایا۔ (سورہ الشمس: آیات ا۔٦)

ہواؤں کی سرسراہٹ٬ پھولوں کی مسکراہٹ٬ پرندوں کی چہکار٬ گھنی بیلوں کے سائے٬ دریاؤں کے کنارے٬ سمندروں کے خزانے٬ آسمانوں کی وسعتیں٬ اوزون کی تہہ، زمین کو سیکڑوں میل تک گھیرے ہوئے مختلف گیسوں کا سمندر۔

''ہواؤں کی قسم جو (پہلے) دھیمی چلتی ہیں پھر زور پکڑ کر آندھی ہو جاتی ہیں اور بادلوں کو ابھار کر پھیلا دیتی ہیں پھر انھیں پھاڑ کر جدا کر دیتی ہیں۔''

(سورہ المرسلات: آیت ا۔۴)

اور کشش ثقل جس کی وجہ سے خلا سے گرنے والے تابکاری ذرات زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی جل کر راکھ ہو جاتے ہیں اور جس کی وجہ سے ہم زمین پر قدم جما کر چلتے ہیں۔

''جو (چیز/قوت) اس میں داخل ہوتی ہے اور جو (چیز) اس سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے سب اسے معلوم ہے''۔ (سورہ الحدید: آیت:۴)

زمین کی یہ کشش ثقل اگر ایک لمحے کو ختم ہو جائے تو اگلے ہی لمحے زمین پر موجود انسان، حیوان، عمارتیں، پیڑ، پودے، پانی، چرند پرند، بادل، بارشیں، ہوائیں دنیا کی ''سپر پاورز'' اور ان کے ایٹمی پٹاخوں سمیت ہر شے زمین سے اٹھ کر بیکراں خلاء میں کہیں غائب ہو جائیں۔

''ہم نے تم لوگوں میں موت کو مقرر کر دیا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ

تمہارے ایسے لوگ بدل ڈالیں اور تم لوگوں کو اس (صورت یا عالم) میں
پیدا کردیں جسے تم بالکل نہیں جانتے۔" (سورہ واقعہ: آیت ۶۱)

آخر شب کی برکتیں......

"اور رات کی قسم جب ختم ہونے کو آئے اور صبح کی قسم جب روشن ہو
جائے"۔ (سورہ تکویر: آیات ۱۷۔۱۸)

شام کے سناٹے، دن کے ہنگامے، آغوش مادر کی گرمی، باپ کا سایہ، بچوں کی قلقاریاں' یہ رشتے اور محبتیں' یہ چاہتیں اور شفقتیں' روشن ہوادار مکان' تیز رفتار ذرائع نقل وحمل۔

"اور (اس نے) گھوڑوں خچروں اور گدھوں کو (پیدا کیا) تا کہ تم ان پر
سوار ہوسکو اور اس میں تمہاری (زینت) بھی ہے (وہ) اور چیزیں
(سواریاں) بھی پیدا کرے گا جنہیں (ابھی) تم نہیں جانتے"۔
(سورہ نحل: آیت ۸)

مواصلات کے جدید نظام' کروڑوں لائبریریاں' اعلیٰ درس گاہیں، بیماریوں کے لیے لاکھوں دوائیں' علاج کے ہزاروں طریقے' تدریس اور تحقیق کے ادارے' دوسرے سیاروں تک رسائی رکھنے والے خلائی سائنسی ادارے۔ یہ تمام اشیاء اللہ جل شانہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں جو آج کے دور کے انسان کو بہ آسانی دستیاب ہیں یا وہ ان سے کسی نہ کسی طرح مستفید ضرور ہوتا ہے۔

ہر شئے کا خالق و مالک صرف اللہ ہے:

پھر اللہ نے دنیا میں بے حد وحساب رنگ پیدا کیے اور ہمیں آنکھیں دیں۔ اس نے نا قابل شمار آوازیں اور سناٹے پیدا کیے اور ہمیں سماعتیں عطا کیں۔ اس نے لاتعداد ذائقے ایجاد کیے اور ہمیں قوت ذائقہ سے نوازا۔ اس نے بے شمار خوشبوؤں سے دنیا کو مہکایا اور ہمیں سونگھنے کے قابل بنایا۔ اس نے لاتعداد لمس پیدا کیے اور ہمیں محسوس کرنے کی استعداد عطا کی۔ اگر وہ ایک چیز پیدا کرتا اور دوسری ہمیں نہ دیتا، مثلاً رنگ ہوتے اور بصارت نہ ہوتی، آنکھیں اور اشیاء موجود ہوتیں

لیکن روشنی نہ ہوتی یا آوازیں اور کان تو ہوتے لیکن ہوا نہ ہوتی جو آوازوں کو ہمارے کانوں تک پہنچاتی ہے، تو ہم کیا کر سکتے تھے!

رشتوں کی زنجیر اور مناسبتیں:

ماہرین حیاتیات کہتے ہیں کہ دنیا میں ہر مخلوق دوسری مخلوق سے رشتوں کی ایک اَن دیکھی زنجیر میں بندھی ہوئی ہے۔ ہر مخلوق خود زندہ رہنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے سامان زندگی فراہم کرتی ہے۔ مثلاً انسان جو غذائیں استعمال کرتا ہے۔ ان کی کیمیائی ساخت اس طرح کی ہے کہ انسان کا جسم انہیں بہ آسانی استعمال کر سکے اور جزو بدن بنا سکے۔ اس طرح خود انسان کے تمام اعضاء ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ بیرونی چیزوں سے بھی ہم آہنگی کا رشتہ رکھتے ہیں۔ اگر انسانی جسم کو کسی اور خدا نے بنایا ہوتا اور دوسری اشیاء کو کسی دوسرے خدا نے خلق کیا ہوتا تو انسانی آنکھ اور دماغ کے لیے ممکن نہ ہوتا کہ چیزوں کو اس شکل میں دیکھ یا سمجھ سکے جیسی کہ وہ ہیں۔

باب: ۱۱

انسان' ایک زندہ معجزہ

یوں تو اللہ کی ہر مخلوق اس کی انوکھی، اچھوتی اور عقل کو ششدر کر دینے والی تخلیق ہے لیکن انسان کو اللہ تعالی نے اشرف المخلوقات کہا اور اسے تمام مخلوقات پر فضلیت عطا کی۔ امیر المومنین حضرت علیؑ ابن طالب نے فرمایا کہ انسان کے جسم کے عالم اصغر میں ایک عالم اکبر چھپا ہوا ہے۔ تو آیئے! پہلے ان نعمتوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں جن کی مدد سے ہم اپنے اردگرد موجود اللہ تعالیٰ کی نا قابل شمار نعمتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور جو کم وبیش ہر انسان کے پاس موجود ہیں۔ یاد رہے کہ یہ تمام نعمتیں انسان کو مفت اور بے مانگے ملی ہیں۔

آپ غور کریں کہ جو مالک بے مانگے اتنی عظیم الشان نادر و نایاب، لاتعداد بے شمار نعمتیں اپنے بندوں کو دے سکتا ہے وہ مانگنے والوں کو کیا کچھ عطا نہیں کرتا ہوگا!

سوکھرب خلیوں سے بنا ہوا انسان:

انسان کی جسمانی ابتداء ایک خلیے (CELL) سے ہوتی ہے۔ یہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ اسے دیکھنے کے لیے طاقتور خردبین کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک بالغ انسان ایسے ہی سوکھرب خردبینی خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

یعنی دنیا کی موجودہ آبادی سے سترہ ہزار گنا زیادہ آبادی خود ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ جتنی دیر میں آپ ایک مرتبہ پلک جھپکتے ہیں اتنی دیر میں کروڑوں خلیے اپنی زندگی پوری کر کے مر جاتے ہیں لیکن اتنی ہی دیر میں کروڑوں نئے خلیے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جلد کے خلیے ہر دس گھنٹے بعد نئے پیدا ہوتے ہیں اور ہر ستائیس دن کے بعد ہماری کھال مکمل طور پر تبدیل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح خون کے دس لاکھ سرخ خلیے ہر منٹ میں اپنی مدت حیات مکمل کر کے مر جاتے ہیں، مگر اسی مدت میں دوسرے دس لاکھ خلیے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہمارے تمام اعضاء پورا جسم اسی ''مخلوق'' یعنی خلیوں سے بنا ہے اور یہی خلیے پورے جسم کو نہ صرف زندہ رکھتے ہیں بلکہ اسے ہر لمحے ایک نئی زندگی عطا کرتے رہتے ہیں۔

یہ تمام خردبینی وجود اپنی اپنی علیحدہ شناخت رکھتے ہیں اور اپنی پیچیدہ و پُراسرار ذمے داریوں سے بہ خوبی واقف ہوتے ہیں۔

یہ ہمارے جسم میں مختلف اقسام اور گروپس کی شکل میں رہتے ہیں اور ہماری صحت اور زندگی کو برقرار رکھنے کی عظیم ذمے داری کو سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ یہ خلیے اللہ کی مخلوق ہیں اور اشرف المخلوقات کی تشکیل کرتے ہیں۔

ہر خلیے میں ایک ہزار توانائی گھر:

ان میں سے ہر خلیہ اللہ کی شان خلاقیت کا محیر العقول نمونہ ہوتا ہے۔ ہر خلیے پر اس کا DNA حکمرانی کرتا ہے اور DNA پر غالباً روح حکمراں ہوتی ہے۔ ہر خلیے میں زندہ رہنے کے لیے توانائی پیدا کرنے والے ایک ہزار توانائی گھر ہر لمحہ مصروف رہتے ہیں۔ ہر خلیے میں چھ سو خامرے (اینزائم) ہوتے ہیں۔ خامروں کو آپ کیمیادانوں کی ایک ٹیم سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ یہ ہضم شدہ کھانے کے مختلف اجزاء کو ایک پیچیدہ کیمیائی عمل سے گزار کر اسے آپ کے جسم کا حصہ بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر خلیے میں آب رسانی، نکاسی، امپورٹ، ایکسپورٹ، سیکورٹی دفاع اور کمیونی کیشن کے ایسے ''جدید ترین'' نظام کام کرتے ہیں جن کے آگے آیندہ صدیوں کے سائنس دانوں کی عقلیں بھی محوِ حیرت رہیں گی۔

> ''عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ آفاق میں بھی اور خود ان میں بھی۔ یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ یقیناً وہی حق ہے۔''
>
> (سورہ حٰم السجدہ)

ہر خلیے میں ایک دنیا:

ہر خلیے کے ننھے سے وجود میں ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔ ہر خلیے کو زندہ رہنے کے لیے آکسیجن، پانی، حیاتین، گلوکوز، معدنیات، کاربوہائیڈریٹس، امائنو ایسڈز، پروٹین، دھاتوں اور بے شمار دوسرے اجزاء، ان اجزاء کے الگ الگ تناسب اور مقدار کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تمام اشیاء جسم کی دنیا اور خلیوں کی دسترس سے بہت دور ہوتی ہیں۔ ان کھرب ہا کھرب خلیوں کو "رزق کی فراہمی" دنیا کے تیز رفتار ترین سپلائی سسٹم سے لاکھوں گنا زیادہ جدید اور برق رفتار نظام کے ذریعے ہوتی ہے۔

رزق کی فراہمی:

اپنی اس مخلوق کو اس کے دروازے تک رزق پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حیران کن انتظامات کیے ہیں۔ قدرت کے اس سپلائی سسٹم میں 25 ارب سے زیادہ کارکن شب روز کام کرتے ہیں۔ یہ کارکن خون کے سرخ خلیے ہیں۔ خون کے سرخ خلیے دل سے پمپ ہونے کے بعد صرف ڈیڑھ منٹ میں جسم کی تقریباً پچھتر ہزار میل لمبی خون کی چھوٹی بڑی نالیوں سے گزر کر ایک ایک عضو اور ایک ایک خلیے کو اس کی مطلوبہ خوراک پہنچاتے رہتے ہیں اور واپسی کے سفر میں یہی سرخ خلیے جسم کے ہر خلیے کی استعمال شدہ خوراک کے فضلے (کاربن ڈائی آکسائیڈ) کو اپنے ساتھ سمیٹ کر اسے متعلقہ اعضاء (پھیپھڑوں، جگر، گردوں اور مثانے) تک پہنچا دیتے ہیں جہاں سے یہ فاسد مادے جسم سے باہر خارج کر دیے جاتے ہیں۔

خون کے سرخ خلیے صرف کاربن ڈائی آکسائیڈ کو نکالتے اور تازہ آکسیجن کو جسم کے خلیوں تک پہنچاتے ہیں۔ دوسرے فاضل مادّے خون کے پلازما کے ذریعے جسم سے خارج ہوتے ہیں۔

سرخ خلیوں کا یہ پچھتر ہزار میل لمبا سفر صرف نوے سیکنڈ میں مکمل ہو جاتا ہے۔ رزق کی فراہمی کا یہ سلسلہ انسان کی پیدائش سے بھی پہلے شروع ہوتا ہے اور اس کی آخری سانس تک جاری رہتا ہے لیکن انسان اگر اپنی ہر سانس کے ساتھ صرف ایک نعمت کا شکر ادا کرنا چاہے تو اپنی آخری سانس تک ادا نہیں کر سکتا۔

خون کی نالیوں کی لمبائی:

خلیوں کو رزق پہنچانے والی پائپ لائن (خون کی نالیوں) کی لمبائی کا اندازہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ اگر خون کی ان تمام شریانوں اور وریدوں کو سیدھا کر کے ایک لائن میں رکھا جائے تو ان کی لمبائی اتنی ہوگی کہ پورے کرہ ارض کے گرد انہیں تین مرتبہ گھمایا جاسکتا ہے۔ گندے خون کو دل تک لے جانے والی شریانوں میں ایسے ''والو'' ہوتے ہیں جن کی وجہ سے خون کا ٹریفک صرف وَن وے چلتا ہے۔

خون کے سرخ خلیوں کی عمر چار مہینے ہوتی ہے۔ خون کے مردہ خلیے جگر (LIVER) میں دوبارہ استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ ان کے ایک حصے سے صفرا (BILE) تیار کیا جاتا ہے جسے آنتیں غذا میں موجود چکنائی کو قابلِ ہضم بنانے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ باقی مردہ خلیوں سے دوبارہ نئے سرخ خلیے وجود میں آجاتے ہیں۔

ہر لمحے موت، ہر لمحے زندگی:

ہمارے جسم کے اندر ہر لمحے زندگی اور موت کا کھیل جاری رہتا ہے۔ تیس پینتیس سال کے بعد روزانہ دماغ کے ایک ہزار خلیے مر جاتے ہیں۔ جلد کے لاکھوں خلیے صرف ہاتھوں کو رگڑنے، نہانے اور کپڑے پہننے کے دوران جسم سے جدا ہو جاتے ہیں۔ لاکھوں خلیے ہر لمحے اپنے طبعی عمر کو پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں مگر انسان اپنے جسم میں جاری زندگی اور موت کے ان واقعات سے بے خبر ہی رہتا ہے کیوں کہ جتنے خلیے مرتے ہیں اتنے ہی نئے خلیے اس عرصے میں پیدا ہو چکے ہوتے ہیں (سوائے دماغ کے خلیوں کے) اگر خلیوں کی پیدائش کا یہ سلسلہ رک جائے انسان شاید چند ہی دنوں میں مشتِ خاک کی مانند ہوا میں تحلیل ہو جائے۔

لفظ ''کُن'' کی گونج:

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ انسان کی پیدائش ابھی رکی نہیں ہے۔ یہ عمل مسلسل جاری ہے اور تکمیل کے مرحلے تک جاری رہے گا۔ جس طرح اللہ رب العالمین کے لفظ ''کُن'' کی گونج پوری

کائنات میں ابھی تک پھیل رہی ہے اس طرح یہ گونج ہر انسان کے جسم کی دنیا میں بھی ایک مدت تک پھیلتی رہے گی۔

انسان عام طور پر عقل وشعور آنے کے بعد ہی اللہ کی نعمتوں کا کسی قدر ادراک کرتا ہے اور ان نعمتوں سے بے خبر رہتا ہے جو اس کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی اسے ملنا شروع ہو جاتی ہیں۔ آیئے ان نعمتوں کا مختصر سا جائزہ لیں جن کے بغیر ہمارا اس دنیا میں آنا ممکن ہی نہیں تھا۔

باب: ۱۲

ہماری پیدائش سے پہلے

ہم پر اللہ کے احسانات اور اس کی ربوبیت

جب دو افراد یعنی میاں بیوی شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں تو فوری طور پر ان کے دلوں میں اولاد کی تمنا پیدا ہوتی ہے اور جیسے ہی امید بندھتی ہے تو گھر کے سب افراد کے چہروں پر خوشیاں بکھر جاتی ہیں کہ ایک ننھا منا مہمان گھر میں آنے والا ہے۔ یہ لوگ ماں کا خیال رکھنے لگتے ہیں۔ ماں کوشش کرتی ہے کہ اچھی غذا کھائے تا کہ آنے والا مہمان صحت منداور خوب صورت پیدا ہو۔ انسان ابھی ماں کے پیٹ میں ایک لوتھڑے کی مانند ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کے لیے اچھے سے اچھا لباس تیار ہو جاتا ہے گھر کے سب افراد دعا کرتے ہیں کہ آنے والا نارمل، صحت مند، طویل عمر اور نیک خصائل کا مالک ہو۔

قدرت کی نشانیاں:

رحم مادر میں انسان کی تخلیق بھی قدرت کا عقل کو ششدر کر دینے والا معجزہ ہے۔ مختصراً یہ کہ ماں اور باپ کے 23+23 کروموسومز کے ملاپ سے ایک نیا خلیہ وجود میں آتا ہے۔ ایک نئی زندگی کی ابتداء ایک نئے انسان کے عدم سے وجود میں آنے کا آغاز۔ یہ نیا خلیہ وجود میں آتے ہی اپنی جیسی کاپیاں بنانا شروع کر دیتا ہے۔ ایک سے دو، دو سے چار پھر آٹھ، سولہ، بتیس، چونسٹھ۔ اس طرح نو ماہ یا اس سے کم مدت میں ایک مکمل نیا انسان وجود میں آجاتا ہے۔ یہ ''ننھا منا انسان'' پچاس کھرب خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

''اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی (ایک حیران کن نشانی) ہے

کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر یکایک تم آدمی بن کے چلنے
پھرنے لگے"۔ (سورہ الروم: آیت ۲۰)

بے شمار نادیدہ معلومات اور پروگرام:

ہر خلیے کے اندر قدرت کا ایک اور حیران کن معجزہ اس کا DNA ہوتا ہے۔ یہ DEOXY) RIBO NUCLEIC ACID) کا مخفف ہے۔ DNA خلیے میں ایک دوسرے پر لپٹی ہوئی دو ڈوریوں کی مانند ہوتا ہے۔ بچے کے مستقبل کے لامحدود امکانات، ناقابلِ شمار اطلاعات، معلومات اور پروگرام اسی DNA میں اسٹور ہوتے ہیں۔ مثلاً بیماریاں، مزاج، کردار، خصوصیات، ماں، باپ، نانا، نانی، اور دادا، دادی کی جانب سے ملنے والی خصوصیات۔ قد و قامت، جلد، بالوں اور آنکھوں کا رنگ، یہ معلومات و پروگرام کوڈز کی شکل میں DNA پر موجود ہوتے ہیں۔ اگر ایک انسان کے جسم سے DNA کے تمام دھاگوں کو نکال کر ایک لائن میں رکھا جائے تو ان کی لمبائی زمین اور چاند کے درمیانی فاصلے سے کئی ہزار گنا زیادہ ہوگی۔

اللہ کی شانِ خلّاقیت اور بچے کی صورت گری:

بچے کے جسم میں اعضاء کی تیاری، بناوٹ، تعمیر، تنصیب، کارگردگی، سروس کوالٹی، نشو و نما کی رفتار، ٹوٹ پھوٹ کی صورت میں مرمت، بیماریوں کی صورت میں جسم کی دفاعی صلاحیت، یہ سب تفصیلات ہر خلیے کے DNA پر موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً جسم کا سب سے اہم "کیمیکل پلانٹ" یعنی جگر کس طرح ڈیزائن ہوگا، یہ کب مکمل ہوگا، جسم کے کس حصے میں لگے گا اور کب کام شروع کرے گا اور اسے کس طرح، کب اور کہاں استعمال کیا جائے گا، اس کی تعمیر کے لیے کس قسم کا خام مال درکار ہوگا، یہ خام مال کہاں سے' کتنا اور کس طرح حاصل کیا جائے گا، یہ سارا پروگرام اور اس کا بلو پرنٹ یعنی نقشہ DNA پر موجود ہوتا ہے۔ DNA کو آپ آرکیٹیکٹ سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس کا کام عمارت کی تعمیر سے پہلے عمارت کا نقشہ یا بلو پرنٹ تیار کرنا ہوتا ہے۔

خلیے کے اندر حیران کن انتظامات:

خلیے میں انجینئر کا کام RNA یعنی RIBO NUCLEIC ACID سر انجام دیتا ہے۔ RNA کوڈز کی شکل میں DNA پر موجود بلو پرنٹ "پڑھتا" ہے اور DNA کی زیر نگرانی تعمیر کا ابتدائی کام شروع کرتا ہے۔ مثلاً سب سے پہلے وہ ایک پروٹین کی تیاری شروع کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اسے امائنو ایسڈ کے مختلف اجزاء کو جمع کرنا ہوتا ہے۔

RNA کے ماتحت ایک خلیے میں چھ سو اینزائمز (خامرے) کام کرتے ہیں۔ یہ خامرے خلیے کے کیمیادان کہلاتے ہیں۔ یہ خود تبدیل ہوئے بغیر غذائی اجزا میں ایسی کیمیائی تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں کہ وہ غذا انسانی جسم کا حصہ بن جاتی ہے۔ مثلاً ماں نے اگر مچھلی کا ٹکڑا کھایا ہے تو اینزائمز اس ٹکڑے سے پروٹین حاصل کرتے ہیں۔ پھر وہ اس پروٹین میں امائنو ایسڈ کی ترتیب بدل کر انہیں دوسری ترتیب میں منظم کر دیتے ہیں۔ ترتیب کی اس تبدیلی سے مچھلی کا گوشت انسانی گوشت بن جاتا ہے۔ یہ پروٹین ممکن ہے بچے کے دل کا پٹھا بننے میں استعمال ہو یا انگشت شہادت کو حرکت کے قابل بنانے والے پٹھے میں کام آئے لیکن یہ جہاں بھی استعمال ہوگی، DNA کے اندر موجود نقشے اور پہلے سے طے شدہ پروگرام ہی کے مطابق RNA کے احکامات کے تحت استعمال ہوگی۔

"وہی تو وہ (اللہ) ہے جو ماں کے پیٹ میں تمہاری صورت جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی ہر چیز پر) غالب اور (دانائے مطلق) ہے" (سورۂ آل عمران۔ آیت ۶)

رحمِ مادر میں قدرت کا ایک اور عجوبہ پلاسینٹا (PLACINTA) نامی ٹیشو ہے۔ یہ ٹیشو جسم کے باقی تمام ٹیشوز (بافتوں) سے کہیں زیادہ پیچیدہ، پُر اسرار اور حیران کن خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ جیسے ہی رحم مادر میں بچے کی تخلیق کی ابتدا ہوتی ہے تو یہ ٹیشو فوراً کام شروع کر دیتا ہے۔ ایکٹو (متحرک) ہونے کے بعد اس کا وزن دو پونڈ، رنگ سرخ اور سائز سات انچ کے قریب ہو جاتا

ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ جب تک نوزائیدہ بچہ رحم مادر میں رہتا ہے اس وقت تک یہ ٹیشو بچے کے لیے وہ تمام پیچیدہ کام سرانجام دیتا ہے، جو انسان کے پھیپھڑے، جگر، گردے، معدہ اور آنتیں انجام دیتی ہیں۔

اللہ کی ربوبیت، بچے کے پیدا ہونے سے پہلے:

رحمِ مادر میں موجود گوشت کا ایک لوتھڑا اپنی غذا کی فراہمی اور رزق کی دستیابی کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتا لیکن اس کا رب، اس کا رزق بلا مانگے، بلا رکاوٹ، بلا معاوضہ ہر لمحے اس تک پہنچاتا رہتا ہے۔ بیرونی دنیا سے بچے تک رزق کی فراہمی ایک پائپ لائن کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ پائپ لائن پانچ انچ سے لے کر چار فٹ تک لمبی ہوسکتی ہے۔ اسے ''آنول نال'' کہا جاتا ہے۔ آنول نال دو شریانوں (ARTERIES) اور ایک ورید (VEIN) پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ ورید (VEIN) ماں کے خون میں موجود زندگی بخش اجزاء مثلاً وٹامنز، آکسیجن، معدنیات، کاربوہائیڈریٹس اور امائنو ایسڈ وغیرہ کو بچے تک پہنچاتی ہے۔ بچے کا جسم ان اجزا کو استعمال کرتا ہے اور ان کا فضلہ شریانوں (ARTERIES) کے ذریعے بچے کے جسم سے نکل کر پلاسینٹا (PLACENTA) نامی ٹیشو میں چلا جاتا ہے جہاں سے یہ ماں کے خون میں تحلیل ہوجاتا ہے۔ بعد میں ماں کا جگر، گردے اور پھیپھڑے اس فضلے کے مختلف اجزاء کو مختلف انداز سے ماں کے جسم سے خارج کردیتے ہیں۔

ماں اور بچے کا خون:

بچہ اگرچہ اس تمام عرصے میں ماں کے خون ہی کے ذریعے زندہ رہتا ہے لیکن حیران کن بات یہ کہ بچے کا خون، ماں کے خون میں شامل نہیں ہو پاتا اور ماں کا خون بچے کے خون میں شامل نہیں ہوتا۔ اگر ماں اور بچے کا خون ایک دوسرے میں شامل ہوجائے تو یہ حادثہ ماں اور بچے دونوں کے لیے جان لیوا ثابت ہوگا۔

ماں کے پیٹ میں آرام سے رہنے والا بچہ دھیرے دھیرے روپ بدلتا رہتا ہے۔ باہر کی دنیا میں جو غذائیں موجود ہوتی ہیں ان کا لطیف ترین جزو ماں کے خون کے ذریعے بے مانگے اس تک

پہنچتا رہتا ہے۔(یہ بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو ہر وقت رزق کے لیے پریشان رہتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ جب وہ گوشت کا ایک لوتھڑا تھا تب بھی اللہ کے حکم سے اس کی ضرورت کی ہر چیز اس تک پہنچتی رہتی تھی۔)

دنیا میں نئے انسان کی آمد اور استقبال:

پیدائش کا وقت قریب آتا ہے تو سارے خاندان والے جمع ہو جاتے ہیں۔ چھوٹے بڑے سب اس کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگتے ہیں۔ بہترین اسپتال' تجربہ کار ڈاکٹرز' آرام دہ سواریاں' جدید ترین آلات' دوائیں' لباس' روشنی' دھوپ' مناسب گرمی اور سردی' محفوظ گھر، دیکھ بھال کرنے والے، خیال رکھنے والے، سب کے سب پہلے ہی سے اس کے استقبال کے لیے موجود ہوتے ہیں۔

بچہ دنیا میں آتا ہے تو دنیا کی سب سے نایاب غذا اس کے لیے پہلے سے تیار ہوتی ہے جو ماں کی محبت کی گرمی سے ہمیشہ تازہ بہ تازہ رہتی ہے۔ وہ ایک VIP کی مانند دنیا میں آتا ہے۔ ہر معاملے میں اسے ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کی ڈیمانڈ سب سے پہلے پوری کی جاتی ہے۔ پیدائش کے وقت بے شمار نعمتیں اس میں ''بلٹ اِن'' ہوتی ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

پیدائش کے وقت مفت اور بے مانگے ملنے والی نعمتیں:

غذا حاصل کرنے اور اسے استعمال کرنے کی صلاحیت، اپنی طرف متوجہ کرنے کی صلاحیت' دل' دماغ' عقل' حافظہ' نسیان (بھول جانے کی صلاحیت) کھوپڑی' آنکھ' پلکیں' ناک' کان' ہونٹ' زبان میں ذائقوں کو پہچاننے کی صلاحیت' دانت جو بعد میں ظاہر ہو جاتے ہیں ہاتھ، پاؤں، انگلیاں، پورے' چہرہ' رخسار' ٹھوڑی' گلا' غذا کی نالی' سانس کی نالی' سینہ' معدہ' آنتیں' پیٹ' بازو' کہنی' پنجہ' انگلیاں' ہتھیلیاں' ناخن' رانیں' کولہے' پنڈلیاں' گٹا' تلوا' ایڑیاں' گردن، ریڑھ کی ہڈی' پھیپھڑے' پسلیاں' جگر' تلی' اعضائے تولید' گردے' مثانہ۔

جسم کا ڈھانچا، گوشت' چربی' کھال' بے شمار شریانیں' اعصاب' وریدیں' جسم کے مسامات'

جسم کے درجہ حرارت کو کم یا زیادہ کرنے کی صلاحیت' نیند کا پراسرار نظام' ہڈیوں کا گودا' سننے' بولنے' سونگھنے' تکلیف اور راحت کو محسوس کرنے کی صلاحیت' خاندانی خصوصیات' نیک و بد میں تمیز کرنے کی صلاحیت' شعور' لاشعور' حرام مغز' کروڑوں خلیے بیک وقت تیار کرنے کی صلاحیت' بیماریوں سے مدافعت کا نظام۔ایک مخصوص تناسب کے ساتھ بہت سے کیمیکلز' معدنیات' خاص وولٹیج کی برقی طاقت' تمام انسانی جسم کے درمیان پیغام رسانی کا مرکزی نظام جو دماغ کو فوری اطلاعات فراہم کرتا ہے۔کھوپڑی سے پاؤں کے تلووں تک دوران خون کی گردش کو جاری رکھنے کا نظام' نظام ہاضمہ' نظام تنفس' ہارمونز اور ان سب سے بڑھ کر روح جو امر ربی ہے۔

''اے رسول تم کہہ دو کہ اللہ تو وہی ہے جس نے تم کو نت نیا پیدا کیا اور تمہارے واسطے کان، آنکھیں اور دل بنائے مگر تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔'' (سورہ ملک: آیت ۲۳)

انسان دنیا میں دس فیصد صلاحیتوں کو بھی استعمال نہیں کرتا:

ہمارے جسم میں اللہ رب العالمین نے اس قدر نعمتیں عطا کی ہیں کہ سائنس و ٹیکنالوجی کے اس دور میں کوئی سپر کمپیوٹر بھی ان تمام نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتا۔ان میں سے ہر عضو ہر حصے، ہر صلاحیت کے بارے میں الگ الگ لاکھوں کروڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔ان نعمتوں کی تعداد اتنی وافر ہے کہ دنیا کا ذہین ترین انسان بھی اپنی صلاحیتوں کا شاید دس فیصد ہی پورے طریقے پر استعمال کر سکا ہے۔

شاید باقی نوے فی صد صلاحیتیں کسی اور دنیا کے لیے عطا کی گئی ہیں۔امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: انسان سو رہے ہیں' مریں گے تو جاگیں گے''۔ظاہر ہے جاگنے والوں کو سونے والوں سے زیادہ صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔اور یہ بات تو اسلامی تعلیمات کے بالکل مطابق ہے کہ آخرت میں انسان اسی ظاہری جسم کے ساتھ زندہ کیے جائیں گے۔

باب: ۱۳

خود شناسی سے خدا شناسی کا سفر

یہ تمام تحفے جن کا ہم نے گزشتہ باب میں سرسری سا تذکرہ کیا، صرف اللہ جیسا کریم، سخی اور فضل واحسان کرنے والا مالک ہی ہمیں مفت عطا کر سکتا تھا۔ اگر آپ کو ہماری بات پر یقین نہ آئے تو ان میں سے کوئی ایک نعمت اپنے قریب ترین رشتے دار یا عزیز ترین دوست سے مانگ کر دیکھ لیں۔

ہم میں سے بیشتر لوگ تو ان عظیم تحفوں کا ادراک ہی نہیں رکھتے اور جو افراد ان عظیم نعمتوں کا ادراک رکھتے ہیں، ان میں سے بھی اکثر ان بیش بہا تحفوں اور نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں۔ کسی تحفے کے لیے شکریہ ادا نہ کرنا انتہائی بداخلاقی کی بات ہے اور اگر یہ تحفے بیش بہا، انمول اور ہماری زندگی کے لیے ناگزیر ہوں اور انہیں عطا کرنے والا کوئی عام دوست یا ساتھی نہ ہو بلکہ یہ تحائف رب کائنات اللہ جل شانہ کے دربار سے عطا کیے گئے ہوں تو ان کا شکریہ ادا نہ کرنا، بادشاہوں کے بادشاہ، اللہ رب العالمین کی ناقدری کرنے کے ذیل میں شمار ہوگا۔ اسی لیے تو سورۂ الزمر میں مالک کا ارشاد ہے ''ان لوگوں نے اللہ کی ویسی قدر کی نہیں جیسی انہیں کرنا چاہیے تھی۔''

عالم اصغر، عالم اکبر:

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جسم کے عالم اصغر میں ایک عالم اکبر پوشیدہ ہے تو آیئے آج جدید سائنسی تحقیق کی مدد سے اس عالم اکبر کے چند حصوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ خود شناسی سے خدا شناسی تک کا ایک تحیر خیز سفر ہے۔

اگرچہ سائنس ابھی عالم اکبر کے اس بحرِ بے کراں کی صرف موجوں تک ہی رسائی حاصل کر سکی ہے لیکن یہ سطحی نظارہ بھی انسان کو بے اختیار ''فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین'' کہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اب ایک سرسری سی نظر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان نعمتوں پر ڈالتے ہیں جو ہمارے جسم

کے اندر موجود ہیں اور زمین وآسمان میں موجود مالکِ کائنات کی تمام مادّی نعمتوں کو ہمارے لیے قابل استفادہ بناتی ہیں۔ آیئے اس سفر کا آغاز اللہ کی اسی نعمت کے مشاہدے سے کرتے ہیں جس کی مدد سے میں لکھ رہا ہوں اور جس کے ذریعے آپ یہ سطور پڑھ رہے ہیں۔

آنکھیں:

آنکھوں کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ ان کی قدر و قیمت کسی پیدائشی نابینا شخص سے بھی نہیں پوچھی جا سکتی۔ ان کی اہمیت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جو آنکھیں رکھتا ہو اور بعد میں کسی سبب سے نابینا ہو گیا ہو۔

ماہرین نے جب انسانی آنکھ کے مختلف حصوں کو الیکٹران مائکرواسکوپ سے دیکھا تو قدرت کے اس ''روشن معجزے'' کو دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، انہوں نے دیکھا کہ صرف ایک آنکھ کے اعصاب میں کروڑوں حساس الیکٹریکل کنکشن موجود ہیں جو روشنی کے پندرہ لاکھ پیغامات کو بہ یک وقت باہر کی دنیا سے وصول کر کے دماغ تک پہنچا سکتے ہیں۔ آنکھ کا عقبی پردہ جسے ریٹینا (RETINA) کہا جاتا ہے، اس کا سائز ایک اسکوائر انچ سے بھی کم ہے لیکن اس مختصر سی جگہ میں روشنی کے پیغامات کو محسوس کرنے والے تیرہ کروڑ ستر لاکھ خلیے (CELL) کام کرتے ہیں۔ ان میں سے تیرہ کروڑ خلیے راڈ (ROD) کی شکل کے ہوتے ہیں اور یہ سیاہ اور سفید رنگوں سے منعکس ہونے والی روشنی کو محسوس کرتے ہیں۔ جب کہ ستر لاکھ خلیے کون (CONE) کی شکل کے ہوتے ہیں اور یہ بنیادی تین رنگوں اور ان رنگوں کے امتزاج سے بننے والے کروڑوں رنگوں سے منعکس ہونے والی روشنی کے پیغامات کو وصول کر کے دماغ تک پہنچاتے ہیں۔

دیکھنے کا عمل:

رات کے اندھیرے میں جیسے ہی ایک جگنو چمکتا ہے تو دیکھنے والے کی آنکھوں کے اندر فوراً ایک پیچیدہ برقی کیمیائی ELECTRO CHEMICAL عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس عمل میں دونوں آنکھوں کے چھبیس کروڑ راڈ (ROD) کی شکل کے خلیے حصہ لیتے ہیں۔ جگنو کی مدھم سی

روشنی کو محسوس کر کے یہ خلیے اپنے اندر کیمیائی تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں۔اس کیمیائی عمل کے نتیجے میں خلیوں سے ایک بہت ہلکی (وولٹ کا کئی کروڑواں حصہ) برقی رَو پیدا ہوتی ہے۔ یہ برقی رو آنکھ اور دماغ کے درمیان موجود آپٹک نرو (OPTIC NERVE) میں سرایت کر جاتی ہے۔

آپٹک نرو اس برقی سگنل کو تین سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے دماغ تک پہنچا دیتی ہے۔دماغ اس سگنل کو ڈی کوڈ کرنے کے بعد اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے کہ نظر آنے والی شے ایک جگنو ہے۔اس کے ساتھ ہی جگنو سے متعلق پہلے سے حاصل شدہ معلومات بھی آپ کے ذہن میں آ جاتی ہیں۔حیران کن بات یہ ہے کہ یہ پیچیدہ برقی کیمیائی (ELECTRO CHEMICAL) عمل ایک سیکنڈ کے 002. ویں حصے میں مکمل ہو جاتا ہے۔

حفاظت کے انتظامات:

ہماری آنکھیں ہر وقت ایک مخصوص سیال مادے لائی سوزائم (LYSOZYME) میں تیرتی رہتی ہیں۔جتنی بار ہم پلکیں جھپکتے ہیں، آنکھوں کے پپوٹے، کار کے وائی پرز کی طرح آنکھوں کو صاف کرتے رہتے ہیں۔آنکھ کی طرف کوئی معمولی سی شے بھی آ رہی ہوتی ہے تو ہماری پلکیں ایک خود کار نظام کے تحت پہلے ہی بند ہو جاتی ہیں۔ بہت ہی باریک مٹی کے اجزاء یا مختلف جراثیم جو آنکھ کے بیرونی حصے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔آنکھوں میں موجود اینٹی سپٹک سیال مادہ لائی سوزائم (LYSOZYEME) فوراً ہی ان کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

اب آپ بتائیے کیا پیدا ہوتے وقت ہمیں یہ معلوم تھا کہ پانی کے بلبلے جیسا یہ عضو ہمارے کس کس کام آئے گا۔ پھر معلوم ہوتا بھی تو اس وقت ہم میں اتنا شعور کہاں تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے خواہش کرتے۔

آخرت کی نعمتوں کا حصول:

ہمیں دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے آنکھ کی قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ تو دنیا میں آ کر ہمیں معلوم ہوا کہ آنکھیں نہ ہوتیں تو دنیا ہمارے لیے تاریک ہوتی۔اسی طرح آپ غور

کریں تو ہماری آخرت کا معاملہ ہے۔ آج ہمیں نہیں معلوم کہ آخرت کی زندگی میں ہمیں کن کن نعمتوں کی ضرورت ہوگی اور یہ نعمتیں ہمیں ہمارے کن کن اعمال کے بدلے میں ملیں گی یا کن کن اعمال کے سبب چھنیں گی۔ احادیث میں یہ اشارہ موجود ہے کہ ہمارے اعمال ہی ہمیں واپس کر دیے جائیں گے۔ دنیا کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مفت اور بلا شرط عطا کی ہیں۔ البتہ آخرت کی نعمتیں حاصل کرنا یا نہ کرنا ہمارے دنیا کے اعمال سے وابستہ ہے۔

جسم کے اندر کیمیکل پلانٹ:

کیمیادانوں کے نزدیک سارا انسان ہی مختلف کیمیکلز سے بنا ہے۔ جسم کے اندر لاکھوں کروڑوں کیمیائی معجزے ہر لمحہ رونما ہوتے ہیں اور اس کام میں گردے بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ایک عام آدمی گُردوں کو اپنے جسم کے ڈرینج سسٹم (نکاسی کے نظام) کا ایک حصہ سمجھتا ہے حالاں کہ گردے انسانی جسم میں وہی کردار ادا کرتے ہیں جو کردار بہت بڑے کیمیکل پلانٹ کی نگرانی کرنے والا چیف کیمسٹ سرانجام دیتا ہے۔ انسانی جسم کا تمام خون مستقل دونوں گردوں سے گزرتا رہتا ہے۔ گردے خون کو صاف کر کے اس میں موجود تمام زہریلے مادوں کو الگ کرتے ہیں اور انہیں پیشاب کے ذریعے باہر نکال دیتے ہیں۔ اس طرح اگر خون میں پانی کی مقدار بڑھ جائے تو سرخ خلیوں کی کارکردگی ختم ہو جائے اور اگر پانی کی مقدار کم ہو جائے تو یہ خلیے فوراً ہی خشک اور بے جان ہو جائیں۔ گردے آب رسانی و نکاسی کے اس انتہائی اہم اور حساس نظام کی مانیٹرنگ اور کنٹرول کے ذمے دار ہوتے ہیں۔

پانچ پانچ اونس کی مشینیں:

ایک گردے کا وزن صرف پانچ اونس ہوتا ہے اور اس کے اندر خون صاف کرنے والے دس لاکھ سے زیادہ یونٹس (NEPHRONS) موجود ہوتے ہیں۔ یہ باریک اور نازک نسیں ہوتی ہیں۔ اگر ایک گردے کی ان تمام نسوں کو سیدھا کر کے ایک لائن میں رکھا جائے تو ان کی لمبائی ستر میل سے زیادہ ہوگی۔ دونوں گردے مل کر ہر ایک گھنٹے میں جسم کے تمام خون کو دو مرتبہ مکمل طریقے

پر صاف کر چکے ہوتے ہیں۔ یعنی ہمارا خون، تطہیر خون کے اس دس اونس ''وزنی پلانٹ'' سے ایک دن میں اڑتالیس مرتبہ گزرتا ہے۔ خون کی صفائی کے دوران خون کے سرخ خلیے' حیاتین' وٹامنز' امائنو ایسڈز' گلوکوز اور ہارمونز وغیرہ ایک پراسرار اور نازک نظام سے گزر کر دوبارہ دوران خون میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد بھی جسم کی ضروریات سے زیادہ ہو تو گردے انہیں پیشاب کے ذریعے باہر نکال دیتے ہیں۔ اس عرصے میں ہم دنیا بھر کے اچھے بُرے کام کرتے ہیں اور ہمیں شاید ہی کبھی اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا احساس ہوتا ہو۔

گردے کے مریضوں کو تطہیر خون کے لیے بار بار اسپتال جانا پڑتا ہے۔ مصنوعی طریقے سے خون کی صفائی کے لیے مریض کو کم از کم چار سے چھ گھنٹے بیڈ پر گزارنا پڑتے ہیں جہاں ڈائی لائی سز کا ایک بہت بڑا یونٹ یہ کام سرانجام دیتا ہے۔ اس دوران پیش آنے والی مشکلات، خطرات اور اخراجات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ پانچ پانچ اونس کی جو ڈائی لائی سز مشینیں ہمارے جسم میں لگی ہیں ان کا کبھی ہمیں خیال ہی نہیں آتا۔

ناک' سانس لینے اور خوشبو یا بدبو کو محسوس کرنے کا ذریعہ:

ہر انسان کی ناک ہی اس کے سانسوں کو برقرار رکھتی ہے۔ زندگی بھر جو اشیاء ہمارے معدے میں جاتی ہیں انہیں ناک ہی سب سے پہلے چیک کرتی ہے اگر ناک یہ خدمات سرانجام نہ دے تو ہمیں معلوم ہی نہ ہو کہ ہم متعفن کھانا اور بساند بھرا پانی استعمال کر رہے ہیں۔ آپ کے کھانے کے سارے مزے اور ساری لذتیں ناک ہی کی وجہ سے قائم ہیں۔

ناک کے دونوں نتھنوں کے اوپری حصے میں لگا ہوا ایک پراسرار نظام خوشبو یا بدبو کو آپ کے دماغ تک پہنچاتا ہے۔ اس خوشبو کو محسوس کرنے کے بعد ہی آپ کے نظام ہضم میں وہ مادّہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے غذا کھانا آپ کے لیے خوشگوار اور اسے ہضم کرنا ممکن ہوتا ہے۔ خوشبو محسوس کرنے والے یہ پیچیدہ اور نایاب آلات بہ مشکل ڈاک کے چھوٹے سے ٹکٹ کے برابر ہیں۔ زردی مائل کتھئی رنگ کے یہ ٹیشوز قدرت کی صناعی اور قوت ایجاد و تخلیق کا عظیم شاہکار ہیں۔

ہر ٹیشو میں تقریباً ایک کروڑ خلیے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر خلیے میں چھ سے آٹھ ننھے منے خرد بینی بال ہوتے ہیں۔ یہ بال خوشبو یا بدبو کی لہروں کو وصول کرنے والے اینٹینا کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ مثلاً کھانے کے وقت سے پہلے کھانے کی خوشبو جیسے ہی ناک کے ان حساس آلات کے ذریعے دماغ تک پہنچتی ہے تو دماغ کا وہ مخصوص حصہ فوری طور پر ہاضمے کی رطوبت پیدا کرنے والے غدود کو احکامات جاری کرتا ہے کہ کھانا نگلنے اور ہاضمے میں مدد دینے والی رطوبت کی پیداوار شروع کردی جائے۔ یہ رطوبت سیکنڈوں کے اندر آپ کے منہ' زبان' غذا کی پوری گزرگاہ اور معدے تک پھیل جاتی ہے۔ زکام یا کسی بیماری کے سبب جب ناک کے یہ ''آلات'' کام کرنا بند کردیتے ہیں تو غذا عام طور پر بے مزہ ہوجاتی ہے۔

ناک کے بغیر ہم صحیح طرح بول نہیں سکتے:

بہ ظاہر تو ہم منہ سے بولتے ہیں لیکن ناک کے بغیر صحیح طرح بولنے کا تصور بھی ممکن نہیں۔ سانس لینے کے عمل کو زندگی بخش بنانے کے لیے بھی ناک کی خدمات کا آپ شاید ہی تصور کرسکیں۔ پھیپھڑوں کو مسلسل صاف، گرم اور مرطوب ہوا کی فراہمی ناک ہی کے ذریعے ممکن ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لیے ناک ایک دن میں پانچ سو کیوبک فٹ ہوا کو صاف، گرم اور مرطوب بناتی ہے۔ آپ سیاچن گلیشیئر کی سرد اور خشک ہواؤں میں کھڑے ہوں یا لیبیا کے آگ برساتے صحرا میں، ناک ہر جگہ آپ کے پھیپھڑوں کے لیے مخصوص ٹمپریچر کی مرطوب اور صاف ستھری ہوا کی فراہمی کو یقینی بناتی ہے۔

ناک کا اندرونی نظام:

ہوا کو مرطوب بنانے کے لیے ناک کی اندرونی جھلی ایک دن میں تقریباً ایک چوتھائی گیلن کے برابر نمی خود تیار کرتی ہے۔ سانسوں کو گرم کرنے کے لیے ناک کی تین اندرونی ہڈیاں ریڈی ایٹرز کا کام کرتی ہیں۔ سانسوں کو آلودگی سے صاف کرنا نتھنوں میں موجود نازک بالوں (CELIA) اور ایک مخصوص رطوبت کا کام ہے۔ ناک کے اندر رطوبت کی یہ تہہ ہر بیس منٹ کے بعد تبدیل ہوجاتی

ہے۔آلودگی کوکنٹرول کرنے کے لیے پرانی والی تہہ کوسیلیاCELIA نامی مائکروا سکوپک نظام حلق میں گراتا رہتا ہے جہاں سے یہ آلودگی معدے میں چلی جاتی ہے۔معدے کے تیزابی مادے اس گندگی کومنٹوں میں جلاکرفنا کردیتے ہیں۔سردیوں کے موسم میں ناک کی رطوبت سوکھ جاتی ہے اسی لیے جراثیم کسی رکاوٹ کے بغیر سانس کی نالیوں تک پہنچتے ہیں اور بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔

بے سدھ سوتے ہوئے کروٹ:

ناک ہی میں وہ مخصوص اعصاب بھی کام کرتے ہیں جو رات کو بے سدھ سوتے ہوئے انسانوں کو کروٹ دلاتے ہیں۔ایک ہی کروٹ سوتے سوتے جب آپ کو دو گھنٹے گزر جاتے ہیں تو ناک کے یہ اعصاب جسم کے اس جانب خون کی کمی کو محسوس کر کے اس کی اطلاع دماغ کو فراہم کرتے ہیں۔ان اطلاعات کے موصول ہونے پر دماغ جسم کے متعلقہ پٹھوں کو احکامات جاری کرتا ہے اور آپ کروٹ بدل لیتے ہیں۔اگر یہ نظام کام نہ کرے تو ایک ہی کروٹ سوتے سوتے آپ کے جسم کا وہ حصہ سن ہو کر رہ جائے اور صبح کے وقت آپ شاید ہی دفتر جانے کے قابل ہو سکیں۔

ناک اللہ رب العالمین کا عظیم اور حیران کر دینے والا معجزہ ہے جو آخری سانس تک انسان کے لیے مفت خدمات سرانجام دیتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ زندگی بھر جو خدمات ہماری ناک ہمارے لیے بالکل مفت انجام دیتی ہے ان میں سے کوئی معمولی خدمت بھی اس معیار کے مطابق دنیا کے سارے ڈاکٹر، ماہرین اور آلات، لاکھوں روپے کے عوض ہمیں فراہم نہیں کر سکتے۔

دماغ، جسم کا سربراہ:

ہمارا دماغ اللہ رب العالمین کی حیران کن تخلیق ہے۔تین پونڈ وزنی، لیس دار، چپ چپے، سفید اور سلیٹی رنگ کے اس ٹیشو کے آگے دنیا کے تمام عجوبے اور تمام سپر کمپیوٹرز ایک معمولی کھلونے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔سائنس ابھی تک اس بے کراں سمندر کی سطح ہی کو کہیں کہیں سے چھو سکی ہے۔دماغ کے ''پرزوں'' کی تعداد ہی انسانی عقل کو ششدر کر دینے کے لیے کافی ہے۔اس کے نیورانز(NEURONS) کی تعداد تقریباً تیس (کھرب) اور دماغ کے مخصوص خلیوں

(GLIAL CELLS) کی تعداد اس سے پانچ تا دس گنا زیادہ ہے۔ یہ ناقابل شمار تعداد تقریباً ساتھ انچ کی انسانی کھوپڑی میں آرام سے رہتی ہے۔ اسی کو انسانی دماغ کہا جاتا ہے۔

انسانی شخصیت، عمل ردعمل، پسند ناپسند، صلاحیتیں، اچھائیاں، برائیاں، سوچ، فکر، فیصلے، ارادے، خواب، جسم کے تمام نظاموں کی کارکردگی، یہ سب دماغ ہی کی بدولت ممکن ہے۔ دماغ ایک پُراسرار حویلی ہے جس میں آپ کے خاندان، ماحول اور آپ کی زندگی ایک ایک لمحے اور ایک ایک تجربے کی خوش کن، یا افسردہ کر دینے والی یادیں محفوظ رہتی ہیں۔ یادوں، باتوں، چہروں، خوشیوں، غموں، خوشبوؤں، نت نئے تجربوں اور گزرے وقت کے ایک ایک لمحے کے عکس اور آوازیں یہاں موجود رہتی ہیں۔

پہلی سانس سے آخری سانس تک معلومات کا ٹریفک:

بچہ دنیا میں آنے کے بعد جو پہلی آواز سنتا ہے اور جو کچھ دیکھ سکتا ہے وہاں سے معلومات جمع ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ پھر زندگی کا کوئی لمحہ کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی کہ آپ کی آنکھوں، کانوں، قوت لامسہ، قوت ذائقہ اور قوت شامہ کے ذریعے ہزاروں لاکھوں معلومات دماغ تک نہ پہنچ رہی ہوں۔ آپ جاگ رہے ہوں یا سو رہے ہوں اطلاعات و معلومات کا یہ ٹریفک ہر لمحے رواں دواں رہتا ہے۔ دماغ ان بہ یک وقت موصول ہونے والی نت نئی معلومات کو بڑی احتیاط کے ساتھ محفوظ کرتا رہتا ہے۔

آپ معلومات کے اس ذخیرے سے اکثر واقف نہیں ہوتے لیکن معلومات کا یہ ذخیرہ ہی آپ کی زندگی کو رواں دواں رکھتا ہے۔ ورنہ آپ بار بار گرم پتیلی کو چھوتے، بار بار پھسل کر گرتے، بار بار پڑھتے اور بھول جاتے، بار بار گاڑی چلانا سیکھتے اور بھول جایا کرتے۔

یادداشت کی یہ عظیم نعمت نہ ہوتی تو انسان نہ کچھ سیکھ سکتا، نہ پڑھ سکتا نہ کوئی کام کرسکتا، حتیٰ کہ دو قدم چلنا اور چند نوالے حلق سے اتارنا بھی اس کے لیے عذاب ہو جاتا۔ نہ اسے رشتے یاد رہتے نہ چہرے۔

بیرونی دنیا سے تازہ ترین معلومات:

سوتے یا جاگتے ہوئے جسم کے اندرونی نظام کی کارکردگی، بیرونی ماحول، درجۂ حرارت' آکسیجن کی مقدار' بستر کی نرمی یا سختی' روشنی کی مقدار' یہ معلومات دماغ ہی حاصل کرتا ہے اور ہر لمحے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق جسم کو مختلف احکامات جاری کرتا رہتا ہے۔

مثلاً آپ دوڑ رہے ہوں تو جسم میں موجود اطلاعاتی مراکز دماغ کو یہ اطلاع فراہم کرتے ہیں کہ خون میں کاربن ڈائی آکسائڈ کا تناسب بڑھ رہا ہے اور خون کو زیادہ مقدار میں آکسیجن درکار ہے۔

ان اطلاعات کے موصول ہوتے ہی دماغ اپنے پُر اَسرار کیمیونی کیشن سسٹم اور متعلقہ اعضا اور غدود کے ذریعے آپ کے پھیپھڑوں کو پھیلنے اور سکڑنے کی نئی رفتار پر سیٹ کر دیتا ہے اور ساتھ ہی وہ ان اعضاء کو نئی رفتار سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اضافی توانائی کی فراہمی کو بھی یقینی بناتا ہے۔ آپ تیز تیز سانس لینے لگتے ہیں اور آکسیجن کی کمی دور ہو جاتی ہے۔

جسم کے دوسرے حصوں کی طرح دماغ کے خلیے اپنی تعداد میں اضافہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اگر یہ خلیے اپنی تعداد بڑھانا شروع کر دیں تو انسان چند گھنٹوں یا چند دنوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا اس لیے کہ دماغ کے خلیے ایک مضبوط ہڈی میں بند ہوتے ہیں۔ تعداد بڑھنے کی صورت میں اندر گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے دماغ کی ''نازک تنصیبات'' پچک کر رہ جائیں اور زندگی کا تمام نظم ونسق تباہ ہو جائے۔

انسان ہمیشہ رہنے والی دنیا میں پیدا ہو جاتا ہے:

دماغ کے اندر اللہ احسن الخالقین نے خلیوں کی اتنی اضافی تعداد پیدا کی ہے کہ اگر روزانہ ہزار دو ہزار خلیے مرتے رہیں تب بھی انسان کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اضافی خلیے تیزی سے فنا ہو جانے والے خلیوں کی ڈیوٹی سنبھالتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے انسان کو ان واقعات کا علم تک نہیں ہو پاتا۔ شدید دماغی چوٹ کے نتیجے میں دماغ کی حفاظتی جھلی میں ورم بھی آ سکتا ہے لیکن

دماغ میں سوچنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

ورم کی صورت میں دماغ کے مختلف حصوں پر دباؤ بڑھنے لگتا ہے اور بڑے پیمانے پر ٹوٹ پھوٹ شروع ہو جاتی ہے۔نادر و نایاب تنصیبات ایک ایک کر کے تباہ ہونے لگتی ہیں۔مواصلاتی نظام ''درہم برہم'' ہو جاتا ہے۔زندگی کے تانے بانے ٹوٹنے لگتے ہیں۔یادداشت کے عظیم ذخیرے ضائع ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔''فائلیں'' کرپٹ ہو جاتی ہیں''ونڈوز'' کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔کبھی ایک طرف تاریکی چھا جاتی ہے تو کبھی دوسری طرف۔پھر مکمل بلیک آؤٹ ہو جاتا ہے۔

تب انسان کائنات کی اس سب سے بڑی حقیقت کا سامنا کرتا ہے جس کے بارے میں اس نے صحت و تندرستی کے عالم میں کبھی سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں تھا۔اس کی روح جسم کے ایک ایک سوئچ کو آف کر کے اپنی اصل دنیا کی طرف لوٹ جاتی ہے اور انسان ہمیشہ رہنے والی دنیا میں پیدا ہو جاتا ہے۔

ایڈرینل گلینڈز:

اینڈرینل گلینڈز (غدود) دونوں گردوں کے اوپر پائے جاتے ہیں۔ان دونوں غدود کی جسامت بہ مشکل انگلی کے سرے کے برابر ہوتی ہے۔ان مختصر سے غدود میں اللہ رب العالمین نے حیرت ناک اور بے حد حیات آفرین خصوصیات پیدا کی ہیں۔اینڈرینل گلینڈز پچاس ایسے ہارمونز تیار کرتے ہیں جو انسانی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں۔ان ہارمونز کو اگر کوئی ادارہ مصنوعی طور پر تیار کرنا چاہے تو اس مقصد کے لیے اسے کئی ایکڑ زمین پر بہت بڑا پلانٹ لگانا ہوگا اور اسٹاف، ماہرین اور آلات کی لمبی فہرست تیار کرنا ہوگی۔

دس سال کا بچہ ادھیڑ عمر بونے میں تبدیل ہوسکتا ہے:

ایک انگلی کے سرے کے برابر جسامت رکھنے والے اینڈرینل گلینڈز جو ہارمونز تیار کرتے ہیں ان کی مقدار ایک دن میں ایک اونس کے برابر ہوتی ہے لیکن انسان کی زندگی کے کم و بیش تمام کاموں کی انجام دہی ان کے بغیر ناممکن ہے۔اگر اینڈرینل گلینڈز کام کرنا بند کر دیں تو انسان کی

منزل قبرستان ہی رہ جاتی ہے۔کسی شخص کے بچپن میں اینڈ رینل گلینڈز کی کارکردگی معمول سے تجاوز کر جائے تو دس سالہ معصوم بچہ اس عمر میں ایک بالغ انسان میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ایسی صورت میں دس سال کی عمر میں اس کے رخسار داڑھی مونچھوں سے بھر جائیں گے' مزید جسمانی نشونما کی صلاحیتیں ختم ہو جائیں گی اور معصوم بچہ ایک بدصورت بونے میں تبدیل ہو جائے گا۔ اینڈ رینل گلینڈز کا صرف ایک ہارمون ایسا ہے جو کم از کم سو بیماریوں کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔کارٹی زون نامی یہ ہارمون ہی آپ کو دمے' بڑی آنت کے السر اور گٹھیا جیسی اذیت ناک بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

اینڈ رینل گلینڈز ایک اور اہم ہارمون ایلڈوسٹی رون بھی تیار کرتے ہیں۔یہ ہارمون جسم میں پانی اور معدنیات کے توازن کو برقرار رکھتا ہے۔اس ہارمون کی سپلائی میں اگر پن کے سر کے برابر بھی اضافہ ہو جائے تو ایک اہم معدنی جز پوٹاشیم پیشاب کے ذریعے ضائع ہونا شروع ہو جاتا ہے اور نمکیات خارج ہونے کی بجائے جسم میں جمع ہونے لگتی ہیں۔اگر ایسا ہو جائے تو بلڈ پریشر ناقابل حد تک بڑھ سکتا ہے۔دل کے دھڑکنے کی رفتار کئی گنا تیز ہو جاتی ہے' سر کا درد مستقل اور ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔اس کے نتیجے میں جسم کا کوئی حصہ مفلوج بھی ہوسکتا ہے۔

دل کی باتیں:

دل کا وزن تقریباً بارہ اونس اور رنگ سرخی مائل کتھئی ہوتا ہے۔یہ آپ کے سینے کی مضبوط ہڈیوں کے قلعے میں مخصوص جھلیوں کی مدد سے لٹکا ہوا ہے۔اس کے دونوں جانب پھیپھڑے واقع ہیں۔ہر انسان کا دل تقریباً اس کی مٹھی کے برابر ہوتا ہے۔چار خانوں پر مشتمل یہ پمپنگ مشین چوبیس گھنٹے آپ کو آب حیات فراہم کرتی ہے۔دائیں حصے کے نصف بالائی خانے میں جسم کا استعمال شدہ گندہ خون آ کر جمع ہوتا ہے اور اسی سمت کے نچلے حصے میں چلا جاتا ہے۔یہ نچلا حصہ اس خون کو فوراً قریب ہی موجود پھیپھڑوں کی طرف روانہ کر دیتا ہے۔پھیپھڑوں سے یہ خون صاف ہو کر دائیں حصے میں آ جاتا ہے۔بائیں حصے کا نچلا خانہ اس آب حیات کو دوبارہ جسم میں پمپ کر دیتا ہے۔

تین لاکھ ٹن صاف خون:

بہ ظاہر بہت آسان اور سادہ سی بات لگتی ہے لیکن در حقیقت یہ انتہائی پیچیدہ کام ہے۔ یہ عمل ایک دن میں تقریباً ایک لاکھ چھتیس ہزار مرتبہ دہرایا جاتا ہے۔ اگر آپ اس وقت پینتالیس سال کے ہیں تو آپ کا دل اب تک تقریباً تین لاکھ ٹن صاف کیا ہوا زندگی بخش خون آپ کے جسم کو فراہم کر چکا ہے۔ اگر اس عرصے میں دل کی دھڑکن ایک منٹ کے لیے بھی رک جاتی تو اس وقت میں عالم برزخ میں ہوتا لیکن مجھے تو اکثر یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ میرا دل دھڑک رہا ہے، شکر ادا کرنا تو بڑی دور کی بات ہے۔

پیچوٹری گلینڈ:

اللہ رب العالمین کا یہ حیران کن معجزہ آپ کے دماغ کے اندر موجود ہے۔ جسم کی عظیم مملکت کے زیادہ تر نظاموں کو رواں دواں رکھنا اسی کی ذمے داری ہے۔ جسم کے ان پُراسرار و پیچیدہ نظاموں کو کنٹرول کرنا آسان کام نہیں۔ اگر انسان اللہ کے اس معجزے کا متبادل تیار کرنا چاہے تو اس کے لیے ماہرین کی ایک بڑی ٹیم، پندرہ ایکڑ زمین پر کارخانوں کی تعمیر، بے شمار آلات، لاتعداد کیمیکلز اور دواؤں کی ضرورت ہوگی اس اہتمام کے ساتھ کہ یہ تمام سہولتیں انسان کو ساری زندگی ہر لمحے دستیاب رہیں۔ احسن الخالقین کا شاہکار یہ غدود بہ مشکل مٹر کے دانے کی سی جسامت کا حامل ہوتا ہے۔ اس کا وزن ایک اونس کے پچاسویں حصے کے برابر اور اس کا وجود پچاسی فی صد پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ غدود آپ کے دماغ کے تقریباً درمیان، سجدے کے مقام کی لائن میں واقع ہے۔

ایک عرصے تک سائنس دان اس غدود کی اہمیت وافادیت سے لاعلم رہے۔ کیونکہ یہ غدود جو ہارمونز جاری کرتا ہے ان کی مقدار اتنی قلیل ہوتی ہے کہ بعد میں ایجاد ہونے والے آلات کے بغیر انہیں دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ یہ غدود جسم کے تمام افعال کو برقرار رکھنے کے لیے ایک دن میں جو ہارمونز جاری کرتا ہے ان کی کل مقدار ایک گرام کے دس لاکھویں حصے کے برابر ہوتی ہے۔

12 ہارمون زندگی سنوار بھی سکتے ہیں، بگاڑ بھی سکتے ہیں:

اس غدود کو ماسٹر گلینڈ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ جسم کے تمام غدود اسی کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔انسان کی پوری زندگی کو کنٹرول کرنے کے لیے قدرت نے اس غدود میں آٹھ پراسرار ہار مونز بنانے کی صلاحیت عطا کی ہے۔یہ آٹھ ہارمونز بچے کی پیدائش، جسم کی نگہداشت، نئی کھال کی فراہمی، جنسی معاملات مختلف اعضاء کی مناسب نشونما، ہڈیوں کی تیاری، دل کی دھڑکن، پھیپھڑوں کی کارکردگی، دوران خون، بیماریوں سے بچاؤ، گردوں کی کارکردگی، غرض تمام پراسرار و پیچیدہ کاموں کو معمول کے مطابق سرانجام دینے میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ان میں سے دو ہارمونز وقت پیچوٹری گلینڈ میں تیار حالت میں رہتے ہیں جبکہ باقی چھ ہارمونز وقت ضرورت سیکنڈوں میں تیار ہو کر ہدف تک پہنچ جاتے ہیں۔ان کے علاوہ چار ہارمون دماغ کے ایک اور حصے ہائی پوتھیلی مَس سے تیار ہو کر اس غدود میں آتے ہیں۔اس طرح یہ کل 12 ہارمون ہوتے ہیں جو اس گلینڈ سے خارج ہوتے ہیں۔

ان ہارمونز کی مقدار میں ذرا سی کمی بیشی بڑے مسائل پیدا کر سکتی ہے۔مثلاً ان کی مقدار میں اضافہ، انسان کو چند ہی دنوں میں کسی حیوان کی صورت میں مسخ کر سکتا ہے۔ایسی صورت میں انسان کے ہاتھوں، پیروں اور جبڑے کی ہڈیاں غیر معمولی طور پر بڑھنا شروع ہو جاتی ہیں۔جبڑا کسی درندے کے جبڑے سے مشابہ ہو سکتا ہے۔

> ”اور اگر ہم چاہیں تو جہاں یہ ہیں (وہیں) ان کی صورتیں بدل (کر انہیں مٹی پتھر کر) دیں“۔پھر نہ ان میں آگے جانے کا قابو رہے گا اور نہ (یہ گھر) لوٹ سکیں۔“ (سورہ یٰس: آیت ٦٧)

ان حادثات کے امکانات ہر وقت موجود رہتے ہیں لیکن اللہ رب، کریم نے پیچوٹری گلینڈ کے اندر ایک نادیدہ خودکار نظام پیدا کیا ہے جو اس طرح کے ممکنہ حادثات کو کنٹرول کرتا ہے۔یہ خودکار نظام کس طرح اور کہاں سے کنٹرول کیا جاتا ہے اس کے بارے میں سائنس ابھی کچھ جاننے سے قاصر ہے۔

ہائی پوتھیلیمس گلینڈ:

آپ کے لیے اللہ رب العالمین کا یہ انمول تحفہ، اس کی شان خلاقیت کا یہ انوکھا عجوبہ جس کا سائز ایک چھوٹے ٹماٹر کے برابر ہے، آپ کے دماغ میں سر کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ اسے آپ جسم کا مرکزی کنٹرول روم بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کی سب سے اہم ذمے داری آپ کے جسم کے اندر توازن واعتدال کو قائم رکھنا ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ غدود آپ کی پیدائش سے بھی پہلے سے چوبیس گھنٹے آن ڈیوٹی رہتا ہے۔

سائنس ابھی تک اس غدود کی مکمل کارکردگی جاننے میں ناکام ہے۔ اس غدود ہی کی وجہ سے آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھوکے ہیں، آپ کو پیاس لگ رہی ہے آپ سردی محسوس کر رہے ہیں، آپ کے اردگرد کی فضا گرم ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ جب آپ کو غصہ آئے، صدمے سے دوچار ہوں، خوشی محسوس کریں، افسوس ناک خبر سنیں یا آپ پر خوف طاری ہو تو ایسے تمام مواقع پر آپ کا عمل اور ردِّ عمل اور اس کی صلاحیت کی فراہمی اس غدود ہی کے ذریعے ممکن ہوتی ہے۔ غذا کو جزو بدن بنانے کا نظام، ہارمونز کا نظام، جسم کی نشو نما، جنس اور اعضائے تولید کے معاملات، جسم کے درجہ حرارت کا کنٹرول، اس غدود کی مدد کے بغیر جسم کے یہ سارے زندگی بخش، حیات آفریں پُراَسرار و پیچیدہ نظام کام نہیں کر سکتے۔

غذائیں بے ذائقہ ہو جاتیں:

آپ روزانہ کھانا کھاتے ہیں لیکن اگر یہ غدود کام کرنا بند کر دے تو لذیذ ترین کھانے آپ کے لیے گھاس پھونس کی طرح بے ذائقہ ہو کر رہ جائیں۔ کھانے کے وقت سے ذرا پہلے جسم کے مختلف حصوں کی جانب سے لمحہ لمحہ ہزاروں اقسام کے سگنلز، تازہ ترین اطلاعات اور بے شمار معلومات اس غدود کے مواصلاتی نظام پر موصول ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

مثلاً گلوکوز کی شکل میں یہ اطلاع آتی ہے کہ خون میں شکر کی مقدار گر رہی ہے۔ دوسری طرف

سے یہ معلومات موصول ہوتی ہیں کہ توانائی کے بحران کے سبب کمزوری اور تھکن کے ہلکے ہلکے اثرات پٹھوں پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔

اس سے پہلے کہ توانائی کا بحران شدت اختیار کرے، ہائی پو تھیلمیس گلینڈ متعلقہ غدود اور اعضا کو اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے ہدایات جاری کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ ہدایات وہ اپنے ایک ہارمون کے ذریعے فراہم کرتا ہے۔ دوران خون کے ذریعے سفر کرتا ہوا یہ ہارمون جسم کی ہزاروں میل لمبی خون کی نالیوں کے ذریعے سیکنڈوں میں تمام اعضاء اور غدود تک پہنچ جاتا ہے اور آپ کو بھوک لگنے لگتی ہے۔

ان ہدایات کے مطابق مختلف اعضاء اور غدود اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ منہ، زبان، گلے، اور غذا کی نالی اور معدے میں کھانے کو ہضم کرنے میں مدد فراہم کرنے والی رطوبت پیدا ہونے لگتی ہے۔ زبان اور منہ کے ذائقہ محسوس کرنے والے ابھاروں کی حساسیت بڑھ جاتی ہے۔ اب گرم روٹی کی سوندھی خوشبو یا سالن کی ہلکی سی مہک سے بھی آپ کے منہ میں پانی بھر آتا ہے اور آپ کھانا کھانے کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں۔

اسی غدود ہی کی وجہ سے آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اب پیٹ بھر گیا، کھانا بند کر دینا چاہیے۔ اگر اس غدود میں خرابی پیدا ہو جائے تو آپ کھاتے کھاتے تھک جائیں لیکن کبھی سیری محسوس نہ کر سکیں یا اس کے برعکس آپ کو بھوک ہی نہ لگے اور ہر طرح کی غذا آپ کے لیے بے کار ہو کر رہ جائے۔

بھوک لگنے اور پیٹ بھرنے کے عمل کے دوران شاید ہی کوئی شخص ہو جو اللہ رب العالمین کی ان نعمتوں کا احساس کرتا ہو جو ان کاموں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جسم کے اندر پیدا کی ہیں۔ انسان تو ان نعمتوں کا بھی شکر ادا نہیں کرتا جو روٹی سالن اور پانی کی شکل میں اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں۔

تھائی رائیڈ گلینڈ:

اللہ رب العالمین کا عطا کردہ یہ نادر و نایاب تحفہ آپ کی سانس کی نالی کے، دونوں جانب نرخرے کی ہڈی کے نیچے موجود ہے۔ اس غدود کا کام جسم کی اس عظیم دنیا (عالم اکبر) کو توانائی

فراہم کرنا ہے۔ یہ توانائی جسم کے سو کھرب خلیوں میں موجود سو ہزار کھرب توانائی گھروں (MITOCHONDRIA) کے ذریعے فراہم کی جاتی ہے۔ تھائی رائیڈ گلینڈ ان سو ہزار کھرب توانائی گھروں کو کنٹرول کرتا ہے۔

مرکزی توانائی گھر:

زندگی کے تمام اعمال وحرکات کے لیے توانائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ حتیٰ کہ خواب دیکھنے کے لیے بھی توانائی کی مخصوص مقدار درکار ہوتی ہے۔

توانائی کی فراہمی کا یہ پیچیدہ و پراسرار کام تھائی رائیڈ ہی کے ذریعے سرانجام پاتا ہے۔ مطلوبہ توانائی فوری طور پر تیار کر کے ٹھیک اسی مقدار میں فراہم کی جاتی ہے جتنی مقدار جہاں درکار ہوتی ہے۔

مثلاً جب آپ چھالیہ یا بادام کو توڑنے کے لیے داڑھوں میں رکھتے ہیں تو داڑھوں کا مواصلاتی نظام توانائی کی ضرورت کا اندازہ کر کے اس کی اطلاع دماغ میں موجود ہائی پوتھیلمیس گلینڈ کو فراہم کرتا ہے۔ ہائی پوتھیلمیس گلینڈ فراہم کی جانے والی توانائی کی مقدار کا تعین کرتا ہے اور پیچوٹری گلینڈ کو سگنلز روانہ کرنا شروع کر دیتا ہے۔

ان سگنلز کو وصول کر کے پیچوٹری گلینڈ فوراً ہی ''تھائی روٹروپن'' نامی ہارمون خون میں شامل کر دیتا ہے۔ یہ ہارمون پلک جھپکنے سے بھی کم مدت میں سیدھا آپ کی گردن پر موجود تھائی رائیڈ گلینڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس حکم کے ملتے ہی تھائی رائیڈ گلینڈ ایک مخصوص ہارمون کے ذریعے جسم کے سو کھرب خلیوں کو یہ احکامات جاری کرتا ہے کہ ہر خلیہ اپنے اپنے ہزار توانائی گھروں کو آن کر دے تاکہ چھالیہ یا بادام توڑنے کے لیے داڑھوں کو مطلوبہ طاقت فراہم کی جا سکے۔ اس کے ساتھ ہی سو ہزار ننھے منے توانائی گھر توانائی کی پیداوار شروع کر دیتے ہیں اور آپ چھالیہ یا بادام کو داڑھ سے دبا کر توڑ لیتے ہیں۔ یہ توانائی اس وقت تک آپ کی داڑھوں، دانتوں اور جبڑے کو ملتی رہتی ہے جب تک چھالیہ باریک ذرّوں میں تبدیل نہ ہو جائے۔

توانائی گھروں کا نیٹ ورک:

آپ کو اس بات کا علم ہی نہیں ہو پاتا کہ بادام یا چھالیہ کو توڑنے کے لیے یہ طاقت مواصلات کے کتنے پیچیدہ نظام اور توانائی گھروں کے کتنے بڑے نیٹ ورک کے ذریعے آپ کو فراہم کی گئی ہے!

آپ تصور ہی نہیں کر سکتے کہ بادام توڑنے کے اس عمل میں کتنے خلیوں، اعضاء، غدود، اعصاب، ہارمونز، کیمیکلز، غذائی اجزا اور صلاحیتوں نے حصہ لیا۔ اگر اس عظیم الشان سلسلے میں سے کوئی ایک بھی اپنے فرائض سے روگردانی کرتا تو بادام یا چھالیہ تو کیا، آپ سونف کے ایک دانے کو بھی دانتوں سے نہیں دبا سکتے تھے۔

جسم کے تمام افعال اور آپ کی تمام حرکات کے لیے توانائی درکار ہوتی ہے۔ یہ توانائی ہر مرتبہ اسی طرح فراہم کی جاتی ہے کہ آپ کو اس کا علم ہی نہیں ہو پاتا۔ مثلاً دل کے دھڑکنے، پھیپھڑوں کے پھولنے، پچکنے، منہ، زبان اور دانتوں کے چلنے، ہاتھ پیروں کی حرکت، پپوٹوں کے کھلنے اور بند ہونے، آنکھ کی پتلی کے پھیلنے اور سکڑنے، حتیٰ کہ کوئی بات سوچنے، غور کرنے، فیصلہ کرنے غرض ہر کام کے لیے توانائی استعمال ہوتی ہے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ ہم ایک منٹ میں کتنی ہزار مرتبہ اللہ رب العالمین کے اس نادر اور نایاب تحفے سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو کیا کبھی ہم اللہ رب العالمین کی ان نعمتوں کا شکر بھی ادا کرتے ہیں؟

ہم کس طرح کے کام کرتے ہیں:

ہم جیسے لوگوں کو تو ان نعمتوں کا احساس تک نہیں ہے شکر ادا کرنا تو بعد کی بات ہے! ہم تو ان سب صلاحیتوں کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ رب العالمین ہمیں یہ تمام نعمتیں عطا کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ یہ نعمتیں تو اس نے اپنے فضل واحسان کی وجہ سے ہمیں مفت اور بے مانگے عطا کی ہیں تاکہ ہمیں آزمائے کہ اتنے احسانات اور اتنی صلاحیتوں کی فراہمی کے بعد ہم ان سے کس طرح کے کام سرانجام دیتے ہیں۔ اس کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں جس نے سب کچھ

دیا...... یا اُس کی مرضی کے مطابق جو ہر وقت ہم سے سب کچھ چھیننے کے چکر میں رہتا ہے۔

مالک کا مال:

یہ تفصیلات بتانے کا مقصد ہرگز آپ کو خوف زدہ کرنا نہیں ہے۔اس کا مقصد دوستوں کو اللہ رب العالمین کی خالقیّت اور ربوبیت اور اس کی چند نعمتوں کی جانب متوجہ کرنا ہے جن میں سے زیادہ تر اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی اللہ نے ہمیں عطا کر دی تھیں اور جن کا شکر یہ ہم میں سے اکثر لوگ دوسری دنیا میں جانے تک ادا نہیں کرتے۔

خودشناسی کے اس سفر میں آپ نے دیکھا کہ ہمارے جسم میں کس طرح ہر لمحے حیران کر دینے والے معجزے نما ہوتے رہتے ہیں جن کے ذریعے ہماری صحت برقرار رہتی ہے۔ہم زندہ رہتے ہیں اور بے شمار خداداد صلاحیتوں کے ساتھ زندہ رہتے ہیں۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کی دعاؤں میں اکثر مقامات پر ہم پڑھتے ہیں کہ اے اللہ کتنی بلاؤں کو تو نے ٹال دیا، کتنی اذیتوں کو تو نے میرے قریب نہ آنے دیا، کتنی ناگہانی مشکلات سے تو نے محفوظ رکھا اور کتنی مصیبتوں کا تو نے رخ موڑ دیا، کتنی ٹھوکروں سے تو نے بچائے رکھا......تو ہم ان بلاؤں، مصیبتوں، تکلیفوں اور مشکلات کا تصور ہی نہیں کر سکتے جو ہمارے جسم کے ایک چھوٹے سے غدود میں معمولی سی خرابی پیدا ہونے کے نتیجے میں ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو گھیر سکتی تھیں۔

یہ اعضاء اللہ کی امانت ہے:

اگر آپ کسی نابینا کو اپنی آنکھیں عطیہ کر دیں، گردے کے جاں بہ لب مریض کو اپنا گردہ مفت دے دیں تو آپ اس سے کم از کم شکر گزاری کی توقع تو ضرور کریں گے حالانکہ نہ آپ آنکھوں کے اصل مالک تھے نہ گردوں کے۔یہ دونوں اعضاء تو آپ کو مفت ملے تھے آپ نے کسی اور کو دے دیے۔

ہمارے یہ سارے اعضاء و جوارح ہمارے پاس اللہ کی امانت اور اسی کی ملکیت ہیں۔وہی ان کا خالق اور مالک بھی ہے۔وہ بلا شرکت غیرے ان پر ملکیت کے تمام تر حقوق بھی رکھتا ہے۔یہ نادر و نایاب اعضاء و جوارح اس نے کسی اور سے مانگ کر ہمیں عطا نہیں کیے......تو ایسے میں کیا

اسے اپنے بندوں سے یہ توقع نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے بندے ان اعضاو جوارح کو استعمال کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کریں یا کم از کم مالک کے مال کو اپنے دشمن یعنی شیطان کے تصرف میں نہ دیں۔

مالک کے گھر کا دروازہ:

آپ یہ بھی تو غور کریں کہ آپ اپنے مالک کا مال اس کے دشمن کو کس قیمت پر پیش کر رہے ہیں۔ اگر کسی انسان کو ان میں سے کسی نعمت کی ضرورت ہوتی ہے تو لوگ اسے اپنا ایک اضافی گردہ بھی لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپے سے کم میں نہیں دیتے۔ جبکہ اپنے دشمن کے لیے ہم مالک کے گھر کا دروازہ کھلا چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ جس نعمت کو جس طرح چاہے اپنے مطلب کے لیے استعمال کرے اور اس کے بدلے میں ہم کیا حاصل کرتے ہیں جہنم کا عذاب اور اس سے بڑھ کر اپنے مہربان مالک کی ناراضگی!

جب کہ مالک کی کشادہ دلی، سخاوت اور فضل و احسان کا حال یہ ہے کہ اس نے تمام نعمتیں ہی مفت عطا نہیں کیں بلکہ ہر نعمت کے درست استعمال پر نا قابل شمار انعامات دینے کا بھی وعدہ کر رکھا ہے اور ہم سب جانتے ہیں اللہ سے زیادہ کس کا وعدہ سچا ہو سکتا ہے!

باب: ۱۳

کھانا......نعمتوں کا مجموعہ

اللہ رب العالمین جو نعمتیں ہمیں بے مانگے عطا کرتا رہتا ہے ان کی اہمیت وافادیت پر نہ ہم غور کرتے ہیں اور نہ ان کا شکر ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ایسی لاتعداد نعمتوں میں سے اس کی ایک نعمت ہے ہمارا تین وقت کا کھانا۔رزق عطا کرنا اللہ کی ذمے داری ہے۔اسی لیے لاکھوں دنیاوی رکاوٹوں کے باوجود یہ رزق بندے تک پہنچتا ہی رہتا ہے۔دنیا کے کئی علاقوں میں بہت سے لوگ اکثر بھوکے بھی سوتے ہیں۔اس کی وجہ زمین پر انسانوں کی (عارضی) اجارہ داری ہے۔

> امیر المومنین علیہ السلام کا قول ہے۔''خداوند عالم نے دولت مندوں کے مال میں فقیروں کا رزق رکھا ہے۔لہٰذا اگر کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے تو اس لیے کہ (دولت مندوں) نے دولت کو سمیٹ لیا ہے اور خدائے بزرگ و برتر اس کا مواخذہ کرنے والا ہے۔'' (کلماتِ قصار۔نہج البلاغہ)

بھوکے سونے والے:

بہر حال یہ بھوکے سونے والے لوگ بھی اللہ کی ربوبیت سے کسی نہ کسی طرح فیضیاب ضرور ہوتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ پیٹ بھر کر کھانا کھانے والوں کے لیے عبرت کا نمونہ بھی بنتے ہیں۔ان ڈھانچے نما انسانوں کو دیکھ کر ہمیں اس کھانے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہونا چاہیے جو ہمیں روزانہ بروقت میز پر سجا ہوا ملتا ہے۔

ہمارا کھانا اللہ کی نعمتوں کا مجموعہ ہے اگر ہم اپنے ایک سادہ سے کھانے میں صرف ایک روٹی کی جزئیات پر بھی غور کرنے بیٹھیں تو اس کے لیے بہت وقت چاہیے۔صرف روٹی کے بارے

میں ایک سرسری سے جائزے سے ہمیں اندازہ ہوگا کہ گندم کے بیج کی دستیابی سے لے کر روٹی کے ہمارے سامنے دستر خوان پر پہنچنے کے درمیان بے شمار دیدہ اور نادیدہ مخلوقات، لاتعداد انسان، مشینیں، مویشی، پرندے، ادارے، اور ذرائع اپنا اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔

مثلاً بیج کی دستیابی، اس کی قوتِ نمو، کسان اور اس کی محنت، زمین کی موجودگی اور مٹی کی زرخیزی، مویشی، زرعی آلات، کھاد، مناسب پانی، دھوپ، ہوا، بیکراں آسمان، زمین کے اندر کھرب ہا کھرب بیکٹیریا، بہت سے کیمیکلز، معدنیات اور گیسیں، کیڑوں اور پرندوں سے بچاؤ کے انتظامات، موسموں کا اعتدال، زمینی راستے، ذرائع نقل و حمل، منڈیاں، آڑھتی، قیمتوں کا نظام، آٹے کی ملیں، مزدور، تھوک فروش، پرچون کی دکانیں اور ہماری قوتِ خرید۔

گیہوں کے دانے سے روٹی تک:

ان تمام مراحل میں بے شمار انسانوں کی محنت، صلاحیت اور جدو جہد شامل ہوتی ہے۔ مثلاً کسان اور اس کے گھر والے، زرعی آلات، کھاد اور دوائیں بنانے والی فیکٹریوں کے کارکن، زرعی تحقیقات سے منسلک سائنس دان، نہروں کے نظام سے متعلق سرکاری ملازمین، فصلوں کی کٹائی کرنے والے مرد عورتیں اور بچے، منڈیوں کے بیوپاری، آڑھتی، ملوں کے مزدور، ٹریکٹروں، ٹرکوں، ریلوں، بیل گاڑیوں کو چلانے والے، پرچون فروش، گھروں کے کمانے والے، ایندھن (گیس) کی فراہمی سے متعلق افراد، درخت لگانے والے، جنگلات کا نیلام کرنے والے، درخت کاٹنے والے، چولھے بنانے والے ہنرمند اور روٹیاں پکانے والے/ والیاں۔

فصلوں پر حفاظتی انتظامات:

دورافتادہ کھیتوں کھلیانوں میں ہمارے حصے کے اس رزق کو بچانے کے لیے کتنے ہی دوسرے جان دار اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں اور ہمیں ان کے بارے میں علم ہی نہیں ہوتا۔ بہت سی فصلوں پر اکثر کیڑے مکوڑے، ٹڈیاں وغیرہ حملہ آور ہو جاتی ہیں۔ ان حملہ آوروں سے فصلوں کو بچانے کے لیے مختلف قسم کی چھوٹی چھوٹی چڑیاں صبح سے شام تک کھیتوں پر اڑتی ہیں اور رینگنے والے کیڑے

مکوڑوں کو دیکھتے ہی ہلاک کر دیتی ہیں۔ یہ کیڑے مکوڑے ان چڑیوں کی غذا ہوتے ہیں۔ فصلیں تیار ہوتی ہیں تو بہت سے چوہے فصلوں کو نقصان پہنچانے لگتے ہیں ایسے وقت گوشت خور پرندے، مثلاً دن کے وقت عقاب اور باز اور رات کے اندھیرے میں اُلو، چمگادڑ، سانپ وغیرہ چوہوں کو دیکھتے ہی ان کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔

روٹی کے اندر غذائی اجزا:

روٹی کے اجزاء غذائیت، کلوریز (حرارت) نشاشتہ، گلوکوز، حیاتین، توانائی اور انسانی جسم میں ان اجزاء کے مختلف مصرف، نتائج اور حاصل شدہ فوائد، یہ بہت بڑے موضوعات ہیں۔ ان پر گفتگو کرنا کسی ماہر غذائیت ہی کو زیب دیتا ہے۔ ماہر غذائیت ہی بتا سکتا ہے کہ ایک روٹی کن نعمتوں سے مل کر بنتی ہے۔ کون سا جز خون بناتا ہے۔ کون سا ہڈیوں کا گودا تیار کرتا ہے، کس جز سے ہماری جلد کو زندگی ملتی ہے، کون سے اجزاء ہیں جو ہمارے سرخ اور سفید خلیے (Cell) بنانے کے پُراسرار نظام کو برقرار رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ کن اجزاء کی وجہ سے ہمارے ہاتھ پاؤں حرکت کے قابل ہوتے ہیں اور کون سے اجزاء ہماری آنکھوں کو دیکھنے کی صلاحیت عطا کرتے ہیں۔

بہر حال اس روٹی کی فراہمی کے لیے اللہ تعالیٰ کے انتظامات کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ کی۔ ان تفصیلات میں جانا تو درکنار ہم تو اتنا بھی غور نہیں کرتے کہ ہم سے سیکڑوں میل دور ایک ان دیکھی، ان جانی جگہ گندم کی ایک نازک سی کونپل اپنے وزن سے کئی سو گنا زیادہ وزنی مٹی کو ہٹاتے ہوئے زمین کا سینہ چیر کر سطح زمین پر نمودار ہوتی ہے۔ جلد ہی پودے کی جڑیں مضبوط اور اس کی بالیاں دانوں سے بھر جاتی ہیں۔ پھر ان میں سے ہماری قسمت کا دانہ دانہ راستے کے تمام مراحل کو طے کرتا ہوا بالآخر ہمارے گھر تک پہنچ جاتا ہے۔

اس آٹے کو پکی ہوئی روٹی کی شکل دینے کے لیے سنگلاخ زمینوں میں پوشیدہ ایندھن زمین کی ہزاروں فٹ گہرائیوں سے نکلتا ہے اور سیکڑوں میل کا سفر طے کر کے ہمارے چولہوں تک پہنچتا ہے اور پکی پکائی روٹی ہمارے دستر خوان پر بہ آسانی ہمیں مل جاتی ہیں۔

قضا وقدر کے کارکن:

یہ تمام معاملے تو مادی اور مرئی ہیں جو ہمیں نظر آتے ہیں جب کہ اس سلسلے میں بے شمار ان دیکھی غیر مرئی قوتیں ہیں جو خاموشی کے ساتھ اپنا اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ قضا و قدر کے کارکن ہیں جو آندھیوں، طوفانوں، شدید بارشوں، سیلابوں اور ٹڈی دل سے ہماری فصلوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی قوتیں زمین کی زرخیزی اور گندم کی ایک ایک بالی میں پیدا ہونے والے ایک ایک دانے کا حساب کتاب بھی رکھتی ہیں۔

پھر یہ ہر روز سورج کا نکلنا، موسموں کا بدلنا، آسمانوں سے توانائی کا زمین تک آنا، بارش برسنا، ہواؤں کا چلنا، مٹی میں زرخیزی ہونا اور اس کا پیڑ پودوں کو اُگانا، فصلوں کو تیار کرنا......

شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے:

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند
تاتو نانی بہ کف آری و بہ غفلت نخوری
ہمہ از بہرِ تو سر گشتہ و فرمانبردار
شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرمان نبری

ان اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ

بادل، ہوائیں، سورج، چاند اور یہ سارا آسمان شب و روز کام میں مصروف ہیں کہ روٹی تم تک پہنچ جائے اور تم اسے غفلت (ناشکری) کے ساتھ نہ کھاؤ۔ یہ سب زمین و آسمان تمہاری خاطر کس قدر فرماں برداری سے کام کر رہے ہیں۔ تو اب یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تم خود (اپنے مالک سے) نافرمانی کا رویہ اختیار کرو۔

کاش ہمارے اساتذہ بھی اپنے طالب علموں سے کبھی اس طرح بات کریں!

الحمدُ للہِ ربّ العالمین

آپ نے دیکھا کہ اگر ہم اللہ کی ایک نعمت پر بھی غور کرنا شروع کریں تو گفتگو سمیٹنا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔ مجھ جیسے جاہل تو خیر اس موضوع پر گفتگو کا استحقاق ہی نہیں رکھتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین کی ہر نعمت ایسی ہے کہ اس کی تعریف کرتے وقت بڑے بڑے خطیبوں کی زبانیں گنگ اور بڑے بڑے صاحبانِ علم کی ذہنی قوتیں جواب دے جاتی ہیں، مجھ ایسے افراد کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔

ان سب باتوں سے میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ جب روٹی ہمارے سامنے آئے تو ہم اس کی قدر و قیمت کو سمجھیں کہ جو روٹی اس قدر آسانی سے ہمیں حاصل ہوگئی وہ کن مراحل سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہم تک پہنچی ہے۔

یہ روٹی جسے کھا کر ہم اکثر زبانی بھی شکر ادا نہیں کرتے، دنیا کے قحط زدہ علاقوں میں اس ایک روٹی کی قیمت انسانی جان بلکہ کئی انسانی جانوں کے برابر ہو سکتی ہے۔ فاقہ زدہ لوگ اس روٹی کی خاطر اپنی اولاد تک کو بیچ ڈالتے ہیں۔

ایسی بے شمار نادر و نایاب روٹیاں ناقدری کی وجہ سے ہمارے گھروں میں سڑ جاتی ہیں۔ ایک طرف ڈال دی جاتی ہیں اور پھپھوند لگنے کے بعد ردّی پیپر والوں کو دے دی جاتی ہیں۔ بچے ہوئے سالن گھروں میں کام کرنے والی ماسیوں کو اس وقت دیے جاتے ہیں جب وہ فریزر میں جم جم کر کھانے کے قابل نہیں رہتے۔

ایک پِن کا شکریہ:

آپ غور فرمائیں کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ جب وہ ہمیں پیٹ بھر کر کھانا کھلائے تو ہم خلوصِ دل سے ''الحمد للہ رب العالمین'' کہیں۔ مذہب کے حوالوں سے قطع نظر، یہ تو ہمارا اخلاقی فرض بنتا ہے۔ ہم دفتر میں برابر بیٹھے ساتھی سے ایک پن مانگتے ہیں اور جب وہ پن ہمیں دیتا ہے تو ہم پن لیتے وقت کہتے ہیں۔ ''تھینک یو۔''

کیا وہ ربّ کائنات جو دنیا کی لاتعداد، نادر و نایاب نعمتیں ہمیں بے مانگے عطا کرتا رہتا ہے

ہماری ''تھینک یو'' کا حق دار نہیں ہے۔ ربّ کائنات تو اس بات کا حق دار ہے کہ ہماری ہر سانس، ہمارے دل کی ہر دھڑکن، ہر لمحہ، ہر ساعت کہتی رہے ''تھینک یو..... تھینک یو'' کیونکہ ہماری ہر سانس اس کی عطا اور ہمارے دل کی ہر دھڑکن اس کی ایک نعمت ہے۔ جس لمحے اس کی عطا رکے گی، اسی لمحے ہمارا وجود مردہ گوشت اور ہڈیوں کے قابل تدفین ڈھیر میں تبدیل ہو جائے گا۔

ہمیں بچپن سے سکھایا جاتا ہے کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے ''بسم اللہ'' کہو اور کھانے کے بعد ''الحمدللہ'' کہو، ہم بڑے ہونے کے بعد یہ باتیں خود بھول جاتے ہیں اور (اگر کبھی یاد آئے تو) اپنے بچوں کی ان کی تلقین کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ ہماری مصروف زندگی ہو کہ ہم اکثر اتنی جلدی میں کھانا کھاتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کیا کھایا ہے یا شاید اس کی وجہ شیطان ہو جو ہمیں شکر ادا کرنے کی عظیم سعادت سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ وجہ کوئی بھی ہو ہمیں اس کا تدارک کرنا چاہیے۔

اس کی ایک ترکیب یہ ہے کہ ہم جہاں بھی بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں وہاں خوشخط لکھ کر دیوار پر آویزاں کریں: تاکہ جب بھی ان الفاظ پر ہماری نظر پڑے، یہ الفاظ ہماری زبان سے ادا ہو جائیں اور اللہ توفیق دے تو فرصت کے لمحوں میں ان مبارک کلمات کو دل کی گہرائیوں سے بھی ادا کرنے کو جی چاہے۔ (کوشش کریں کہ اس طغرے کو بھی کچھ عرصے بعد بدلتے رہیں۔ کوئی اور ڈیزائن کوئی اور فریم..... اس لیے کہ جب کوئی چیز بہت عرصے ایک ہی جگہ رکھی رہے تو پھر نظر آنا بند ہو جاتی ہے۔)

باب: ۱۵
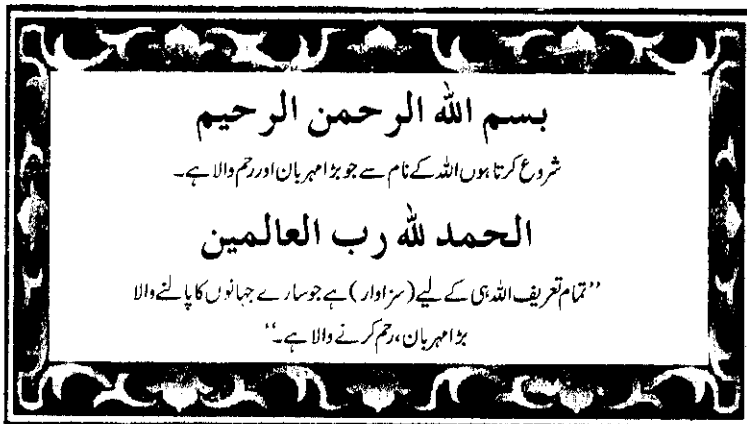
مومنین کے لیے مخصوص نعمتیں

اب تک ہم نے ان نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے، وہ عمومی ہیں اور تمام انسانوں کو عطا کی گئی ہیں۔ ان سب کے علاوہ مجھے اور آپ کو اللہ رب العالمین نے اور بہت سی بے شمار اعلیٰ درجے کی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازا۔ اس نے ہمیں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا کیا۔ اپنے سب سے پیارے نبیؐ سب سے آخری پیغمبر سردار انبیاء رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں قرار دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں پیدا ہونے کا مطلب معلوم ہے کیا ہے؟

حضرت نوح علیہ السلام کا وقت سفر آیا تو فرشتہ موت ان کے پاس آیا۔ اس نے روح قبض کرنے سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا کہ اے اللہ کی نبی آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟

حضرت نوحؑ نے جواب دیا کہ ایک چھوٹا سا کمرہ جس میں دو دروازے ہوں۔ میں ایک دروازے سے داخل ہوا، دوسرے سے نکل گیا۔

فرشتۂ موت نے حیرت سے کہا۔ ''یا نبی اللہ! آپ نے سیکڑوں سال کی زندگی پائی۔ آپ کے پاس دنیا بھر کی بادشاہت بھی رہی اور نبوت بھی۔ اس کے باوجود آپ ایسا محسوس کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس دنیا میں آئیں گے تو ان کی امت کے لوگوں کی عمریں ساٹھ ساٹھ برس کی ہوں گی۔ اس کے باجود وہ اپنے رہنے کے لیے لوہے اور پتھر کے کئی کئی منزلہ مکان تعمیر کیا کریں گے۔''

حضرت نوحؑ نے جواب دیا ''خدا کی قسم اگر میں ان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی امت میں پیدا کیا جاؤں تو ساٹھ برس تو صرف ایک سجدہ شکر میں گزار دوں (کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمت میں پیدا کیا گیا)۔

اہلِ بیتؑ سے محبت:

اللہ تعالیٰ نے اہل بیتؑ کی محبت کو ہمارے لہو میں شامل کیا۔ ہمیں سلسلہ امامت کے آخری امام حضرت امام مہدی علیہ السلام کی حکومت میں زندہ رکھا اور امام موجود کی توجہات و عنایات کو ہماری طرف ملتفت رکھا۔

خیر پور کے ایک مرحوم شاعر جناب زخم بدایونی کا شعر ہے۔

ارتکابِ جرم پر جب ٹوک دیتا ہے ضمیر
در حقیقت یہ امامِ وقتؑ کی آواز ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم ایسی پُر از حکمت کتاب کو ہمارا رہنما بنایا۔

”اور ہم نے تم پر کتاب (قرآن) نازل کی جس میں ہر چیز کا (شافی) بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے (سرتاپا) ہدایت اور رحمت اور خوش خبری ہے۔“ (سورۂ نحل: آیت ۸۹)

اولادِ رسولؐ ہونے کا اعزاز:

ہم میں سے جو سادات ہیں ان پر تو اللہ نے اپنے کرم کی انتہا کر دی۔ انہیں شہزادی کونینؑ سیدة نساء العالمینؑ اور مولائے کائنات حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ کی اولاد ہونے کا شرف عطا کیا۔ یہی نہیں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمین، مومنین کے دلوں کو نیکی کی طرف رجحان رکھنے والا بنایا اور ہمارے ضمیر کو زندہ رکھا۔ پھر اس نے ہمیں نماز، روزہ، حج، زکوۃ، خمس، جہاد، زیارت قبور آئمہؑ، عزاداری سید الشہداءؑ اور خدمت والدین جیسی عظیم نعمتوں سے سرفراز کیا۔

واضح رہے کہ:

سادات کے لیے واضح رہے کہ سیادت کا دعویٰ ہم سے دوسروں کی نسبت زیادہ اچھے عمل کا متقاضی بھی ہے ”جن کے رتبے ہیں سوا اُن کی سوا مشکل ہے“۔ اگر ہم اولادِ رسولؐ ہیں تو ہمارا عمل

بھی اپنے جد کی سیرت و کردار سے وابستہ ہونا چاہیے۔اول وقت میں نماز، دوسروں کی مدد، برائیوں سے گریز، نیکیوں کی طرف پیش قدمی، عفو و درگزر، صبر و برداشت اور اللہ کی ذات پر مکمل اعتماد، بھرپور توکل۔

بہرحال یہ نعمتیں تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس عالم اسباب میں فراہم کیں۔اب ذرا ان نعمتوں پر بات کریں جو ہمیں موت کے بعد حاصل ہوسکتی ہیں یا ہوتی ہیں۔

موت کے بعد اللہ کے احسانات:

نعمتوں اور رحمتوں کا یہ سلسلہ جو ہماری ولادت سے پہلے شروع ہوتا ہے (اگر ہم چاہیں) تو ہمیشہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔جب انسان مرض الموت میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کے اس دنیا سے ہمیشہ کی زندگی کی جانب سفر کے آثار نمایاں ہوتے ہیں تو اس وقت بھی کم وبیش وہی اہتمام ہوتے ہیں جو اس وقت ہوئے تھے جب وہ اس دنیا میں آنے والا تھا۔

سارے رشتے دار، دوست احباب، چاہنے والے اسے الوداع کہنے کو جمع ہوتے ہیں۔موت کے بعد اسے جلد از جلد غسل دے کر پاک کیا جاتا ہے۔جب وہ دنیا میں آیا تھا اس وقت بھی اسے سفید کپڑے میں لپیٹا گیا تھا۔اگلی دنیا میں جانے سے پہلے بھی اسے دوبارہ سفید لباس پہنایا جاتا ہے۔زیادہ سے زیادہ لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور مرنے والے کی تمام غلطیاں معاف کر کے بہ آواز بلند کہتے ہیں کہ اے رب کریم۔اسے معاف کردے ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس شخص سے ہم نے زندگی میں خیر اور نیکی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا۔

اگرچہ ہم نے اس کے بہت سے بُرے اعمال دیکھے ہوتے ہیں لیکن نماز جنازہ میں ہمیں یہ جملہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے اور ہم یہ جملہ کہہ کر اسے ہمیشہ کے لیے معاف بھی کردیتے ہیں۔اب جب اتنے سارے افراد اس شخص کو معاف کردیتے ہیں تو اللہ تو سب سے بڑھ کر معاف کرنے والا ہے۔

نمازِ جنازہ میں وضو کی شرط بھی ختم کر دی:

آپ اپنے مالک کی محبت کا اندازہ تو لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کی نماز جنازہ پڑھنا واجب قرار دیا اور اس نماز سے رکوع وسجود، تشہد وسلام سب کو ساقط کر دیا۔ آپ دیکھیں! کوئی نماز بغیر وضو نہیں پڑھی جاتی لیکن مومن کی نماز جنازہ پڑھنے میں رحمان ورحیم مالک نے وضو کی شرط بھی ختم کر دی۔ نماز جنازہ میں پیشِ نماز کے لیے بھی وضو کی شرط نہیں تا کہ زیادہ سے زیادہ افراد جلد سے جلد اس مومن کے لیے گواہی دیں کہ انھوں نے مرنے والے سے خیر کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔

''ہاں میرے اس بندے سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ ممکن ہے اس نے تمھارا قرض واپس نہ کیا ہو، ممکن ہے اس نے کبھی تمہیں کوئی تکلیف پہنچائی ہو! لیکن یہ ''میرا بندہ ہے'' اسے معاف کر دو، سب کچھ بھول جاؤ ہمیشہ کے لیے۔ آج یہ میرے پاس آ رہا ہے، کل تمہیں بھی میرے پاس آنا ہے، تم نے بھی تو بہت سی غلطیاں کی ہوں گی۔ میں نے اسے معاف کر دیا، میں تمہیں بھی معاف کر دوں گا۔ میں تو ہوں ہی گناہوں کو مجموعی طور پر معاف کرنے والا''۔

مومنین اس معاف شدہ مومن کو الوداع کہنے آخری منزل تک اس کے ساتھ ساتھ جاتے ہیں آرام، آہستگی اور دعاؤں کے ساتھ اسے قبر میں اتارا جاتا ہے۔ قبر کے اندر جب اسے منکر نکیر کے سوالوں کا سامنا ہوتا ہے، اس وقت ایک بزرگ اس کے سرہانے بیٹھے تلقین پڑھ رہے ہوتے ہیں تا کہ اسے سوال کے درست جواب دینے میں مشکل نہ پیش آئے۔

قبر کے قریب کھڑے سارے دوست، رشتے دار اسے سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کے لافانی تحفوں سے نواز رہے ہوتے ہیں۔ پھر اسی رات بے شمار مومنین اس کے لیے نماز وحشتِ قبر پڑھتے ہیں۔ اس کی مغفرت کی دعائیں مانگتے ہیں۔

پھر دنیا بھر میں جہاں اور جب سورہ فاتحہ یا قرآن پڑھا جاتا ہے تو پڑھنے والے اس کے ثواب کا کچھ نہ کچھ حصہ مرنے والے تمام مومنین کی ارواح کو بخشتے ہیں۔ احادیث میں بار بار تاکید کی گئی

ہے کہ جب قبرستان میں داخل ہوتو تمام اہلِ قبور کو سلام کرو۔ جب قبرستان کے قریب سے گزرو تو سورہ فاتحہ پڑھ کر وہاں کے اہلِ قبور کو ہدیہ کرو۔

دنیا بھر میں لاکھوں، کروڑوں مسلمان پانچ وقت دعائے قنوت میں مومنین و مومنات کی مغفرت کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ مرنے والے کی اولاد اس کے ذمے اللہ اور بندوں کے واجب الادا قرض ادا کرتی رہتی ہے۔

ان تمام نیکیوں کے ثواب، عظیم اور لافانی نعمتوں کی شکل میں اس آدمی تک پہنچتے رہتے ہیں جو بہ ظاہر مٹی میں مل چکا ہوتا ہے۔ ایسی بے بسی کی حالت میں کہ اس کے پاس عمل کرنے کی کوئی صلاحیت باقی نہیں رہتی تو اللہ رحمان و رحیم ساری دنیا میں انجام دیے جانے والے نیک اعمال میں سے بے مانگے اور بغیر کسی عمل کو بنیاد بنائے ہر اچھے کام کے معاوضے میں اسے بھی شریک کرتا رہتا ہے۔ انسان ماں کے پیٹ میں گوشت کا ایک ذرا سا لوتھڑا تھا۔ بے بس، بے طاقت، ابھی اس کے اعضاء بھی نہیں بنے تھے کہ اللہ تعالیٰ ساری دنیا کی نعمتیں اس تک پہنچا رہا تھا اور اب جب کہ اس کے اعضاء مٹی میں مل گئے تو اللہ تعالیٰ ساری دنیا کے ہر اچھے کام کے ثواب میں سے کچھ نہ کچھ حصہ آخرت کی نعمتوں کی شکل میں اس تک پہنچاتا رہتا ہے۔

باب: ۱۶

نعمتوں کے لیے اضافی انتظامات

اللہ رب العالمین بندوں پر کتنا مہربان ہے اس کا اندازہ کرنا صرف خود اسی کی ذات کے لیے ممکن ہے۔ میں اور آپ اس کی مہربانیوں، احسانات اور اس کے فضل و کرم کا بہت کم ادراک کر سکتے ہیں۔

ان زمینی نعمتوں سے ماورا، جو وہ انسانوں کے ذریعے انسانوں کو پہنچاتا ہے، اس نے اپنے عرش پر لاتعداد فرشتوں کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ وہ اس کے گناہ گار بندوں کے لیے معافی طلب کرتے رہیں۔ پہلے انسان کے وجود میں آنے سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے انسان معافی کی اس اضافی سہولت سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

> ''اور فرشتے تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے
> ہیں اور جو لوگ زمین میں ہیں ان کے لیے (گناہوں کی)
> معافی مانگا کرتے ہیں۔ سن رکھو کہ اللہ ہی یقیناً بڑا بخشنے والا
> مہربان (مالک) ہے۔'' (سورہ شوریٰ: آیت ۵)

کیا فرشتے سب لیے دعا کرتے ہیں؟

سوال یہ ہے کہ کیا اللہ کی یہ معزز مخلوق اللہ سے ہر انسان کی سفارش کرتی ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد، ظالم ہو یا مظلوم۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ فرشتے ہر انسان کے لیے معافی طلب کرتے ہوں۔ اللہ کی یہ مخلوق اللہ تعالیٰ سے ہم میں سے ان انسانوں کے گناہوں اور ان کی سزا کو دور کرنے کی دعا کرتی ہے جو خود اپنے کیے پر شرمسار ہوں اور حتی الامکان توبہ و استغفار کرتے رہیں۔ ایسے بندے جو اپنے نفس سے مسلسل حالت جنگ میں رہیں۔ ایسے بندے جو شیطان سے کسی صورت ہار نہ مانیں

، گناہ سرزد ہوجائے تو دوبارہ اپنے مالک سے معافی مانگنے حاضر ہو جائیں۔ جن کے گناہ انہیں مالک کے آگے شرمندہ تو کریں، مالک کے فضل وکرم سے مایوس نہ کردیں۔ جولوگ اپنے گناہوں سے پریشان تو ہوں مگر نفس کے آگے ہتھیار نہ ڈالیں۔ ایسے توبہ کرنے والوں کے لیے اللہ کی وسیع رحمت کا نظارہ سورۂ مومن میں زیادہ تفصیل سے کیا جا سکتا ہے۔

> ''جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد (تعینات) ہیں (وہ سب) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے لیے بخشش (معافی) کی دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔
>
> تو جن لوگوں نے (سچے) دل سے توبہ کرلی اور تیرے راستے پر چلے ان کو بخش دے اور (انہیں) جہنم کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے پالنے والے ان کو سدابہار باغوں میں جن کا تُو نے ان (توبہ کرنے والوں) سے وعدہ کیا ہے، داخل فرما اور ان کے باپ داداؤں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو لوگ نیک ہوں ان کو (بھی) بخش دے۔ بے شک تو زبردست حکمت والا ہے۔'' (سورۂ مومن: آیت:۸)

اللہ رب العالمین کی وسعت رحمت کا اندازہ تو فرمائیں جو میرے اور آپ کے آباؤ اجداد سے میری اور آپ کی قیامت تک پیدا ہونے والی اولاد تک کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اگر آج میں توبہ کرلوں:

یعنی اگر آج میں اپنے مالک کے سامنے سچے دل سے توبہ کرلوں اور آیندہ کے لیے نیکی کے راستے پر چلنے کا پکا ارادہ کرلوں تو عرش الٰہی کے گرداگرد پھیلے ہوئے بے شمار فرشتے آج ہی سے نہ صرف میری بلکہ میرے آباؤ اجداد اور میری نسل میں قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لیے معافی کی سفارش کرنا شروع کردیں گے۔

ماں کا پیٹ، زمین کا پیٹ:

اس طرح اللہ رب العالمین کی رحمت مجھ ہی تک محدود نہیں رہے گی۔ بلکہ اس کی رحمت زمان و مکان سے ماورا، میرے بزرگوں اور میری آیندہ نسل کے تمام انسانوں کو اپنے احاطے میں لے لے گی جو جو نیکی اختیار کریں یا کم از کم اس کے لیے اپنی سی کوشش جاری رکھیں۔

اب آپ دیکھیں...... انسان جب ماں کے پیٹ میں تھا اور عمل کی صلاحیت سے محروم تھا، اس وقت بھی اللہ رب العالمین کی عطا کردہ عظیم اور نایاب نعمتیں سارے زمین و آسمان سے کھینچ کر اس تک پہنچ رہی تھیں اور جب وہ زمین کے پیٹ میں بے حس و حرکت پڑا ہوتا ہے، اس وقت بھی دنیا جہان سے لافانی نعمتیں سمٹ کر اس تک پہنچ رہی ہوتی ہیں۔

دل چاہتا ہے کہ آپ سے درخواست کروں کہ اب آپ جب بھی ''الحمد للہ رب العالمین'' کہیں تو اللہ تعالیٰ کی عظیم، لافانی اور ابدی نعمتوں اور رحمتوں کا جس حد تک بھی تصور کر سکتے ہیں، ضرور کریں اور سجدہ شکر میں جا کر بہت دیر تک ''الحمد للہ رب العالمین'' کہتے رہیں۔

مالک کتنا مہربان، ہم کتنے ناشکرے:

آپ نے دیکھا کہ مالک ارض و سماء اللہ جل شانہ نے ہم انسانوں اور خصوصاً مسلمین و مومنین کو کس قدر نعمتوں سے نوازا ہے۔ ہم جیسے انسان جو اس کائنات کے تناظر اور اس وائرس سائز دنیا میں ایک صفر (۰) سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، کیا ان عظیم الشان نعمتوں میں سے کسی ایک کا بھی استحقاق رکھتے ہیں، اور کیا ہم اگر اپنی زندگی کی تمام ساعتیں صرف اس کا شکر ادا کرتے رہیں تو اس کے احسانات کا شکر ادا کر سکتے ہیں؟

ہم اس کی نعمتوں کا شعور ہی نہیں رکھتے تو شکر کیسے ادا کر سکتے ہیں۔ ہم تو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے اکثر و بیشتر انھی نعمتوں کے ذریعے شیطان مردود کی مدد کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ میرا دوست مجھے خطرے میں دیکھے اور دشمن سے بچنے کے لیے ایک جدید ترین کلاشنکوف مجھے مفت دے دے اور میں اس کے ذریعے اپنی مدافعت کرنے کے بجائے یہ

کلاشنکوف اپنے دشمن کے حوالے کردوں کہ وہ اس سے مجھے اور میرے دوست، دونوں کو حتی الامکان نقصان پہنچائے۔

ہم بندوں کی وقعت ہی کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذریعے اسی کی ناشکری کرتے وقت ہم اللہ رب العالمین سے ذرا سا خوفزدہ نہیں ہوتے کہ اللہ اگر رحمان ورحیم ہے تو قہار وجبار اور سخت انتقام لینے والا بھی ہے۔ اس کی عظمت کی آگے ہم جیسے بندوں کی وقعت ہی کیا ہے۔ انبیاً ومرسلینؑ اس کی عظمت کے آگے سرنگوں اور مقرب بارگاہ فرشتے اس کی ہیبت سے لرزاں ہیں۔

اللہ وہ ہے جو آدمؑ، شیثؑ، نوحؑ، ہودؑ، لوطؑ، ذوالکفلؑ، الیاسؑ، شعیبؑ، خضرؑ، ایوبؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، زکریاؑ، یحیٰؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، یوشعؑ بن نونؑ، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام جیسے انبیاء کا مسجود ہے۔

اللہ وہ ہے جو سردار انبیاً، سید المرسلین، خاتم النبینؑ، رحمت اللعالمینؑ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا معبود ہے۔

اللہ تو وہ ہے جو عبدِ خدا، ولی خدا مولائے کائناتؑ، امام مبینؑ، امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی سجدہ ریزی کا مرکز ہے۔

اللہ تو وہ ہے جو سیدۃ النساء العالمینؑ، عابدہؑ، زکیہؑ، زاہدہؑ، بتول بنتِ رسولؐ شہزادیٔ کونین حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی عبادتوں اور ریاضتوں کا مقصود ہے۔

اللہ تو وہ ہے کہ علم الہدیٰ، صاحب جود وسخا، کاشفِ ضرر والبلا حضرت ابومحمد امام حسن ابن علیؑ اور سید الشہدؑا جگر گوشہ رسولؐ، حضرت امام حسینؑ ابن علیؑ نے اس کی راہ میں شدید اذیتیں برداشت کیں اور شہید ہو کر اس وحدہ لاشریک کی گواہی دی۔

جبرئیلؑ، عزرائیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ اور بے شمار مقرب بارگاہ فرشتے اس کی عظمت کے آگے سرنگوں۔

اللہ تو ہے جو دنیا کے تمام شہیدوں، عابدوں، زاہدوں، شب زندہ داروں، قطب و ابدال اور مومنین و مومنات کا مسجود و مقصود و معبود ہے۔

اس کی عظمت کو سمجھنے کی لیے یہی حقیقت کافی ہے کہ وہ محمدؐ جیسے آقا کا آقا اور علیؑ جیسے مولاؑ کا مولا ہے۔

وہ قہار و جبار ہے۔ اس نے انسانوں اور جنوں کی بے شمار بستیوں، آبادیوں، قوموں اور گروہوں کو ان کے گناہوں کے سبب نیست و نابود کر ڈالا۔

اس نے قوم نوحؑ، اصحاب الرّس، قوم ثمود، قوم عاد، قوم فرعون، قوم لوط، اصحاب الایکہ (بن کی رہنے والوں) اور اصحاب الاخدود کو بدترین عذاب میں مبتلا کر کے دنیا سے نابود و فنا کر ڈالا۔

اس نے نمرود اور فرعون ایسے خود سر اور بے پناہ طاقت و اقتدار رکھنے والے بادشاہوں کا غرور خاک میں ملا ڈالا۔

اس نے ایران کے شاہ جیسے عالمی طاقتوں کے ایجنٹ کی ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ اللہ ہی تو ہے جس نے مصر کے نئے فرعون کی شان و شوکت کو خاک میں ملا دیا۔ اللہ ہی تو ہے جس نے لیبیا کے مردِ آہن کو خاک بہ سر کر دیا۔

یہ قہار و جبار اللہ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے

اب ذرا غور تو کریں کہ یہ اللہ رب العالمین، مالک ارض و سماء، مسجود ملائکہ، مقصود انبیاءؑ، معبود آئمہؑ، یہ قہار و جبار، سخت انتقام لینے والا خدائے وحدہ لاشریک اپنی لازوال عظمت، بے پناہ قہاریت، بے مثال قدرت و طاقت کے باوجود ہم ایسے گناہ گار بندوں کے لیے کس قدر مہربان، کس قدر رحیم اور کس قدر شفیق ہے۔ وہ ہمیں پکار پکار کر اپنی رحمت کی جانب متوجہ کرتا ہے۔

"اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر اسراف (ظلم) کیا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ یقیناً اللہ گناہوں کا (مجموعی طور پر) بخشنے والا ہے کیونکہ وہ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔" (سورۂ زمر: آیت: ۵۳)

ایک اور مقام پر وہ اپنے حبیبؐ سے فرماتا ہے:

''اور (اے رسولؐ) جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو (آپ انھیں بتادیں کہ) میں (تو ہر وقت) ان سے قریب ہوتا ہوں جب (بندہ) مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں''۔

(سورہ: بقرہ آیت:۱۸۶)

بندے دعا کریں کہ وہ اسے قبول کرلے:

غور فرمائیں! قبولیت دعا کے لیے شرط صرف اتنی ہے کہ بندے دعا کریں کہ وہ اسے قبول کرے۔ آپ ان لفظوں سے چھلکتی ہوئی اپنائیت، محبت اور شفقت کو محسوس تو کریں۔ یہ الفاظ مالک ارض وسماء اللہ جل شانہ کے ہیں جو ساری کائنات کا بلاشرکت غیرے مالک، پالنہار اور ہر شئے کو عدم سے وجود میں لانے والا اور ہر شے کو ایک معلوم وقت کے بعد فنا کرنے والا ہے۔ جس کا حکم ہر لمحے ساری کائنات اور ماورائے کائنات میں جاری ہوتا رہتا ہے۔ سورج، چاند، ستارے، پیڑ، پودے، پہاڑ، کہکشائیں، زمین، آسمان، ہوائیں، بادل اور بجلیاں، سمندر، دریا اور خشکی وتری پر موجود ہر شے اس کے آگے سربہ سجود ہے۔

......اور ان محبت آمیز جملوں کے مخاطب ہم اور آپ ہیں۔ وائرس، سائز دنیا کی ناقابلِ ذکر منفی زیرو زیرو مخلوق۔

میرا ایمان کامل ہے کہ یہ آیاتِ رحمت کسی نبیؐ، مرسلؑ، امامؑ، عابد و زاہد یا کسی شب زندہ دار بزرگ سے مخصوص نہیں ہیں۔ اللہ رحمان و رحیم کے ان کلمات کے مخاطب شاید مجھ ایسے گناہ گار اور شیطان کے پھندوں میں تڑپتے پھڑ کتے لاکھوں، کروڑوں، کھربوں انسان ہیں۔

میرے بندے، میرے بندے:

وہ رب کائنات جو اس بات پر قادر ہے کہ موجودہ انسانوں ہی کو نہیں اس پوری کائنات کو چشم زدن میں فنا کر ڈالے اور ہم سے بہتر انسان اور اس کائنات سے عظیم تر کائنات پیدا کردے، وہ ہم

ایسے بے حقیقت، نا قابل ذکر انسانوں کو ''اے گناہ گارو'' نہیں کہتا۔ وہ ہمیں ''اے میرے بندو!'' کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔

''جس (اللہ) نے سارے آسمان اور زمین پیدا کیے، کیا وہ اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ ان ہی جیسے (دوبارہ) پیدا کر دے۔ ہاں (ضرور قدرت رکھتا ہے) اور وہ پیدا کرنے والا واقف کار ہے۔ (سورہ یٰس: آیت ۸۲)

زمین و آسمان کے مالک کے لیے کیا مشکل ہے کہ ہم جیسے نافرمان بندوں کو لمحہ بھر میں اس کرّہ ارض سے اٹھا کر کہیں اور کسی اور حالت میں پیدا کر دے۔ لیکن وہ ہم جیسے بے حیثیت انسانوں کو ''میرے بندے'' کہتا ہے۔

''اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہارے ایسے اور لوگ بدل ڈالیں اور تم لوگوں کو اس (شکل وصورت یا کسی اور دنیا) میں پیدا کر دیں جسے تم بالکل نہیں جانتے۔ (سورہ واقعہ: آیات ۶۰۔۶۱)

باب: ۱۷

دستِ دعا اسی کی بارگاہ میں بلند کریں

یہ ایک نا قابل تردید اور ہماری زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے کہ کوئی دوسری محبت اور اس کی محبت کا مقابلہ نہیں کرسکتی کیوں کہ وہ **ودود** ہے۔کوئی دوستی اس کی دوستی سے زیادہ بڑھ کر نہیں کہ وہ **رفیق** ہے۔کوئی فائدہ رساں اس سے زیادہ نہیں کہ وہ **مفید** ہے۔

کسی کی شفقت اس کی شفقت کا مقابلہ نہیں کرسکتی کہ وہ **شفیق** ہے۔کوئی رشتہ اس سے زیادہ قریبی نہیں کہ وہ **قریب** ہے۔ ہمارے مسائل کو سننے والا اس سے بڑھ کر کوئی نہیں کہ وہ **سمیع** ہے۔کوئی احسان کرنے والا اس سے بڑھ کر نہیں کہ وہ **منّان** ہے۔کوئی مددگار اس سے زیادہ مدد نہیں کرسکتا کہ وہ **ناصر** ہے۔ہمارے کاموں کو اس سے بڑھ کر کوئی نہیں سنوار سکتا کہ وہ **مدبّر الامور** ہے۔

کوئی خبر رکھنے والا اس سے بڑھ کر ہماری خبر نہیں رکھ سکتا کہ وہ **خبیر** ہے۔کوئی رزق دینے والا اس کے علاوہ نہیں کہ وہ **رزاق** ہے۔کوئی کفایت کرنے والا اس کے علاوہ نہیں کہ وہ **کافی** ہے۔

کوئی شفا دینے والا اس کے علاوہ نہیں کہ وہ **شافی** ہے۔اس کے علاوہ کوئی ہمارے آنسوؤں پر رحم کھانے والا نہیں کہ وہ **راحم العبرات** ہے۔

اس کے علاوہ کوئی ہمارے رتبوں کو بڑھانے والا نہیں کہ وہ **رافع الدرجات** ہے۔اس کے علاوہ کوئی ہماری بلاؤں کو ٹالنے والا نہیں کہ وہ **دافع النقم** ہے۔مومنین کا کوئی مددگار اس سے زیادہ نہیں کہ وہ **ولی المومنین** ہے۔

جب ایسا ہے تو ہمیں ادھر ادھر بھٹکنے کی کیا ضرورت ہے۔سارے معاملات کے لیے ہم اسی سے رابطہ کیوں نہ کریں۔اسی کی بارگاہ میں دست دعا کیوں نہ بلند کریں۔

لیکن............

ہم رب کائنات کو چھوڑ کر اپنی ساری امیدیں اس وائرس سائز دنیا کے اپنے ہی جیسے محض زیرو، زیرو، زیرو حیثیت رکھنے والے، بے بس اور محتاج انسانوں سے کیوں وابستہ کر لیتے ہیں۔ امام زین العابدینؑ نے فرمایا تھا کہ ایک محتاج بھلا دوسرے محتاج کو دے ہی کیا سکتا ہے؟ لیکن ہم لوگ اپنی حاجت براری کے لیے انہی محتاجوں سے رجوع کرتے ہیں۔

یہ محتاج کبھی صدر ہوتا ہے، کبھی وزیر، کبھی کسی ادارے کا سربراہ، کبھی چیف ایگزیکٹو، کبھی کوئی مینجنگ ڈائریکٹر، کبھی جنرل منیجر کبھی ہمارا باس، کبھی کوئی سرمایہ دار۔ ان میں سے کسی کو بھی آیندہ آنے والی ساعت کا علم نہیں ہوتا۔ اچانک کسی بھی لمحے، کسی بھی دن ان کا زوال شروع ہو جاتا ہے، اچانک ہی ان کے اختیارات چھن جاتے ہیں۔ ایک دن دولت و اقتدار کے نشے میں سرشار ہوتے ہیں اور دوسرے دن پولیس کی گاڑی میں ذلیل و خوار۔ ایک دن پروٹوکول کی گاڑیوں، ہوٹر اور سائرنوں اور ''ہٹو بچو'' کی آوازوں کے ساتھ اپنے محل کی جانب رواں دواں اور دوسرے دن ایک معمولی SHO کے ہمراہ جیل کی طرف گامزن۔

''جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو کارساز بنا رکھا ہے ان کی مثال اس مکڑی کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس میں شک نہیں کہ تمام گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے اگر یہ لوگ جانتے ہوں۔''

(العنکبوت: آیت ۴۱)

ہماری گزارشات کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ دنیاوی وسائل کو چھوڑ کر ہر وقت تسبیح پڑھتے رہیں۔ دیکھیں! دنیا میں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ دوسروں سے مدد ضرور لیجیے اور ان کا شکریہ بھی ادا کیجیے لیکن ہر معاملے میں بھروسا صرف اللہ کی ذات پر کیجیے۔

چوبیس گھنٹوں میں سے پچیس منٹ:

رب العالمین کی اپنے بندوں سے محبت شفقت اور اس کے احسان و کرم کا کسی قدر اندازہ

آپ نے گزشتہ صفحات میں لگا لیا ہوگا......اب ذرا ہم اور آپ غور کریں کہ ایسے مہربان آقا کے لیے ہمارا رویہ کس طرح کا ہوتا ہے!

اللہ رحمان ورحیم، ربِ کائنات چوبیس گھنٹوں میں ہمیں چند منٹوں کے لیے اپنے پاس بلاتا ہے تو ہمیں اکثر یہ آواز سنائی ہی نہیں دیتی اور اگر سنائی دے بھی جائے تو ہمارے پاس بہت سے جواز موجود ہوتے ہیں۔

مثلاً رات دیر سے سوئے تھے، کسی چینل پر ''مار دھاڑ'' سے بھرپور ایک بے نتیجہ ٹاک شو یا کسی ڈرامے کا آخری اور سنسنی خیز سین چل رہا ہوتا ہے، شادی کی تقریب میں ہوتے ہیں یا جانے والے ہوتے ہیں، گھر کا کوئی ضروری کام ہوتا ہے، مہمان آئے ہوئے ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

دن کے چوبیس گھنٹوں میں اللہ تعالیٰ ہمیں پانچ مرتبہ تقریباً ساڑھے چھ گھنٹے کے بعد پانچ سے آٹھ منٹ کے لیے نماز پڑھنے کے لیے بلاتا ہے لیکن ہم چوبیس گھنٹوں میں دنیا کے سارے کام کر سکتے ہیں سوائے نماز پڑھنے کے۔ نماز کو ہم ٹالتے ہی رہتے ہیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ یہ جو ہمارا مالک ہمیں بلاتا ہے اس میں اُسے ہم سے کوئی کام نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تو ہمیں اس لیے بلاتا ہے کہ وہ ہمارے مشکل ترین کام کر دے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

رحمانی آواز، شیطانی چیخ:

اکثر گھروں میں جب ایک بے ہودہ ٹی وی پروگرام کے درمیان ٹی وی سے یا محلے کی مسجد سے اذان ہونا شروع ہوتی ہے تو ناظرین بے زار سے ہو جاتے ہیں۔ شرماحضوری میں ٹی وی کی آواز آہستہ کر دی جاتی ہے (اس وقت انہیں یاد آتا ہے کہ شور وغل انسانی اعصاب کے لیے کس قدر نقصان دہ ہے) ٹی وی کو بند نہیں کیا جاتا آواز بند یا کم کر دی جاتی ہے۔ اذان ختم ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے۔ وقفہ برائے نماز سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھر کے تمام افراد دیگر ''ضروری کاموں'' میں لگ جاتے ہیں۔

بہ الفاظ دیگر جب تک شیطان ہمارے گھروں میں اپنی کریہہ آواز کے ساتھ چیخ رہا ہوتا ہے، اس وقت تک ہم سب ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ کر لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں اور جیسے ہی نشریاتی رابطے پر اللہ جل شانہ کی جانب سے ہمیں پکارا جاتا ہے کہ ''آؤ فلاح کی طرف'' تو ہم دلچسپ ڈرامے، بے نتیجہ ٹاک شو یا موسیقی کے دلکش پروگرام کے درمیان اس ''مداخلت بے جا'' سے بور ہو جاتے ہیں ہم خیر اور فلاح کی طرف بلانے والی اس رحمانی آواز کو سننا تک نہیں چاہتے۔

وقفہ برائے اذان سے فائدہ:

وقفہ برائے اذان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی جلدی سے باتھ روم سے فارغ ہونے چلا جاتا ہے۔ کسی کو ضروری فون کرنا یاد آ جاتا ہے، کوئی اس دوران قریبی اسٹور سے ڈبل روٹی لینے نکل جاتا ہے۔ ماں کو بچوں کی یونیفارم پر استری، باپ کو فون اور بچوں کو ہوم ورک یاد آ جاتا ہے۔ بعض بزرگ ٹی وی والوں کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں کہ صاحب! یہ ٹی وی پروگراموں کے درمیان اذان عشاء کی کیا تک ہے!

حالانکہ یہی تو وہ موقع ہوتا ہے کہ فسق و فجور میں کھوئے ہوئے انسانوں کو جھنجوڑ کر جگایا جائے ان سے کہا جائے کہ ان شیطانی چکروں سے نکل آؤ اور آؤ فلاح کی طرف اور آؤ اس عمل کی طرف جو تمہارے پالنے والے کے نزدیک ہر عمل سے بڑھ کر ہے۔

یہ رحمانی آواز بہت سے گھروں میں دبا دی جاتی ہے مگر ملک کے طول و عرض میں بہر حال یہ اپنے اثرات قائم کرتی ہے اور اللہ جنہیں توفیق دیتا ہے وہ اس دعوتِ خیر العمل سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔

باس کے حکم پر وقت سے پہلے، اللہ کے حکم پر وقت کے بعد:

بہت سے لوگ جو نماز پڑھتے ہیں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بلاوے پر فوری لبیک نہیں کہتے اور وقت کو ٹالتے ہی رہتے ہیں اور جب آخر وقت میں نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو جلدی جلدی اس فرض کو نمٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دل چسپ بات یہ بھی ہے کہ جب ہمارا کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مسئلے کو بس آج ہی، ابھی فوراً حل کر دے یعنی جب اللہ تعالیٰ ہمیں بلاتا ہے تو ہم ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں اور جب ہمارا مسئلہ اٹکتا ہے تو اللہ کی فوری مدد کے لیے تڑپنے لگتے ہیں۔

ہم اپنے باس (منیجر، ڈائریکٹر یا ایم ڈی صاحب) کے حکم پر تو وقت سے پانچ منٹ پہلے سج بن کے، پرفیوم لگا کر چاق و چوبند حالت میں دفتر پہنچ جاتے ہیں اور اپنے پالنے والے اللہ کے حکم پر وقت پر مسجد حتیٰ کہ گھر کی جانماز تک نہیں پہنچ پاتے حالانکہ ہمارے دنیا اور آخرت کے تمام تر معاملات و مسائل انہی دو جگہوں پر حل ہو سکتے ہیں۔

> امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے۔ ''صبحِ کاذب سے طلوعِ آفتاب تک مصلے پر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرنا، رزق کے لیے ساری دنیا کے شہروں شہروں چکر لگانے سے بہتر ہے''۔ (حوالہ: کلماتِ قصار)

ان دونوں جگہوں پر بلاشبہ اللہ کی دعوت پر پہنچتے ہیں۔ آپ کا اپنا تجربہ ہوگا کہ ہم اور آپ جیسے کم وسائل لوگ بھی اگر میزبان ہوں تو کبھی اپنے مہمان کی کوئی خواہش رَد نہیں کرتے۔ اسے حتی الامکان خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خزانوں کی کنجیاں تو اللہ کے پاس ہیں:

اللہ تو ایسا میزبان ہے کہ زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجیاں بھی اسی کے پاس ہیں اور وہ اپنے بندوں کو عطا کرنے کے بہانے بھی ڈھونڈتا ہے۔ وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا، سب عطا کرنے والوں سے بڑھ کر عطا کرنے والا، تمام محبت کرنے والوں سے بڑھ کر محبت کرنے والا اور سب دوستوں سے بڑھ کر دوست ہے اور یہ کہ اس کی حکومت، اس کا اختیار، اس کی سلطنت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اس کا اقتدار کبھی روبہ زوال نہیں ہوگا۔ اس کے خزانوں میں کبھی کمی نہیں ہوگی اور اس کی عطا کرنے کی عادت میں بھی کبھی تبدیلی نہیں آئے گی۔

تو آیئے کیوں نہ آج ہی اس مالک حقیقی کے حضور دستِ دعا بلند کریں اور دنیا کے محتاجوں سے

امیدیں توڑ کر اپنی تمام مشکلات اور اپنی تمام ضروریات کے لیے قادر مطلق اللہ رب العالمین سے رابطہ قائم کریں اور اس سے رابطے کا بہترین طریقہ اول وقت میں فرض نماز ادا کرنے کے فوراً بعد دستِ دعا بلند کرنا ہے۔

اوّل وقت نماز پڑھنے والے مگر:

اس سے پہلے کہ ہم اوقاتِ نماز پر بات کریں ضروری ہے کہ کچھ ایسے نماز پڑھنے والوں کی بھی نشاندہی کریں جو پابندی وقت کے ساتھ ''نماز'' پڑھتے ہیں لیکن شاید نماز کی بجائے کچھ اور پڑھتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو عادتاً اور بے توجہی کے ساتھ وقت پر پڑھتے ہیں لیکن نماز کے فوراً بعد اسی شیطانی جال میں پہنچ جاتے ہیں جس سے یہ ذرا دیر کو باہر نکل آئے تھے۔ اس طرح کی نماز کو آپ ظاہراً تو نماز کہہ سکتے ہیں لیکن جو نماز برائیوں سے نہ روکے، وہ اصل نماز نہیں ہو سکتی۔

مثلاً ایک صاحب سود کا کاروبار کرتے ہیں اور نماز بھی اول وقت پابندی سے پڑھتے ہیں۔ ایک صاحب کے کارندے منشیات کا کام کرتے ہیں لیکن نماز میں ذرا تاخیر نہیں کرتے۔ غیر قانونی اسلحے، اغوا برائے تاوان کی سرپرستی بھی ہو رہی ہے اور نماز، عمرے اور حج بھی جاری ہیں۔ ایسے لوگوں کی نماز ان کے منہ پر ماردی جائے گی۔ وہ تاجر، دکاندار، کاروباری حضرات جو نماز تو اول وقت میں پڑھتے ہیں لیکن مسجد میں جانے سے پہلے بھی گاہکوں سے جھوٹ بول رہے تھے اور مارکیٹ میں واپس آنے کے بعد بھی گاہکوں سے جھوٹ بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ نماز میں اپنا ٹائم ہی ضائع کرتے ہیں۔

اسی طرح وہ سرکاری افسران جو دفتر جاتے ہی اس لیے ہیں کہ وہاں رشوت ان کی منتظر ہوتی ہے۔ ان میں آپ کو بڑے باریش اور ظاہراً بڑے خوش اخلاق لوگ بھی نظر آئیں گے لیکن ان کی زندگی رشوت کے پیسے سے چلتی ہے۔ ان کی بڑی اکثریت بھی نماز بہر حال پابندی سے پڑھتی ہے۔ اذان ہوئی ساری درازیں بند اور نماز کے لیے حاضر۔

یہ کون سی نماز ہے؟

نماز تو برائیوں سے روکتی ہے تو پھر آپ یہ کون سی نماز پڑھتے ہیں جو آپ کی زندگی اور شخصیت و کردار میں کوئی تبدیلی ہی پیدا نہیں کر رہی! آپ نماز سے پہلے بھی گاہکوں سے فراڈ کر رہے تھے اور نماز کے بعد بھی اسی سود خوری، منافع خوری، ذخیرہ اندوزی اور رشوت خوری میں مصروف ہیں۔ گویا آپ نماز تو پڑھ رہے ہیں لیکن دوسروں کو دھوکا دینے کے لیے اور یقیناً خود کو بھی۔

''ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی خرابی (بربادی) ہے جو اوروں سے تو پورا پورا ناپ (کر) لیں اور جب ان کو ناپ یا تول کر دیں تو کم دیں۔ کیا یہ لوگ اتنا بھی خیال نہیں کرتے کہ ایک بڑے (سخت) دن میں اٹھائے جائیں گے۔ جس دن تمام انسان سارے جہان کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

سُن رکھو! کہ بدکاروں کے نامۂ اعمال سجّین میں ہیں اور تمھیں کیا معلوم کہ سجّین کیا چیز ہے، یہ ایک لکھا ہوا دفتر ہے جس میں شیاطین کے اعمال درج کیے جاتے ہیں۔'' (سورہ مُطفّفِین: آیات: ۱۔۹)

تو اگر کوئی صاحب خدانخواستہ ایسی نمازیں پڑھ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنا کرم نہ فرمائے تو یقین رہے کہ یہ نمازیں ''عِلّیّن'' یعنی نیکوکاروں کے اعمال کے دفتر کی بجائے شیطانوں کے اعمال کے دفتر ''سجّین'' مین درج کی جا رہی ہوں گی۔

ابھی دونوں دفتر کھلے ہیں:

بہر حال ابھی دونوں ہی دفتر کھلے ہوئے ہیں۔ دل، دماغ اور اعضا و جوارح کام کر رہے ہیں۔ ایڈٹ (Edit) اور ڈی لیٹ (Delete) کی سہولت میرے اور آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اور آپ اپنے اعمال و افعال کا اندراج شیاطین کے اعمال والے رجسٹر میں بھی کرا سکتے ہیں اور اللہ کے پاک باز، نیکوکار بندوں والے رجسٹر میں بھی۔ فیصلہ آپ کو اور مجھے کرنا ہے۔

اللہ رب کریم نے تو آپ کو دونوں راستے بتا دیے ہیں۔ عقل و شعور بھی عطا کر دیا ہے۔ عقل، ہاتھ، پیر، آنکھیں، کان اور دوسرے اعضا و جوارح بھی آپ کو دے دیے گئے ہیں۔ فیصلہ، ارادہ اور عمل آپ کو اور مجھے خود کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے کوئی فرشتہ نازل ہونے والا نہیں ہے۔ اس لیے کسی معجزے کا انتظار نہ فرمائیں۔ فیصلہ کریں، عمل کریں اور اس پر قائم رہیں۔

باب: ۱۸

دُعا کرنے کا سلیقہ جاننا ضروری ہے۔

دعا کرنے یا اپنے رب کو پکارنے کا سلیقہ محمدؐ وآل محمدؐ کے گھرانے کی دین ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے بعد آئمہ معصومینؑ ہی نے دنیا کو دعا کرنے کا ڈھنگ سکھایا۔ خاص طور پر امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور چوتھے امام حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام کی دعائیں، دعا کرنے والوں کے لیے ایک ''مکتبِ دعا'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یوں تو چہاردہ معصومینؑ کی تمام ہی دعائیں ''دعائیہ ادب'' کے عظیم فن پارے ہیں لیکن مولائے کائناتؑ کی ''دعائے کمیلؒ'' اور امام زین العابدینؑ کی دعائے ''ابوحمزہ ثمالیؒ'' اپنی سادگی اور اثر آفرینی میں بے مثل ہیں۔

دعائے ابوحمزہ ثمالیؒ

دعائے کمیل کے بارے میں تو آپ یقیناً بہت کچھ جانتے ہیں لیکن دعائے ابوحمزہ ثمالیؒ ابھی ہمارے یہاں عام نہیں۔ میں اس کے بارے میں لکھنا چاہتا ہوں لیکن اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اس دعا کے بارے میں میرا لکھنا ایسا ہی ہے جیسے کسی خاک کے ذرّے سے یہ کہا جائے کہ تم زمین وآسمان کا سفر اختیار کرو، تمام کہکشاؤں سے گزرو، تمام خلاؤں پر نظر ڈالو اور پھر آکر ان کا احوال بیان کرو۔

یا کسی قطرۂ آب سے خواہش کی جائے کہ وہ دنیا بھر کے سمندروں سے گزرے، سمندروں کی تہہ میں موجود تمام سیپیوں کے منہ کھولے اور ان میں موجود سارے موتی جمع کر کے انہیں سطحِ آب پر لے آئے۔

یا کسی معمولی سے کنکر سے یہ توقع کی جائے کہ وہ دنیا بھر کے پہاڑوں کے اندر سے گزرے اور ان میں موجود ہیرے، جواہرات اور سونے چاندی کے تمام ذخائر کو تلاش کرے اور انہیں آپ کے سامنے لاکر پیش کرے۔

اس دعا کا ہر فقرہ ایک کتاب ہے:

اس دعا کا ہر جملہ ایک مکمل موضوع اور ہر فقرہ ایک مکمل کتاب ہے۔ انسان کی زندگی کے مختلف ادوار، کیفیات، احساسات، ارادے، اعمال، روح میں برپا ہونے والے خیر و شر کے معرکے، شیطان کے حیلے، رحمان کے وسیلے، گناہوں کی آلودگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ، دیدہ و نادیدہ نعمتیں، اس کے ہر لمحے جاری احسانات، انسان کی حیثیت، اس کی ندامت، خوف، امید، معذرت، اللہ کی عظمت، معافی، درگزر، پردہ پوشی، جود و سخا، اپنے بندوں سے محبت۔

حجاب اٹھنے لگتے ہیں:

معصومینؑ کی دعاؤں میں ان موضوعات کا اس طرح احاطہ کیا گیا ہے کہ دعا کرنے والے سے خود اس کی اپنی زندگی کا کوئی لمحہ چھپا نہیں رہتا۔ ذہن کی پرتیں کھلتی جاتی ہیں۔ روح کے اوپر پڑے ہوئے حجاب اٹھنے لگتے ہیں۔ دماغ کی دھند چھٹنے لگتی ہے۔ وہم وگمان کے ہیولے غائب ہونے لگتے ہیں۔ امید کی روشنی پھیلنے لگتی ہے یقین کا سورج روح میں سما جاتا ہے۔

ان دعاؤں کو پڑھتے پڑھتے یا تو پڑھنے والا ایک انجانی، محفوظ و مقدس فضا میں چلا جاتا ہے یا اس کے اردگرد کی فضا تمام دنیاوی غلاظتوں اور مادی کثافتوں کے باوجود اس دعا مانگنے والے کے لیے تمام کثافتوں سے پاک ہو جاتی ہے اور پڑھنے والا خود کو اپنے پیارے اور بہت محبت کرنے والے پروردگار کے بے حد قریب، اور بہت نزدیک محسوس کرتا ہے۔ پھر اچانک ہی رخساروں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کے جھالے مردہ زمین کو نئی زندگی دینے والی بابرکت بارش کے مانند مردہ روح کو حیاتِ نو بخشنے لگتے ہیں۔

یہ آنسو، حاجات سے بلند تر ہوتے ہیں:

آنسوؤں کا یہ آبِ نیساں نہ آگ کے ستونوں میں بند کر دیے جانے کے خوف سے برستا ہے اور نہ ان محلات کے لالچ میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ مانگنے والے کو ان مبارک لمحات میں نہ حور و غلمان کی یاد آتی ہے، نہ سونے کے کنگنوں اور یاقوت کے محلات کی۔ یہ آنسو شاید ان حاجات و کیفیات سے بلند تر ہوتے ہیں۔

آنسوؤں کا یہ سیلاب دراصل روح کے اندر موجود محبت و معرفتِ الٰہی کے پُر جلال چشموں سے پھوٹتا ہے اور انسانی روح میں موجود تمام شیطانی آلودگی کو بہا لے جاتا ہے۔ دعائے ابوحمزہ ثمالیؒ میں اگرچہ کہیں کوئی سجدۂ واجب کی آیت نہیں ہے کہ آپ پر سجدہ واجب ہو جائے لیکن اس کو پڑھتے ہوئے کئی مقامات پر آپ کا دل چاہے گا کہ آپ بے اختیار سجدے میں گر جائیں۔

اگر آپ دعا کا سلیقہ سیکھنا چاہیں:

اگر آپ دعا کرنے کا سلیقہ سیکھنا چاہتے ہیں تو اس مکتب دعا سے استفادہ کریں جو صحیفہ سجادیہ، صحیفۂ علویہ اور مفاتیح الجناں جیسی کتابوں میں موجود ہے۔ (صحیفہ کاملہ امام زین العابدین علیہ السلام کی عطا کردہ دعاؤں کا مجموعہ ہے لیکن اس مجموعے میں دعائے ابوحمزۂ ثمالی موجود نہیں ہے۔ ''دعائے ابوحمزہ ثمالیؒ'' مفاتیح الجناں میں سحری کے اعمال میں موجود ہے اور الگ سے کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ دعائے کمیلؒ مولائے متقیان امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی تعلیم کردہ ایک معروف دعا ہے۔ یہ دعا صحیفۂ علویہ میں بھی شامل ہے اور الگ سے بھی شائع ہوتی رہتی ہے۔ اگر آپ انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں تو گوگل سرچ پر ان میں سے کسی بھی دعا کا نام ٹائپ کریں تو ان کی آڈیو اور وڈیو دونوں آپ کو مل جائیں گی۔ بہت اچھی قرأت اور ترجمے کے ساتھ

دعائے سباسب:

ضدّی دشمنوں، ظالم حکمرانوں اور جو لوگ ان حاکموں کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ دہشت

گردوں اور ان کے منظم گروہوں، جادوگروں، جادو، آسیب اور برے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے "دعائے سباسب" ایک مجرب اور بار بار آزمائی ہوئی دعا ہے۔

یہ دعا وظائف الابرار نامی کتاب میں اسناد کے ساتھ موجود ہے اور الگ سے کتابی شکل میں بھی شائع ہوتی رہتی ہے۔

کسی دن اس جلیل القدر دعا کا صرف ترجمہ پڑھ کر دیکھیں تو آپ کو اس کی طاقت کا اندازہ ہوگا۔ دعا کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ سے دشمن کی ہلاکت کی دعا پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ بددعا کے اثرات کی عملی شکل پیش کرتا ہے۔ یعنی جو اللہ سے کہا تھا، وہ عملاً واقع ہو گیا۔

یہ دعا حضرت قائم آلِ محمدؑ علیہ السلام کی تعلیم کردہ ہے۔ اس میں بہت سے راز بہت سی باتیں ہیں جنہیں لکھا نہیں جا سکتا، صرف قابل بھروسا آدمی سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ دعا شائع ہوتی رہتی ہے لیکن اس میں مختلف مقامات پر کیا کرنا ہوتا ہے، یہ کسی کتاب میں لکھا ہوا نہیں ملتا۔ یہ دعا سورہ والضحیٰ پر ختم ہوتی ہے لیکن اس سورے کے بعد بھی ایک سورہ پڑھنا ہوتا ہے۔ یہ باتیں کم ہی لوگوں کو معلوم ہیں، وہ بھی مصلحتاً ہر ایک کو نہیں بتاتے۔

بہر حال یہ دعا پڑھیں تو اس کے اثرات سامنے نظر آ جائیں گے۔ یاد رہے کہ اگر کسی ایسے شخص کی ہلاکت کے لیے یہ دعا پڑھی جو بے قصور ہو، یا اس سے کوئی معمولی غلطی ہوئی ہو تو اس دعا کے پڑھنے والے کو نقصان بھی ہو سکتا ہے۔

دعائے عرفہ، جسے کم لوگ جانتے ہیں:

امام حسین علیہ السلام کی یہ دعا عام طور پر عرفے کے دن پڑھی جاتی ہے لیکن اسے کسی بھی دن پڑھنے میں کوئی ہرج نہیں۔ جب دل گھبرائے، جب آپ روحانی طور پر ان رحمانی سگنلز کو محسوس کریں، جنہیں ہم اکثر اوقات محسوس کرتے ہیں (لیکن انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں)، جب آپ اپنی روح میں پاکیزگی اور طہارت کا احساس کریں تو امام عالی مقامؑ کی اس دُعا کو پڑھنا شروع کر دیں۔ مغرب کی نماز میں ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹا باقی ہو تو بہتر ہے۔

دعا کو پڑھتے وقت جو کیفیت محسوس کریں اسے روکنے کی شعوری کوشش نہ کریں۔ بار بار سجدے کرنے کو جی چاہے تو سجدے کرتے جائیں، آنکھیں آنسوؤں سے چھلک رہی ہوں تو آنسوؤں کو بہنے دیں۔ دعا کے الفاظ کو چومنے کو دل چاہے تو انہیں بے اختیار بوسہ دیں۔ امام حسین علیہ السلام کے ذکر پر ان کے مصائب یاد آئیں تو کھڑے ہو کر کہیں "السلام علیک یا اباعبدِ اللہؑ" امام حسین علیہ السلام اور ان کے پیاروں اور ان کی آنکھ کے تاروں کو سلام کریں۔ ان کے قاتلوں پر لعنت بھیجیں۔

جب کبھی یہ کیفیت طاری ہو تو:

دعائے عرفہ پڑھیں یا کوئی اور دعا لیکن جب ان کیفیات میں ہوں کہ آنسو بے اختیار بہہ رہے ہوں تو اپنے لیے اور اپنے سے پہلے اپنے والدین، عزیزوں، دوستوں، پڑوسیوں اور گھر والوں کے لیے دعا کریں۔ اپنے ملک اور دنیا بھر کے انسانوں کے لیے دعا کریں۔

لوگ کیسے کیسے مسائل کا شکار ہیں، بھوک، غربت، افلاس، بیماریاں، خوں ریزی، دہشت گردی، خوف، بدامنی، مہنگائی ان سب چیزوں نے لوگوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ آپ کسی غریب سے اس کا حال تو پوچھ کر دیکھیں۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ ٹی وی چینلز اور اخبارات ہمارے اردگرد موجود پریشان حال لوگوں کی دس فی صد پریشانیاں بھی بیان نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں وہ اپنے مطلب کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ آپ اگر ان سب کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تو ان کے لیے دعا تو کر سکتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو دُعا آپ دوسروں کے لیے کریں گے اس کے اثرات اور اجر و ثواب لوٹ کر آپ ہی کی طرف آئے گا لیکن اس بات کو بھول کر، صرف دوسروں کی مشکلات کا احساس کر کے ان کے لیے دعا کریں۔

ایسی دعا کس طرح کریں؟

اب کئی دوست کہیں گے کہ یہ تو بہت ساری باتیں ہیں...... کن الفاظ میں دعا کریں......؟ بات صحیح ہے۔ ہر شخص کے پاس الفاظ کا ذخیرہ نہیں ہوتا کہ وہ دعا کا مضمون ترتیب دے۔ یہ مسئلہ خاص طور پر اللہ سے دعا مانگتے وقت اور گھمبیر ہو جاتا ہے۔ اس وقت شیطان ہماری دماغی

صلاحیتوں کو دھندلانے اور ہماری توجہ بھٹکانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہوتا ہے۔انسان اپنے ہی مسائل اللہ تعالیٰ سے پوری طرح بیان نہیں کر پاتا کہ وہ دوسروں کے لیے بھی دعا کرے۔ایسے میں وہ دوسروں کے لیے کیا دعا کرے؟

لیکن اس مسئلے کا ایک بہت ہی مستند اور مجرب حل موجود ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا۔''جو شخص رمضان المبارک میں ہر واجب نماز کے بعد یہ دُعا پڑھے تو اللہ رب العالمین اس کے قیامت تک کے گناہ معاف کر دے گا۔

وہ دعا یہ ہے۔

أَللّٰهُمَّ أَدْخِلْ عَلىٰ أَهْلِ الْقُبُورِ السُّرُورَ.

''اے اللہ! قبروں کے اندر دفن شدہ لوگوں کو شادمانی عطا فرما۔

أَللّٰهُمَّ أَغْنِ كُلَّ فَقِيرٍ.

اے اللہ! ہر محتاج کو غنی کر دے۔

أَللّٰهُمَّ أَشْبِعْ كُلَّ جَائِعٍ.

اے اللہ! ہر بھوکے کو شکم سیر کر دے۔

أَللّٰهُمَّ اكْسُ كُلَّ عُرْيَانٍ.

(ا) اے اللہ! ہر بے لباس کو لباس عطا فرما۔

أَللّٰهُمَّ اقْضِ دَيْنَ كُلِّ مَدِينٍ.

اے اللہ! ہر مقروض کا قرض اتار دے۔

أَللّٰهُمَّ فَرِّجْ عَنْ كُلِّ مَكْرُوبٍ.

اے اللہ! ہر مصیبت زدہ کو آسودگی عطا فرما۔

أَللّٰهُمَّ رُدَّ كُلَّ غَرِيبٍ.

اے اللہ ہر مسافر کو (خیر و برکت اور سلامتی کے ساتھ) وطن واپس پہنچا دے۔

أَللّٰهُمَّ فُكَّ كُلَّ أَسِيرٍ.

(۲)اے اللہ! ہر قیدی کو رہائی بخش دے۔

أَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ كُلَّ فَاسِدٍ مِّنْ أُمُورِ الْمُسْلِمِينَ.

اے اللہ! مسلمانوں کے کاموں میں ہر خرابی کی اصلاح کر دے۔

أَللّٰهُمَّ اشْفِ كُلَّ مَرِيضٍ.

اے اللہ! ہر مریض کو شفا عطا فرمادے۔

أَللّٰهُمَّ سُدَّ فَقْرَنَا بِغِنَاكَ.

اے اللہ! اپنی ثروت مندی (یعنی اپنے خزانوں) کے ذریعے ہم سب کی محتاجی ختم کر دے۔

أَللّٰهُمَّ غَيِّرْ سُوءَ حَالِنَا بِحُسْنِ حَالِكَ.

اے اللہ! ہم سب کی بدحالی کو خوشحالی میں تبدیل کر دے۔

أَللّٰهُمَّ اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَ أَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

اے اللہ! ہم سب کو اپنے قرض ادا کرنے کی توفیق عطا کر اور ہمیں محتاجی سے محفوظ رکھ۔

بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' مفاتیح: صفحہ ۳۴۷

(۱) لباس سے مراد صرف ستر پوشی کے کپڑے نہیں بلکہ ان کے ساتھ انسانوں کے سامنے گناہوں کی ستر پوشی بھی ہے۔

(۲) قیدی وہی نہیں جو حکومت کی جیلوں میں بند ہیں۔ قیدی وہ بھی ہیں جو اغوا کیے جاتے ہیں اور زرِ تاوان کے بدلے رہا کیے جاتے ہیں۔

نوٹ: یہ دعا ماہ رمضان المبارک ہی سے مخصوص نہیں۔ یہ دعا ہر دن، ہر نماز کے بعد یا کم از کم جب کسی کی پریشانی سنیں۔ کسی کو مشکلات میں مبتلاء دیکھیں تو فرض نماز کے بعد بارگاہِ رحمان و رحیم میں یہ دعا کی جا سکتی ہے اور کرنا چاہیے۔ یہ جو آپ اکثر سنتے ہیں۔ ''التماس دعا''۔ ''اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا''۔ تو ہم اور آپ فرداً فرداً سب کو کہاں یاد رکھ پاتے ہیں۔ البتہ یہ دعا ایسی ہے کہ دعا کی درخواست کرنے والے تمام مومنین کے مسائل احاطہ کر سکتی ہے۔ شرط ہے توجہ، یقین اور دوسروں کی تکلیف کو محسوس کرنا۔

دعا پڑھنے اور دعا کرنے میں بڑا فرق ہے:

اس بات کی طرف ایک دوست نے مجھے متوجہ کیا۔ اکثر صورتوں میں ہم دُعا پڑھتے ہیں، کرتے نہیں۔ دُعا پڑھنے کے بھی بے شمار فائدے ہیں لیکن دعا کرنے کے فائدوں کے مقابلے میں بہر حال کم ہیں۔ جو دعا محض دیکھ کر سرسری انداز میں پڑھ لی جائے، تو یہ دعا کے الفاظ کو پڑھنا ہے لیکن جو دُعا الفاظ یا کم از کم جملے کے معنیٰ کو سمجھ کر، کامل یکسوئی، توجہ اور حضوری کی کیفیت میں پڑھی جائے اسے دُعا کرنا کہا جائے گا۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اگر آپ عربی متن پڑھنے سے پہلے اس کا ترجمہ غور سے پڑھ لیں تو باقی شرائط، یعنی یکسوئی توجہ اور حضوری کی کیفیت خود بہ خود پیدا ہو جاتی ہے۔

دعائیہ ادب پر ہمارے یہاں کام ہی نہیں ہوا:

ہمارے پاس دُعاؤں کا عظیم الشان خزانہ موجود ہے لیکن اللہ رب العالمین اور بندے کے درمیان رابطے کے ان لازوال خزانوں سے بہت کم استفادہ کیا جاتا ہے۔ چند دعائیں ہیں جنہیں پڑھنے کے لیے اجتماعات ہوتے ہیں۔ دعائے کمیل، دعائے ندبہ، دعائے مشلول، اور حدیثِ کساء اور بس۔ جب کہ صحیفۂ علویہ، صحیفۂ سجادیہ اور مفاتیح الجنان نامی گراں قدر کتابوں میں علم و عرفان کے بے کنار سمندر موجیں مار رہے ہیں اور سچے موتیوں کو اچھال رہے ہیں کہ کوئی آئے اور خدا کی معرفت اور انسان سازی کے ان قیمتی جواہر سے اپنے دامن کو بھرلے۔ لیکن ہم نے عوام میں ذوقِ دعا کو عام ہی نہیں کیا اور شاید اسی لیے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ضرور ہیں لیکن نہ اسے جانتے ہیں نہ اس کی بات مانتے ہیں۔

آپ اس سے واقف ہی نہیں تو سوال کیسے کریں گے؟

امیر المومنین علیہ السلام کا قول ہم نے اس کتاب میں کہیں نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والے، اُس سے سب سے زیادہ سوال کرنے والے ہیں۔''

آپ کسی سے واقف ہی نہ ہوں، اس کے مزاج ہی کا آپ کو علم نہ ہو، اس کی خوبیوں اور طاقت واقتدار کے بارے میں آپ کو کسی نے کچھ بتایا ہی نہ ہو تو آپ اس سے کیا سوال کریں

گے۔ اگر ہم اپنے مالک، اپنے معبود، اپنے رب، اپنے پالنے والے، اس کائنات کو عدم سے وجود میں لانے والے، زندگی کے لیے زندگی بھر نعمتیں عطا کرنے والے، مشکلات سے نکالنے والے، ہماری پکار پر فوری توجہ دینے والے، مسائل کو حل کرنے والے، بیماریوں سے شفا عطا کرنے والے اور اپنے بندوں سے سب سے بڑھ کر محبت کرنے والے کی صفات کا ہم علم ہی نہیں رکھتے تو پھر اس سے دُعا مانگنے کو دل ہی نہیں چاہے گا۔ کسی اجنبی سے آپ کیا سوال کر سکتے ہیں؟

اللہ کے رسولؐ اور ان کے اہلِ بیتؑ کی دعائیں:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آپ کے اہلِ بیتؑ، ائمہ طاہرینؑ کی تعلیم کی ہوئی دعائیں اللہ اور بندے کے درمیان پڑے ہوئے دبیز حجابات کو اٹھاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ تو ہم کبھی نہیں کر سکیں گے لیکن ان دعاؤں کی مدد سے ہم اور آپ اللہ تعالیٰ کی صفات کا براہِ راست مشاہدہ ضرور کر سکتے ہیں اور جب آپ اپنے رَب کی صفات کو دیکھ لیں گے تو پھر آپ کسی اور سے سوال ہی نہیں کریں گے۔

آپ جان چکے ہوں گے کہ مسبب حقیقی صرف رب العالمین کی ذات ہے لیکن اس نے جن ہستیوں کو اپنی بارگاہ میں سفارش اور شفاعت کا حق دے رکھا ہے، وہ ہستیاں، اللہ کے بندوں، اپنے ماننے اور چاہنے والوں پر حد درجہ مہربان شفیق اور آپ کی مشکلات و مسائل سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ ان ہستیوں کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنائیں۔ ڈائریکٹ ہونے کی کوشش نہ کریں کیونکہ خدا تعالیٰ نے بھی آپ تک ہدایت پہنچانے کے لیے انھی کو وسیلہ بنایا تھا۔

محمدؐ و آلِ محمدؐ ہماری اور ہماری نیکیوں کی پناہ گاہ ہیں۔ کبھی انسان پر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ ہر چیز سے بے زار اور مایوس ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اگر محمدؐ و آلِ محمدؐ کا ذکر کیا، یا سنا جائے، ان سے توسّل اختیار کیا جائے تو انسان بے اختیار اللہ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہ ہستیاں اپنے چاہنے والوں کو سہارا دے کر انہیں دوبارہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رحمتوں، برکتوں سے مالا مال کر دیتی ہیں۔ یاد رکھیں کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے اور اللہ وہی چاہتا ہے جو محمدؐ و آلِ محمدؐ چاہتے ہیں۔

کسی اور سے سوال نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ تسبیح لے کر مسجد میں بیٹھ جائیں۔ دنیا سے قطع تعلق کرلیں۔ بس ہر وقت دعا مانگتے رہیں۔ ایسا نہیں ہے ہر انسان دوسرے انسان کی ضرورت ہے اور انسان ہی انسان کے کام آتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے سے مدد بھی مانگتے ہیں اور دوسروں کے کام بھی آتے ہیں لیکن توفیق الٰہی کے سبب۔

اگر کوئی آپ کا سوال پورا کرتا ہے تو اللہ ہی کے حکم و مشیت کی وجہ سے۔ اس لیے دعا کے ساتھ ساتھ کوشش، جدوجہد اور مواقع سے فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کریں۔ کام ہو جائے تو جیسا موقع ہو، اس کے مطابق پہلے اللہ کے سجدے میں گر جائیں یا پہلے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کریں پھر اس شخص کا شکریہ ادا کریں، اور پھر اس محسن حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ کریں۔

دولت مل جائے گی یا اس کی ضرورت نہیں رہے گی:

جن دعاؤں کا میں نے تذکرہ کیا ہے ان کے بارے میں ہرگز یہ نہیں کہہ رہا کہ ان دعاؤں کے پڑھنے سے چشم زدن میں آپ کے تمام مسائل ختم ہو جائیں گے لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ نے ان دعاؤں کو توجہ اور ترجمے کے ساتھ پڑھا تو ان کے پڑھنے سے آپ کے اندر ایک انقلاب آفریں تبدیلی کی ابتدا ضرور ہو جائے گی۔ آپ روحانی طور پر ایسا سفر شروع کر دیں گے جس کا اختتام جنت کے باغات و محلات میں ہوتا ہے۔

''امیر المومنین حضرت علیؑ نے کسی شخص کو ایک دعا تعلیم فرمائی اور کہا کہ اس دعا کی برکت سے یا تو تمہیں دولت مل جائے گی یا تمہیں اس کی حاجت ہی نہیں رہے گی۔'' یہی معاملہ مذکورہ دعاؤں کا ہے۔

دعاؤں کو سمجھنا ضروری ہے:

اگر آپ عربی نہیں پڑھ پاتے تو ان دعاؤں یعنی دعائے کمیلؒ یا دعائے ابوحمزہ ثمالی کا صرف اردو ترجمہ پڑھیں لیکن جو لطف ان دعاؤں کو عربی میں پڑھنے کا ہے، وہ ایک الگ ہی چیز ہے۔
ہم کوئی سورہ پڑھیں یا کوئی دعا، ضروری ہے کہ اس کے معنی ہمیں معلوم ہوں۔ یہی معاملہ نماز کا

ہے۔نماز میں ہم جو کچھ پڑھیں اس کا ترجمہ معلوم ہونا چاہیے۔رب العالمین کی بارگاہ میں ایسی باتیں کرنا خلاف ادب ہے جن باتوں کے معنی خود ہمیں نہ معلوم ہوں۔یعنی ہمیں خود یہ نہیں معلوم کہ ہم اللہ سے کیا کہہ رہے ہیں! کیا ہم اپنے جیسے کسی انسان سے بھی ایسی باتیں کرتے ہیں جن کا مطلب ہمیں معلوم نہ ہو۔اللہ تو بادشاہوں کا بادشاہ اور آقاؤں کا آقا ہے۔اس سے اس طرح کی باتیں کرنا کہاں کا انصاف ہے۔

کوئی دعا آج ہی کیوں نہ پڑھیں:

میری آپ سے ایک درخواست ہے کہ کیوں نہ آج ہی اوّل وقت فجر یا اوّل وقت مغرب میں آپ بھی ان مقدس الفاظ کو دہرائیں جو آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال پہلے ایک رات میرے اور آپ کے امام حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام نے بارگاہ رب العالمین میں پہلی پہلی بار ادا کیے تھے۔میری مراد ''دعائے ابوحمزہ ثمالیؒ'' سے ہے۔یہ دعا کافی طویل ہے لیکن اس دعا کا پڑھنا ایک انوکھا اور حسین تجربہ ہے۔اگر وقت ہے تو آج کی رات آپ بھی ان ایمان افروز مقدس کلمات کو بارگاہ ایزدی میں دہرائیں اور سید الساجدینؑ کی سنت کو تازہ کریں۔

اگر دعائے ابوحمزہ ثمالیؒ دستیاب نہ ہو تو آج کی شب ''دعائے کمیلؒ'' ترجمے کے ساتھ پڑھیے۔چلیں آج رات صرف کسی ایک دعا کا ترجمہ پڑھیں۔یہ دونوں دعائیں شجر طیبہ کے روحانی و نورانی ثمرات ہیں اس لیے جس دعا کو بھی آپ ''سمجھ کر'' پڑھیں گے،وہ دعا آپ کو روحانی بالیدگی،زندگی گزارنے کا سلیقہ،شیطان سے مقابلے کے لیے بے پناہ توانائی اور گناہوں سے بچ کر نیکی کی جانب بڑھنے کا ایک تازہ ولولہ ضرور عطا کرے گی۔اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اس ''ولولہ تازہ'' سے کتنی جلدی اور کتنی دیر تک فائدہ اٹھاتے ہیں!

قرآن بولتا ہے:

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو خود اپنے آپ کو پڑھواتی ہے۔قرآن کی طرف بڑھیے یہ خود بہ خود آپ پر کھلتا جائے گا۔یہ کتاب جو بظاہر خاموش ہے اگر آپ اس سے رابطے میں رہیں تو

اکثر بولنے لگتی ہے۔ یہ ایک ایسا شیریں چشمہ ہے کہ یہاں سے ہر شخص اپنے اپنے برتن (ظرف) کے مطابق آبِ حیات حاصل کر لیتا ہے۔

''لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت (کتاب خدا) اور جو (امراض یعنی شرک وغیرہ) دل میں ہیں ان کی دوا اور ایمان داروں کے لیے ہدایت اور رحمت (آ چکی) ہے (اے رسول) تم کہہ دو کہ یہ (قرآن) خدا کے فضل اور اسی کی رحمت سے تم کو ملا ہے۔ تو ان لوگوں کو اس پر خوش ہونا چاہیے۔'' (سورہ یونس: آیت ۵۷۔۵۸)

باب: ۱۹

قرآن مجید کوئی عام کتاب نہیں

قرآن مجید قصّے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے۔ نہ یہ کسی شاعر کی تک بندی ہے۔ یہ اللہ کا وہ کلام ہے جو 23 سال تک لوحِ محفوظ سے قلبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر نازل ہوتا رہا۔ اس کتاب میں ساری انسانیت کے لیے رہ نمائی موجود ہے۔ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قلبِ مبارک پر نازل ہوا لیکن اس کے مخاطب ہر عہد کے انسان ہیں۔ یعنی آج جب میں اسے پڑھتا ہوں تو قرآن مجید کے ذریعے میرا مالک مجھ سے مخاطب ہوتا ہے اور جب آپ اس قرآن کو پڑھنے کا شرف حاصل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ سے مخاطب ہوتا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کا ایک قول یاد آیا۔ آپ بھی سنیں۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''جب میرا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے باتیں کروں تو میں نماز پڑھتا ہوں اور جب میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے باتیں کرے تو میں قرآن پڑھتا ہوں۔''

میرا معاملہ کیا ہے؟ قرآن کو پڑھنے میں پہلے تو ٹال مٹول کرتا ہوں، پڑھتا ہوں تو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ میرے مہربان مالک نے مجھ سے کہا کیا؟ مالک کے حکم کو سمجھ لیتا ہوں تو اس حکم کو ٹالنے کے جواز تلاش کرنے لگتا ہوں۔ اب ایسے کام چور، اندھے بہرے غلام کا مالک کیا کرے؟ اس کے نزدیک میرا کیا مقام ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا خط بندے کے نام:

لیکن میری اس نااہلی کے باوجود اس نے نہ مجھ سے اپنی نعمتیں واپس لیں اور نہ اس کے درگزر اور احسان میں کمی آئی۔ اب جب کہ مالک اس قدر احسان کرنے والا ہو تو میری کیا کوشش

ہونا چاہیے؟ میری کوشش ہونا چاہیے کہ میں قرآن کو پڑھنے اور مالک کی بات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی سر توڑ کوشش کروں۔

ہمارے گھر جب ڈاکیا کسی عزیز یا دوست کا خط لے کر آتا ہے تو ہم فوراً ہی لفافہ کھول کر اسے پڑھنا شروع کر دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو خط اپنے حبیبؐ کے ذریعے ہمارے نام ارسال کیا ہے ہم اس کا لفافہ ہی نہیں کھولتے اور ایک طرف رکھ دیتے ہیں کہ پھر کسی وقت پڑھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خط ہر مسلمان گھر میں موجود ہے لیکن اکثر گھروں میں اسے کسی مشکل کے وقت یا پھر رمضان کے رمضان ہی کھولا جاتا ہے۔ رمضان میں بھی اسے پڑھا جاتا ہے، اس کے نفسِ مضمون کو سمجھنے کی کوشش بہت کم لوگ کرتے ہیں۔

ایک دوست نے قرآن کے بارے میں انگریزی میں ایک میسج مجھے ارسال کیا۔ آپ بھی پڑھیں۔

Quran is Meant for Yourself, Not for Your Shelf

یہ میرے اور آپ کے ڈیلی یوز کی کتاب ہے۔ اسے الماری کے اوپر سے اتاریے، اس کی گرد جھاڑیے، اس کے جزدان کو کھولیے، اس کو چومیے اور اس کا مطالعہ شروع کر دیجئے۔ یہ میرے اور آپ کے مالک، مالکِ کائنات کا پیغام ہے۔ اسے مرحومین ہی کے لیے نہ پڑھیں، روزانہ اپنے لیے بھی پڑھیں۔ حدیثِ رسول مقبولؐ ہے۔ ''جن گھروں میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ گھر آسمان والوں کو ایسے ہی (چمکتے دمکتے) نظر آتے ہیں جیسے زمین پر رہنے والوں کو آسمان پر ستارے نظر آتے ہیں۔'' (حوالہ: نہج الفصاحت)

عجیب بات ہے کہ دنیا کی ساٹھ سالہ زندگی کے لیے تو ہم کس قدر تندہی سے محنت کرتے ہیں۔ ساری ساری رات جاگ کر پڑھتے ہیں۔ سفر کی مشکلات اور موسموں کی سختیاں برداشت کرتے ہیں لیکن آخرت کی زندگی کے لیے جو کم از کم ساٹھ کروڑ سال سے زیادہ ہوگی، کیا ہم روزانہ پندرہ منٹ نکال کر قرآن پڑھنا نہیں سیکھ سکتے۔

چہاردہ معصومینؑ کی دعائیں دراصل تفسیر قرآن ہیں:

میرے کئی دوست ہیں جو دعائیں پڑھنے کا ذوق رکھتے ہیں۔ان میں علماء بھی ہیں اور عام افراد بھی۔ان میں سے ایک دوست نے ایک عجیب بات کہی۔انہوں نے کہا کہ مفاتیح الجنان (نامی کتاب) ہر گھر میں ہونا چاہیے اور ہر شخص کو چاہیے کہ وہ ان دعاؤں کو پڑھے اس لیے کہ چہاردہ معصومینؑ کی تعلیم کردہ دعائیں دراصل قرآن مجید کی تفسیر ہیں لیکن عام تفاسیر سے مختلف۔

میں نے کہا۔''سبحان اللہ! واقعی ایسا ہی ہے لیکن اس بات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے کسی دُعا کو ترجے اور توجہ کے ساتھ پڑھا ہو۔''

اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ دعائیں تفسیر قرآن ہی نہیں، تفسیر اہلِ بیتؑ بھی ہیں۔ان دعاؤں کو پڑھنے کے بعد ہم اور آپ جان سکتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ کرام اور آئمہ طاہرینؑ کی سوچ، علم، ارادہ، ان کے افعال، ان کی زندگی کا محور و مرکز اور ان کا مقصودِ زندگی کیا تھا اور کیا ہے!

مجالس کا موضوع:

کیا ہی اچھا ہو کہ محرم کی مجالس یا رمضان المبارک میں علماء ان دعاؤں کی تفسیر کو اپنے عشروں اور محافل کا موضوع بنائیں تا کہ بندے اپنے مالک کے بارے میں جان سکیں کہ وہ اُن پر کس قدر مہربان ہے۔اللہ کا یہ کلام جن قلوب میں جذب ہوا، دعاؤں کے لافانی سرچشمے بھی انہی قلوب سے پھوٹے ہیں۔یہ دعائیں انہی مبارک ہستیوں نے تعلیم فرمائی ہیں جنہوں نے ہمیں بتایا تھا کہ ابتداء اللہ کے نام سے جو بڑا رحمان و رحیم ہے۔کہو کہ اللہ ایک ہے۔اللہ بڑا بے نیاز ہے۔نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔اس کا کوئی ہمسر نہیں۔(سورہ اخلاص)

ہدایت کے راستے:

انہی ہستیوں کی وجہ سے تو ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔انہی پر بھروسا کر کے تو ہم نے قرآن کو اللہ کی کتاب مانا ہے۔اللہ تعالیٰ چاہتا تو ساری انسانیت کو بغیر کسی نبی اور بغیر کسی کتاب کے بھی

مسلمان بنا سکتا تھا۔لیکن اس نے ہدایت کے راستوں کو واضح کرنے کے لیے انبیاءؑ کو دنیا میں بھیجا، اپنی کتابیں نازل کیں اور اولیائے خدا کو انسانوں کی رہنمائی کے لیے وسیلہ بنایا۔تو ہمیں بھی چاہیے کہ خود اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ ہونے کی کوشش نہ کریں بلکہ جن وسیلوں سے اللہ تعالیٰ نے ہم سے رابطہ کیا ہے ہم بھی انھی وسیلوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رابطہ کریں۔اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کسی کو کسی جھاڑی یا درخت سے آواز نہیں آئے گی کہ اس پر ثابت ہو جائے کہ اللہ ہے۔اب قیامت تک محمدؐ و آلِ محمدؑ ہی مظہر ذات و صفاتِ الٰہی ہیں۔ہمیں احکام بھی انہی کے ذریعے ملتے ہیں اور ہمارے بھی اعمال انہی کے وسیلے سے قبول ہوتے ہیں۔

آدابِ دُعا کا خیال رکھیں:

اللہ رب العالمین جو بادشاہوں کا بادشاہ، حاکموں کا حاکم اور آقاؤں کا آقا ہے، اس نے اپنے دربار میں حاضری کے لیے کوئی کڑی شرطیں نہیں رکھیں۔جس بندے کا جب جی چاہے وہ اللہ کو پکار سکتا ہے۔اس کا دربار ہر وقت کھلا رہتا ہے۔وہ ہر وقت بندے کی دعا کو پوری جزئیات کے ساتھ سنتا ہے لیکن بندوں پر بہرحال یہ اخلاقی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خود بعض باتوں کا خیال رکھیں اور اس کے دربار میں حاضر ہونے کے لیے کم از کم اتنا تو اہتمام کریں جو وہ اپنے دنیاوی حاکموں کے پاس جاتے وقت کرتے ہیں اور اللہ کی ذات پر اتنا تو بھروسا کرلیں، جتنا بھروسا وہ اپنے دنیاوی حاکموں پر کرتے ہیں۔

دنیا کے حاکموں سے ہماری امیدیں اور روّیے:

ہم اپنے دنیاوی حاکموں کی ہمدردیاں اور ان سے فائدے حاصل کرنے کے لیے درخواست دینے کے بعد اپنی کارکردگی اور حسنِ عمل کے ذریعے انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ہمیں اپنا مقصود تو بہت عرصے بعد ملتا ہے۔ملتا بھی ہے یا نہیں لیکن اس دوران ہم کبھی ان سے امید منقطع نہیں کرتے اور اگر ہمارا مطلب حاصل ہو جاتا ہے تو ہم دل سے ان کا احسان مانتے ہیں۔

اس دوران ہم جب بھی ان کے پاس جاتے ہیں اپنی حیثیت کے مطابق اچھے اور صاف

ستھرے لباس میں جاتے ہیں۔خود کو صاف ستھرا رکھتے ہیں، پرفیوم استعمال کرتے ہیں تا کہ ہمارے پسینے کی بو ان کی طبع نازک پر گراں نہ گزرے۔ دانتوں کو برش کرتے ہیں تا کہ سگریٹ کی بو اور پان کے دھبے باس کو ناگوار نہ گزریں۔ان سے اپنا مسئلہ بیان کرتے ہیں تو بہت واضح اور مناسب الفاظ میں گفتگو کرتے ہیں۔ جو بات ان سے کہتے ہیں اس کے معنی ومفہوم سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔

کیا ہم اللہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو ان باتوں کا خیال رکھتے ہیں؟

نماز کے لیے نیت کرتے وقت ہم کہتے ہیں نماز پڑھتا ہوں......قربتہ الی اللہ (اللہ سے قریب ہونے کے لیے) تو کیا اس ارادے کا شعور ہمیں ہوتا ہے کہ ایک سیکنڈ میں ہم نے کیا کہا؟ نیت کرتے وقت کیا ہم اللہ سے قریب ہونے کا تصور اور کوشش بھی کرتے ہیں! (واضح رہے کہ اللہ سے قریب ہونے کا مطلب اس کی مرضی سے قریب ہونا ہے)

درود وسلام، اُمّت مسلمہ کا ''پاس ورڈ'' ہے:

ہم نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ دعا، بندے اور رب العالمین کے درمیان ہر لمحہ موجود ایک جدید ترین ''ہاٹ لائن'' ہے لیکن اس ہاٹ لائن کو استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اس مخصوص کوڈ (CODE) سے واقف ہوں جو اللہ سے کمیونی کیشن کی اس بین الکائناتی ہاٹ لائن کو زیادہ LIVE اور نتیجہ خیز بنا سکے۔ یہ کوڈ دعا کی ابتدا اور اختتام، دونوں پر ''ڈائل'' کرنا پڑتا ہے کیونکہ یہ ''کوڈ'' اللہ اور اس کے تمام فرشتوں کو بے حد پسند ہے۔

> ''اس میں شک نہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر (نبی اکرمؐ اور ان کی آل) پر درود بھیجتے ہیں تو اَے ایمان والو! تم بھی (ان پر) دُرود بھیجتے اور برابر سلام کرتے رہو۔'' (سورہ احزاب: آیت:۵۶)

صرف اس کوڈ ہی کو ڈائل کرنے کا ثواب اتنا ہے کہ اگر بندہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو باقی سب کچھ مانگنا بھول جائے اور وہ کوڈ یہ ہے۔

"اللهم صل علی محمد و آل محمد و عجل فرجهم"

"یااللہ رحمت نازل فرما حضرت محمدؐ اور آل محمدؑ پر اور ان کی خوشی میں تعجیل فرما۔"

یہ "کوڈ" اول و آخر کم از کم تین مرتبہ "ڈائل کیجئے"۔ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ "اللہ تعالیٰ اس سے بلند تر ہے کہ اس سے دو حاجتیں طلب کی جائیں اور وہ ایک پوری کر دے اور ایک کو روک لے۔" یعنی ہمارا درود و سلام تو اپنے حبیبؐ تک پہنچا دے اور ہماری دعا کو رَد کر دے۔

آپ کوئی ویب سائٹ دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو پہلے اپنے پاس ورڈ کو لکھنا ہوتا ہے۔ اس پاس ورڈ کے بغیر آپ ویب سائٹ نہیں دیکھ سکیں گے۔ اللہ کے نبیؐ اور ان کی آلؑ پر درود پڑھنا امت مسلمہ کا پاس ورڈ ہے۔ اس پاس ورڈ ہی کے ذریعے آپ کو بین الکائناتی نیٹ ورک پر رسائی حاصل ہوتی ہے۔

درود پڑھنا شکرِ نعمت کی طرح ہے:

اگر کوئی شخص یہ کوڈ ڈائل نہ کرے تب بھی اللہ کی مشیت ہوگی تو اس کی دعا قبول ہو جائے گی۔ دوسرے مذاہب کے لوگوں کی دعائیں بھی تو بارگاہ ایزدی میں قبول ہوتی ہیں لیکن مسلمان ہونے کی حیثیت سے دُرود پڑھنا ہماری اخلاقی ذمے داری ہے اور بارگاہ ایزدی میں شکرِ نعمت کی طرح ہے۔

کنڈا سسٹم

آپ اپنے گھر میں قانونی بجلی بھی استعمال کر سکتے ہیں اور "کنڈا سسٹم" کے ذریعے بھی اپنے گھر کو روشن کر سکتے ہیں لیکن کنڈا سسٹم بہر حال غیر قانونی بھی ہے اور نا قابل اعتبار بھی۔ اس میں اکثر زیادہ کرنٹ آ جانے سے گھر کے قیمتی آلات جل بھی جاتے ہیں۔

کنڈا سسٹم کا مطلب یہ ہے کہ آپ غیر قانونی بجلی استعمال کر رہے ہیں اور کسی بھی دن پکڑے جا سکتے ہیں۔

باب: ۲۰

قبولیتِ دعا کے لیے چند خاص نکات۔

اس موضوع پر موجود کتابوں میں آداب دعا کے بارے میں بہت سی باتیں تحریر کی گئی ہیں یہ سب باتیں وہی ہوتی ہیں جو اس سے پہلے والی کتابوں سے لے کر انھی الفاظ میں نئی کتابوں میں شامل کر لی جاتی ہیں۔ ان باتوں کو آپ جانتے ہیں اس لیے میں ان کے علاوہ کچھ باتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں چند نکات بہت اہم ہیں۔

ا۔ نماز کے بعد جب ہم اپنی مادری زبان میں اللہ سے دعا کر رہے ہوتے ہیں تو اکثر اوقات ہمارا ذہن منتشر، الفاظ بے ربط، ہمارے جملے ٹوٹے پھوٹے، غیر واضح اور بعض اوقات بے معنی ہوتے ہیں۔ اگر ان جملوں کو کسی بہت حساس مائیکروفون کے ذریعے ریکارڈ کر کے سنا جا سکے تو شاید ہمیں خود ان کی بے ربطی اور ابہام پر ہنسی آ جائے۔ کیا بادشاہوں کے بادشاہ، اللہ رب العالمین سے اس طرح گفتگو کرنا ہمیں زیب دیتا ہے؟

امیر المومنینؑ کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ بہت سے لوگ اللہ سے اس طرح دعا کرتے ہیں کہ اس طرح تو پڑوسیوں تک سے گفتگو نہیں کی جاتی۔

دعا مانگتے وقت الرٹ رہنا چاہیے:

جب ہم اللہ سے دعا کرنا شروع کرتے ہیں تو اس وقت شیطان ہم پر سستی اور اونگھ طاری کر دیتا ہے۔ بقولِ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، ہمیں اس سستی اور اونگھ سے لڑنا چاہیے اور اس نادر و نایاب موقع پر انتہائی چستی کا ثبوت دینا چاہیے۔ دعا مانگتے وقت انتہائی چاق و چوبند اور الرٹ رہیں۔ اپنے ذہن کو جاگتا رکھیے کہ اس وقت ہمارا ایک ایک لفظ اپنے تمام تر احساسات اور

اپنے تمام معنیٰ کے تمام تر زاویوں کے ساتھ رب العالمین کے دربار میں سماعت کیا جارہا ہوتا ہے۔

ایک مثال سے سمجھیں:

اس بات کو ایک مثال سے سمجھیں۔ مثلاً میں کسی مشکل میں گرفتار ہوں اور کوئی مدد کرنے والا نظر نہیں آتا۔ ایسے میں دنیا کے حاکموں میں سے کوئی بڑا حاکم مجھ سے رابطہ کرے تو میری خوشی قابل دید ہوگی۔ میں اس کے دربار میں پہنچتا ہوں۔ وہ بڑی اپنائیت سے کہتا ہے۔ ''بتائیں کیا مسئلہ ہے؟''

میں ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بے ربط جملے بولنا شروع کرتا ہوں۔ میری توجہ اس حاکم کی طرف نہیں ہے بلکہ بولتے بولتے میں کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگتا ہوں۔ کبھی میرا ہاتھ کرتے کے دامن کو پکڑتا ہے، کبھی میں اپنے بال ٹھیک کرنے لگتا ہوں، کبھی پیٹ کھجانے لگتا ہوں۔ کبھی کرسی کے ہتھوں پر ہاتھ رکھتا ہوں کہ جیسے کسی ضروری کام سے کہیں اور جانا ہے۔ میں کچھ کہہ تو رہا ہوں لیکن مجھے خود نہیں معلوم کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ شاید اسی لیے میری جسمانی حرکات (Body Language) بھی صورتِ حال سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ نہ میں اس حکمران کی طرف اس طرح متوجہ ہوتا ہوں جس طرح سے ہونا چاہیے۔

اب آپ بتائیے، وہ حاکم میرے بارے کیا تاثر قائم کرے گا؟ وہ دل میں کہے گا ''یہ عجیب آدمی ہے۔ اپنے مسئلے کے لیے کس قدر پریشان تھا اور اب میرے پاس آیا ہے، میں اس کا مسئلہ حل بھی کرسکتا ہوں لیکن یہ نہ میری طرف متوجہ ہے، نہ اپنا مسئلہ بیان کررہا ہے۔ اس کے بجائے یہ کبھی کھڑکی میں سے باہر جھانکتا ہے، کبھی قمیض اٹھا کر پیٹ کھجا رہا ہے۔ کبھی کرسی کے ہتھوں پر ہاتھ رکھتا ہے جیسے اسے کسی ضروری کام سے کہیں جانا ہو۔

اب اگر وہ نرم دل حاکم ہوا تو اس کا کم سے کم ردِّعمل یہ ہوگا کہ بھائی! آپ تشریف لے جائیں۔ کوئی سخت فوجی قسم کا حاکم ہوا تو وہ اپنے گارڈ کو بلائے گا اور اس سے کہے گا۔ ''اس پاگل کو یہاں سے لے جاؤ''

یہ تو دنیا کے حاکم کا ردِّعمل ہوگا۔ اگر اسی طرح کا رویہ ہم ربِ کائنات اللہ جلّ شانہ کے دربار

میں اختیار کریں تو......

یہ تصوّر تو کر سکتے ہیں......

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگتے وقت ہمارا عام طور پر اسی طرح کا روّیہ ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے روّیے کی اصلاح کرنا چاہیے۔ اس لیے نماز توجہ کے ساتھ پڑھیں۔ چلیں اللہ کے دربار کا تصور مشکل ہے تو یہ تصور تو کیا جا سکتا ہے کہ میں حجرِ اسود کے سامنے کھڑا ہوں۔ خانہ کعبہ کے پاس میزابِ رحمت (خانۂ کعبہ کے پرنالے) کے نیچے نماز کی نیت باندھے کھڑا ہوں۔ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی قبر مبارک کی جالیوں کے کے سامنے نماز پڑھ رہا ہوں۔ میں حرمِ امیر المومنینؑ کے صحن میں موجود ہوں۔ میں امامِ حسین علیہ السلام کی ضریح مبارک کے قریب موجود ہوں، میں جنت البقیع کی دیوار کے ساتھ بیٹھا ہوں۔

ہم میں سے بہت سارے مرد اور خواتین حج اور زیارات سے مشرف ہو چکے ہیں۔ جو نہیں جا سکے، وہ ٹی وی پروگراموں اور سی ڈیز اور نیٹ پر ان مقدس مقامات کی زیارت کرتے رہتے ہیں جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ تو اس میں کوئی ''شرک'' نہیں کہ آپ خود کو ان مقامات پر نماز پڑھتے ہوئے تصور کریں۔ مرزا غالب کا شعر یاد آیا۔

علیؑ کے سامنے سجدہ خدا کا کرتا ہوں
اب اور مجھ سے زمانے کی آرزو کیا ہے!

باب: ۲۰

تسبیحِ فاطمہؑ اسمِ اعظم ہے

نماز کے بعد تسبیح فاطمہ پڑھنا ایک عام آدمی کے لیے واجب نہیں لیکن سختیوں میں گھرے ہوئے ہر مومن و مومنہ کو ہر فرض نماز کے بعد یہ تسبیح پڑھنا اپنے لیے ''واجب سمجھنا'' چاہیے کہ یہ ان کے لیے ایک اسم اعظم اور نسخہ کیمیا ہے۔ تسبیح فاطمہؑ بھی توجہ چاہتی ہے۔ ہم نماز کے بعد تسبیح اٹھاتے ہیں اور تیزی کے ساتھ اللہ اکبر، الحمدللہ اور سبحان اللہ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہمارے منہ سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ اس طرح ہوتے ہیں، الّا او اکبر، الم دوللا، سُبان الا۔ (نقل کفر کفر نہ باشد)

اگر میں آپ کے نام کو بگاڑ کر ادا کروں تو آپ کتنی مرتبہ درگزر سے کام لیں گے؟ اسی طرح اپنے مہربان مالک کے بارے میں سوچیں کہ اگر وہ درگزر سے کام نہ لے تو اس کے نام کو بگاڑ کر پکارنے کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔ جو لوگ سیدھے سادھے، غیر تعلیم یافتہ لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتے ہیں، ان کا معاملہ الگ ہے، وہ دل میں خلوص رکھتے ہیں وہ کسی بھی طرح مالک کو پکاریں، مالک ان کے خلوص کو دیکھتا ہے لیکن تعلیم یافتہ لوگ اگر اللہ کے نام کو اس طرح بگاڑیں تو معاملہ مختلف ہے۔

تسبیح فاطمہؑ خود ایک عظیم الشان عمل ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے تسبیح فاطمہؑ پڑھنے کو ہزار نفل نمازیں پڑھنے سے افضل قرار دیا ہے۔ (اس قول کی سند اس وقت مجھے یاد نہیں لیکن اگر آپ دینی کتابیں پڑھتے ہیں تو اس کی سند ضرور آپ کی نظر سے گزری ہوگی یا کسی دن کہیں نظر آجائے گی)

عربی تلفظ کے مسائل:

تیز رفتاری سے ذکر کرنا اور اس کے نتیجے میں الفاظ کی شکل بدلنا، اگر نماز، تلاوت یا دعا کے درمیان ہو تو اکثر الفاظ کے معنیٰ کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اس کے اثرات بھی۔ نماز، تلاوت یا کسی دعا کے پڑھنے میں اس طرح کی غلطیاں زیادہ ہوتی ہیں اور ہم جیسے لوگوں سے زیادہ ہوتی ہیں جنھوں نے عربی زبان یا قرآن کسی استاد یا مدرسے سے باقاعدہ طور پر نہیں پڑھا۔

اس طرح کی غلطیاں میں بھی بہت کرتا رہا ہوں اور میں نے اندازہ لگایا کہ اگر آدمی اپنے معاملے میں خود ہی سنجیدہ نہ ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ شاید میں بھی سنجیدہ نہیں تھا۔ اب میں آپ کو بتاؤں کہ میں کیا غلطیاں کیا کرتا تھا۔ بات بسم اللہ ہی سے شروع کرتے ہیں۔

رِحمٰن یا رَحمٰن:

یہ آیت ہے بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم ۔میں اسے پڑھتا تھا۔"بِسمِ اللہِ الرِّحمٰنِ الرَّحِیم" کئی دوستوں کو فرق پتا ہی نہیں لگا ہوگا۔ بہرحال فرق یہ ہے کہ اسم الٰہی "رَحمن" کی "ر" پر زبر پڑھا جانا چاہیے تھا، میں اسے زیر کے ساتھ پڑھتا تھا یعنی رَحمٰن کے بجائے رِحمٰن۔ اسے کہتے ہیں بسم اللہ ہی غلط ہو گئی!

رَحمٰن کو رِحمٰن پڑھنا عام ہے۔ اسی طرح رَحمت کو رِحمت پڑھنا بھی "زبان زد عام ہے" اور اس سے ہم کئی مقامات پر غلطی کا شکار ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز کے آخری سلام میں ہم کہتے ہیں اَلسَّلام عَلَیکُم وَ رِحمتُ اللہ وَ بَرکَاتہُ۔ اگرچہ کہنا چاہیے۔ اَلسَّلام عَلَیکُم وَ رَحمتُ اللہ وَبَرکَاتہُ۔

دیکھیے نماز شروع ہوئی تھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے۔ اس میں ہم نے رَحمٰن کے بجائے رِحمٰن کہا۔ نماز ختم ہوئی سلام پر اَلسَّلام عَلَیکُم وَ رَحمتُ اللہ وَبَرکَاتہ، اس میں ہم نے رَحمت کو رِحمت ادا کر کے غلطی کی۔

اسی طرح قران مجید میں جہاں ''ما'' آیا ہے۔ وَ مَاۤ اَدۡرَاکَ مَا لِیۡلَتُہُ الۡقَدۡر ۔تو جنہوں نے قرآن پڑھنا نہیں سیکھا تو ایسے دوست عام طور پر ''وَمَا'' کو ''وماں'' پڑھتے ہیں۔

ہمیں خود عربی نہیں آتی اس لیے ہم کوشش کرتے ہیں کہ نماز جماعت ہو رہی ہو تو پیش نماز صاحب کی تلاوت کو غور سے سنیں۔ یہ ایک چھوٹی سی کوشش ہے، قرآن مجید کی تلاوت کے لیے ہمیں اس سے کہیں بڑھ کر کوشش کرنا چاہیے۔ انٹرنیٹ پر جانے کتنی ویب سائٹس ہیں، کتنے پروگرام ہیں جن کے ذریعے ہم قرآن پڑھنا سیکھ سکتے ہیں اور اگر درست طریقے پر پڑھنا نہیں آتا تو ان پروگراموں کے ذریعے اپنی اصلاح بھی کر سکتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر ہم سب گھنٹوں ادھر اُدھر مارے پھرتے ہیں کیا روزانہ آدھا گھنٹا قرآن سیکھنے کے لیے نہیں نکال سکتے!

تسبیح فاطمہؑ پڑھتے وقت مؤدب اور متوجہ رہیں:

تسبیح فاطمہؑ کے لیے ایک بزرگ عرفانی شخصیت نے مجھ سے کہا کہ تسبیح فاطمہؑ شروع کرنے سے پہلے بی بی زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی جانب متوجہ ہو کر مؤدب ہو کر باقاعدہ نیت کرنا چاہیے کہ تسبیح فاطمہؑ پڑھتا/پڑھتی ہوں۔ قربۃً الی اللہ۔ اس کے بعد پہلے کلمہ پڑھیں پھر تین مرتبہ درود۔ اس کے بعد ٹھہر ٹھہر کر واضح الفاظ میں کہیں اَللہُ اَکبر (34 مرتبہ) اَلحَمدُ لِلّٰہ (33 مرتبہ) سُبحانَ اللہ (33 مرتبہ) پھر تین بار درود اور کلمہ ......اس کے بعد جو دعا کریں انشاءاللہ مستجاب ہے۔

ایک بات کی طرف متوجہ کرنا چاہوں گا۔ تسبیح فاطمہؑ میں اعداد کا ضرور خیال رکھیں۔ یعنی 34، 33، 33۔ ایسے معاملات میں اعداد کی مثال چابی کی سی ہے۔ ہر تالے کی چابی بہ ظاہر ایک سی ہی نظر آتی ہے لیکن ہر چابی میں ذرا سا فرق ہوتا ہے۔ اسی لیے ایک تالے کی چابی سے دوسرا تالہ نہیں کھل سکتا۔ اسی طرح آپ اللہ اکبر کو 35 مرتبہ پڑھ جائیں تو ''تالہ'' نہیں کھلے گا۔

تسبیح فاطمہؑ پڑھنے کا بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ آپ خاک شفاء کی تسبیح استعمال کریں۔ پہلے چیک کر لیں کہ اس میں دانوں کی ترتیب درست ہے یا نہیں۔ بہر حال آپ کوئی بھی تسبیح استعمال کریں لیکن دانوں کی تعداد ضرور چیک کر لیں۔ ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ تسبیح اپنی انگلیوں کے

پوروں پر پڑھیں۔اس طرح اس کا اثر آپ کے دوران خون میں شامل ہو کر جسم کے ایک ایک خلیے تک پہنچے گا۔ ہمارے اعصابی نظام کے آخری سرے انگلیوں کے آخری پوروں پر ٹھیک انہی مقامات پر ہوتے ہیں اور جو محسوس کرتے ہیں اس کی اطلاع دماغ کو دیتے رہتے ہیں۔

دوران خون کا ''آخری اسٹاپ'' بھی انگلیوں کی پوریں ہی ہوتی ہیں۔خون یہاں آ کر واپس دل میں جانا شروع کرتا ہے۔ دوران خون میں بیماریوں کے جراثیم بھی ہوتے ہیں اور ان مہلک بیماریوں سے تحفظ دینے والے سفید خلیے بھی۔اس دوران خون میں وہ کیمیائی مادّے بھی موجود ہوتے ہیں جو نارمل زندگی گزارنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ان کیمیائی مادّوں میں ذرا سی کمی بیشی ایک نارمل انسان کو اسپتال یا اس سے آگے کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ان پر جب بار بار اللہ کا نام لیا جائے گا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے کیا ہوگا۔اب اگر آپ ان پوروں پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر ''الحمدُ للہ'' کہیں تو یہ پیغام اعصابی نظام سے گزر کر سب سے پہلے دماغ کو موصول ہوگا اور وہاں محفوظ ہونے کے ساتھ یہ شکرانہ وہاں جائے گا جہاں سے خود دماغ کو احکامات ملتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی یہ دباؤ دوران خون کو بھی محسوس ہوتا رہے گا اور دوران خون کے ذریعے آپ کے پورے وجود میں سفر کرتا رہے گا۔

اس سے کیا ہوگا؟ یہ مجھے بھی نہیں معلوم لیکن اتنا تو ہم سمجھ ہی سکتے ہیں کہ اللہ اکبر، الحمدللہ اور سبحان اللہ کی گونج ہمارے پورے وجود میں پھیلتی رہے گی۔ یہ تسبیح صرف ہم ہی نہیں پڑھیں گے بلکہ ہمارے جسم کے سوٹریلین خلیے بھی اس تسبیح کو پڑھتے رہیں گے۔

بے اختیار دعا مانگیں:

قبولیت دعا کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ بے اختیار دعا مانگیے لیکن مانگتے وقت اللہ تعالیٰ کے گزشتہ احسانات، اللہ کی عظمت، اپنی حیثیت اور اپنے مقصد کو واضح طور پر ذہن میں رکھیے اور سادہ لفظوں میں اپنا مدعا بیان کیجئے۔ بہتر ہے کہ جو دعائیں مانگنا ہوں انہیں ایک کاغذ پر لکھ کر اپنے پاس رکھ لیں اور ہر نماز کے بعد اس کاغذ کی مدد سے اپنے مسائل ترتیب وار اللہ سے بیان کریں۔دعا مانگتے وقت

شیطان ہم سے ہمارے الفاظ چھین لیتا ہے۔ یہ اس صورت حال سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے۔

اس بات کو اور وضاحت سے عرض کر دوں۔ ہماری زندگی کے مسائل یا مشکلات ہر روز بدلتی رہتی ہیں۔ جس مسئلے کے لیے ہم آج پریشان ہوتے ہیں، کل اس مسئلے کی شدت کم ہو جاتی ہے یا کوئی نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ دماغ کی بدلتی ہوئی کیفیات بھی ہماری دعاؤں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جس معاملے کے لیے ہم ایک دن شدت سے دعا کر رہے ہوتے ہیں اگلے دن ہم خود ہی اسے بھول چکے ہوتے ہیں۔ یعنی ہم خود ہی اپنے مسئلے کو حل کرانے میں سیریس نہیں ہوتے۔

دعا کے پوائنٹس کاغذ پر لکھ لیں:

بہرحال اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے مسئلوں کو ترجیحات کے حساب سے کاغذ پر لکھ کر جیب یا جانماز میں رکھ لیں۔ نماز اور تسبیح فاطمہؑ ختم کرنے کے بعد محمدؐ و آل محمدؐ پر دُرود پڑھیں اور اپنا پرچہ جیب سے نکال کر اپنے مسائل ترتیب اور سلیقے کے ساتھ اپنے مالک سے بیان کریں۔ بعد میں مسئلوں کے بارے میں آپ کی ترجیحات بدل جائیں یا نئے مسئلے سامنے آ جائیں تو کاغذ پر اسی ترتیب سے انہیں لکھ کر رکھ لیں اور نماز کے بعد ان کے حوالے سے دعا کریں۔

اتنا اہتمام کیوں کریں؟

ممکن ہے بعض قارئین کو یہ اعتراض ہو کہ اللہ تو ہمارے مدعا کو ہم سے زیادہ جانتا ہے پھر دعا مانگتے وقت اس قدر اہتمام کیوں کیا جائے!

ہاں! یہ واقعی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مدّعا کو بہتر طور پر جانتا ہے لیکن وہ یہ بھی تو دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم خود اپنے مسئلے میں کس قدر سنجیدہ ہیں۔ ہم اپنے کام کے لیے یوں تو دنیا بھر کی مشکلات برداشت کر لیتے ہیں۔ کسی دفتر میں گھنٹوں لائن میں کھڑے رہ سکتے ہیں، کسی افسر سے ملنے کے لیے سارا دن انتظار کر سکتے ہیں لیکن جہاں سے اصل میں کام ہونا ہوتا ہے وہاں ہم کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کام نکالنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ دنیاوی وسائل کی اہمیت اپنی جگہ لیکن تھوڑا سا وقت اللہ کو بھی دیجیے۔

امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ ''جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے اپنے آپ کو دعا مانگنے کے لیے خوب زحمت میں ڈالو۔''

دُعا تو کرتا ہوں لیکن شاید............

میرے ایک بزرگ دوست ہیں جو کسی زمانے میں لوگوں کو مسائل کا حل بتایا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ان کے پاس ایک فون آیا اور ایک صاحب نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ وقت طے کر کے وہ صاحب آ گئے۔ ان کے چہرے اور لباس سے خوشحالی پھوٹی پڑتی تھی۔ جس کار میں وہ آئے تھے اس کی قیمت پچیس تیس لاکھ سے کم نہیں تھی۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔ ''میں آغا خان اسپتال میں ایک بڑی پوسٹ پر کام کر رہا ہوں۔ اپنا ذاتی بزنس بھی کرتا ہوں لیکن اس وقت ایک ایسے مسئلے سے دوچار ہوں کہ اس کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے چار کروڑ روپے کا چاول کویت ایکسپورٹ کیا تھا لیکن کنسائنمنٹ وہاں ڈلیور ہونے کے فوراً بعد عراق اور کویت کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور میری ساری رقم وہاں پھنس کر رہ گئی۔ وہ چاول میں نے مارکیٹ سے اٹھایا تھا۔ اب وہ لوگ مجھ سے رقم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ رقم کویت میں پھنسی ہوئی ہے۔ اب اگرچہ جنگ کو ختم ہوئے ایک سال گزر گیا لیکن کویت کی حکومت وہ رقم لوٹانے کو تیار نہیں۔'' (یہ ہم نے ان ڈاکٹر صاحب کے بیان کا خلاصہ پیش کیا ہے)

اس کے بعد وہ گویا ہوئے کہ مجھے ان باتوں پر یقین تو نہیں ہے لیکن مجبوراً اس راستے کو بھی آزمانا چاہتا ہوں۔

میرے دوست نے ان سے پوچھا۔ ''آپ نماز پابندی سے پڑھتے ہیں؟

انہوں نے کہا۔ ''جناب میرا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے ہے۔ میرے والد قرآن پاک کی خطاطی کے ماہر تھے اور ایک بڑے عالم ہو گزرے ہیں۔ میں بھی الحمدللہ قرآن کی خطاطی کرتا ہوں اور نماز پابندی سے پڑھتا ہوں۔''

''نماز کے بعد آپ دعا کرتے ہیں؟'' میرے دوست نے سوال کیا۔

''جی جی...... ہاں''۔ اس مرتبہ ان کا لہجہ ان کی ''ہاں'' کی تصدیق نہیں کر رہا تھا۔

''کتنی دیر دعا کرتے ہیں؟'' میرے دوست نے پوچھا

انہوں نے ادھر ادھر دیکھا پھر بولے۔ ''دعا تو کرتا ہوں......''

میرے دوست نے کہا۔ ''اندازاً دورانیہ بتائیے۔''

وہ بولے۔ ''شاید ایک منٹ یا کبھی اس سے کم۔''

اب میرے دوست نے ان سے کہا۔ ''آپ نے کبھی اپنا مسئلہ اپنے پالنے والے کے سامنے بھی اتنی تفصیل سے بیان کیا جس قدر تفصیل سے آپ نے ایک ایسے بے بس انسان کے سامنے بیان کیا ہے جو آپ کے لیے ہی نہیں، خود اپنے لیے بھی کچھ نہیں کر سکتا۔''

''نہیں میں نے اپنا مسئلہ اتنی تفصیل کے ساتھ واقعی کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے بیان نہیں کیا۔ آپ نے تو میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں نے اس طرح کبھی سوچا ہی نہیں تھا!''

ان صاحب نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ''آپ مجھے کوئی دعا، کوئی عمل بتائیے۔''

''آپ کو کسی خاص دعا یا عمل کی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ سمجھنے کی ضرورت یقیناً ہے کہ دعا، نماز و عبادت کا نیوکلس یعنی مغز ہے۔ یہ حدیثِ رسولؐ ہے۔ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن اس کی روح یا اس کے نیوکلس سے غافل رہتے ہیں''۔ پھر میرے دوست نے انہیں سمجھایا۔ ''دیکھیں بھائی! کسی چلّے، گنڈے تعویذ کی ضرورت نہیں۔ بس آج سے آپ طے کر لیں کہ اول وقت نماز ادا کریں گے اور نماز کے فوراً بعد ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے اپنی مشکلات بیان کریں گے اور ان مسائل سے نجات کی درخواست کریں گے۔ یہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کم از کم دس منٹ تک ہونا چاہیے اور ہاں دعا سے پہلے اور دعا کے بعد نبی کریمؐ اور ان کے اہلِ بیتؓ پر تین مرتبہ درود ضرور بھیجیں۔ پھر دیکھیں مسئلہ کس طرح حل ہوتا ہے۔''

ان صاحب نے اس بات کا وعدہ کیا اور شکریہ ادا کر کے روانہ ہو گئے۔

میرے دوست کہتے ہیں کہ وہ مجھے کوئی پیر فقیر سمجھ کر آئے تھے۔ میں نے انہیں ان کے مالک

کی طرف لوٹا دیا۔ اسی پر میرا بھروسا تھا۔ تیسرے دن ان ڈاکٹر صاحب کا فون آیا اور انہوں نے بتایا کہ ان کے دو کروڑ روپے کویت سے ریلیز ہو گئے ہیں اور باقی کا وعدہ ہو گیا ہے۔

محمدؐ و آلِ محمدؑ کو وسیلہ بنائیں:

آدابِ دعا کے سلسلے میں ایک بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اپنے اور اللہ کے درمیان محمدؐ و آلِ محمدؑ کو وسیلہ بنایا جائے اور انہی کے حوالے سے اپنی تمام دعائیں بارگاہِ الٰہی میں پیش کی جائیں اس لیے بھی کہ اگر محمدؐ و آلِ محمدؑ ہم سے اللہ کا تعارف نہ کراتے تو ہم اللہ کو کب جانتے؟ انہی ہستیوں کے ذریعے ہم نے اپنے اصل مالک کو پہچانا ہے تو اب ہمارا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ جب مالک کے پاس جائیں تو پہلے ان ہستیوں کا ریفرنس ضرور دیں۔

اس بات کو اس طرح سمجھیں:

اس بات کو اس طرح سمجھیں کہ محلے کا کوئی معزز آدمی آپ کو بے روزگار دیکھ کر آپ سے کہتا ہے کہ میرے ایک جاننے والے کے پاس بہت اچھی ملازمت ہے۔ آپ ان کے پاس جا کر میرا حوالہ دیں۔ انشاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اب ہم ان صاحب کے پاس جائیں جن کے دفتر میں ملازمت ہے اور وہاں جا کر تعارف کرانے والے کا نام ہی نہ لیں تو کیا یہ ایک غیر اخلاقی حرکت نہیں ہو گی اور کیا اس طرح نوکری ہمیں مل جائے گی؟ ریفرنس کے بغیر نوکری تو کیا دفتر میں انٹری بھی نہیں ملے گی!

ہماری کوئی دعا امام زمانہ علیہ السلام کے وسیلے کے بغیر اثر انگیزی نہیں رکھتی اس لیے کہ اللہ نے امام زمانہ علیہ السلام کو اپنے اور ہمارے درمیان وسیلہ قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیںؑ پاور انجوائے (Power Enjoy) کرنے کا بھرپور اختیار دے رکھا ہے۔ اسی لیے کائنات سے متعلق کسی معاملے میں کوئی شخص، کوئی طاقت، امام وقتؑ کو بائی پاس (By Pass) نہیں کر سکتی۔

"اور ہم نے ہر چیز کو ایک صریح و روشن پیشوا (اِمامِ مبین) میں گھیر دیا ہے۔ (سورہ یٰسین: آیت ۱۲)

جب بھی دعا مانگیں تو پہلے مومنین و مومنات (زندہ یا مردہ) خاص طور پر اپنے والدین، اپنے گھر والوں، اپنے بچوں، رشتہ داروں، دوستوں، پڑوسیوں، علمائے کرام اور عام مسلمانوں کے لیے دعا کریں اس کے بعد اپنے لیے دعا مانگیں۔

دعا مانگتے وقت آپ ایسے بادشاہ کے دربار میں کھڑے ہوتے ہیں جو ساری کائنات کا خالق ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کی مخلوق ہے۔ اللہ کے خزانے لامحدود ہیں اور وہ عطا کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ جس دربار میں نعمتیں اور رحمتیں اس طرح بٹ رہی ہوں، وہاں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لیے مانگتے وقت اپنے جیسے دوسرے انسانوں اور ضرورت مندوں کے لیے بھی جس حد تک نعمتیں سمیٹ سکتے ہیں سمیٹ لیجیے اور انہیں تحفے کی شکل میں پیش کیجیے۔

دوسروں کے لیے دعا:

اپنے دوستوں، رشتے داروں اور تمام دوسرے مومنین، مسلمین اور تمام انسانوں کو گھر بیٹھے فائدہ پہنچنے کی یہ مفت اور انوکھی سہولت (Facelity) اللہ کے سوا کون آپ کو پیش کر سکتا ہے! مزے کی بات یہ ہے کہ آج دنیا میں اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر آپ دوسرے کو فائدہ پہنچائیں گے تو کل آپ یہاں ہوں یا اگلی دنیا میں بے شمار لوگ اسی سہولت (Facelity) کے ذریعے آپ کو طرح طرح کے تحائف ارسال کر رہے ہوں گے۔

خاص بات یہ ہے کہ دوسروں کے لیے دعا کرنے میں آپ کو اپنا مدعا تو ملے گا ہی اس کے علاوہ جن نعمتوں کو آپ نے دوسروں کے لیے طلب کیا ہے ان پر الگ سے ایک گراں قدر INCENTIVE بھی آپ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہوتا رہے گا۔

یہ تو ہم بیان کر ہی چکے ہیں کہ شیطانوں اور نیک انسانوں کے اکاؤنٹ الگ الگ کھلے ہوئے ہیں۔ نیکو کاروں کے اکاؤنٹ کا نام "عِلّیین" اور شیطانوں کے اکاؤنٹ کو "سجّین" کہا گیا ہے۔ شیطانوں نے دنیا میں جو برائیاں پھیلا دی ہیں، جن کو گمراہ کر دیا ہے اور گمراہ کر رہے ہیں تو ان سب کے اکاؤنٹ بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔

باب: ۲۲

دُعا قبول ہونے کے اوقات

دعا قبول ہونے کے بہت سے خاص اوقات ہیں۔ مثلاً مریض کی عیادت کے وقت، موسلا دھار بارش کے دوران۔ ویسے روزانہ چوبیس گھنٹے کے دوران قبولیت دعا کے سب سے بہترین اوقات دن میں پانچ مرتبہ ہمیں نصیب ہوتے ہیں۔ دن بھر میں پانچوں وقت کی نماز کے اول اوقات، دعا قبول ہونے کے سب سے بہتر اوقات ہیں۔ کیونکہ یہ اوقات رب العالمین کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔

اللہ نے کائنات کو تخلیق کرتے وقت ہماری زمین کے لیے ایک مخصوص نظام شمسی اور نظام الاوقات مقرر کیا۔ اس نے یقیناً زمین کے اوقات میں سب سے بہترین اوقات، اپنے دربار میں اپنے بندوں کی حاضری کے لیے منتخب کیے ہوں گے۔

اگر کوئی بندہ اوّل وقت میں نماز ادا کرے:

اب اگر کوئی بندہ اذان ہوتے ہی اول وقت میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے اور اس کے بعد دعا کرے یا نماز شب ادا کرے اور آخر شب میں اللہ رب العالمین کے حضور اپنی درخواست پیش کرے تو اس کی دعا کس طرح رَد ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے فوری طور پر معلوم نہ ہو سکے کہ اس کی دعا قبول ہو چکی ہے۔ وہ اللہ سے کنکر، پتھر مانگ رہا تھا۔ اللہ نے اسے ہیرے، جواہرات عطا کر دیے ہیں۔ حضرت موسیٰ ابھی حضرت علیہ السلام نہیں ہوئے تھے۔ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایک سفر پر جا رہے تھے۔ سخت سردی اور اندھیرا۔ ایک سمت میں انہیں روشنی نظر آئی۔ انہوں نے اپنے بال بچوں سے کہا کہ تم لوگ یہاں ٹھہرو، میں اس آگ میں سے کچھ انگارے لے کر آتا ہوں۔ جب وہ آگ کے قریب پہنچے تو انہیں آواز آئی۔ ''اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں۔ اپنی

جوتیاں اتارو۔تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔میں نے تمہیں چُن لیا ہے۔اب تم پر وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنو"۔اب آپ غور فرمائیں کہ حضرت موسیٰؑ صرف اپنی مشکل دور کرنے اور ایک دنیاوی حاجت یعنی آگ اور انگاروں کی خواہش میں وہاں گئے تھے۔ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ انہیں اولی العزم پیغمبر کا مرتبہ مل جائے گا۔

خدا کی دین کا موسیٰؑ سے پوچھیے احوال

کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

دیکھا آپ نے! حضرت موسیٰؑ کیا مانگ رہے تھے اور انہیں ملا کیا؟

اذان کا مطلب ہے اللہ آپ کو اپنے پاس بلا رہا ہے۔ان اوقات میں اللہ رب کریم خود ہی تو بندوں کو اپنے پاس بلاتا ہے اور اللہ رب العالمین جیسے میزبان سے بعید ہے کہ وہ اپنے بلائے ہوئے مہمان کو انٹرٹین (Entertain) نہ کرے۔ہمیں پیغمبری نہ ملے،پیغمبروں کے راستے پر چلنے کی توفیق تو مل ہی سکتی ہے۔

دعا قبول ہونے کے خاص اوقات:

دعا قبول ہونے کے خاص اوقات کے بارے میں آپ بھی جانتے ہیں۔مثلاً مریض کی عیادت کے وقت یا موسلا دھار بارش کے دوران یا جب خطبہ نکاح پڑھا جا رہا ہو۔آپ اللہ سے دعا کریں تو اس کے نتائج بہت جلد ظاہر ہوتے ہیں۔

لیکن یہ مواقع روز روز کہاں ملتے ہیں۔نہ روزانہ بارش برستی ہے اور نہ ہر روز کسی مریض کی عیادت کا موقع ملتا ہے۔نہ ہر دن کوئی نکاح ہوتا ہے اس لیے اللہ رب کریم نے ان خاص اوقات کے علاوہ بھی کچھ خاص اوقات مقرر کیے ہیں اور یہ اوقات دن میں پانچ مرتبہ آپ کو دستیاب ہوتے ہیں۔

اوقاتِ نماز،قبولیت دعا کے اوقات ہیں:

بھئی دیکھئے نا! اللہ نے پانچ وقت کی نمازوں کے لیے مخصوص اوقات مقرر کیے ہیں۔اس کی

کوئی وجہ تو ضرور ہوگی۔ اگر نمازوں کے پڑھوانے سے اس کا مقصد صرف اپنی عبادت کرانا ہوتا تو شاید وہ اس معاملے میں انسانوں کو آزاد چھوڑ دیتا کہ چوبیس گھنٹوں میں سترہ رکعت نماز اپنی سہولت کے مطابق کسی وقت بھی پڑھ لی جائے۔

فجر، ظہر، عصر، مغرب، اور عشاء کی نمازوں کے الگ الگ اوقات مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی! لیکن اس نے نہ صرف ہر نماز کے لیے الگ الگ اوقات مقرر کیے بلکہ واضح طور پر حکم بھی دیا کہ نماز پابندی وقت کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہماری نمازوں کے ذریعے وہ صرف اپنی عبادت ہی نہیں چاہتا۔ ان نمازوں کے ذریعے وہ اپنے بندوں کی جسمانی وروحانی بہتری بھی چاہتا ہے۔ نہ ہماری نمازیں اس کی عظمت میں اضافہ کرسکتی ہیں اور نہ ہماری نافرمانیاں اس کے مقام کو کم کرسکتی ہیں۔ یہ سارے احکامات تو سو فی صد ہمارے ہی فائدے کے لیے ہیں۔

خلائی سائنس بتا سکتی ہے:

مسلمانوں نے خلائی سائنس کے میدان میں ترقی کی ہوتی یا اس میدان میں اپنی ترقی کو برقرار رکھا ہوتا یا اپنے علمائے قرآن کی عزت کی ہوتی تو شاید وہ جان سکتے کہ اللہ نے انسانوں کو اپنے دربار میں بلانے کے لیے جو پانچ وقت مقرر کیے ہیں، ان اوقات میں ہماری زمین کائنات کے کس حصے میں ہوتی ہے۔ کائنات کے اس حصے میں اس وقت وہاں موجود مختلف ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں سے نکلنے والی کون سی شعاعیں، کرنیں اور لہریں اور کون سی کاسمک ریڈی ایشنز (Cosmic Radiations) زمین پر صفیں باندھ کر نماز پڑھنے والوں کے قیام، رکوع اور سجدوں کی حالت میں ان کے جسم وروح پر کون سے زندگی بخش اثرات مرتب کرتی ہیں۔

روس اور امریکہ کے سائنس دانوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ خلائی اسٹیشن میں بیٹھ کر اس موضوع پر تحقیقات کریں۔ انہیں قدرت اپنی نت نئی نشانیاں دکھا بھی دیتی ہے لیکن وہ ایسی باتیں دنیا کو کیوں بتائیں جو قرآن کی تعلیمات کی حقانیت ثابت کرتی ہوں۔

تمہارا رزق آسمان میں ہے:

خلائی سائنس انسانوں کو یہ بھی بتا سکتی ہے یا مستقبل میں بتا سکے گی کہ زمین جو آٹھ سو کلومیٹر فی گھنٹا کی رفتار سے اپنے محور پر گھومتے ہوئے اسی ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے بیکراں خلاء میں سورج کے گرد چکر لگا رہی ہے، چوبیس گھنٹوں میں ہر چھ سوا چھ گھنٹوں کے بعد انسانوں کو لامحدود کائنات میں موجود ان مخصوص مقامات یا سورج اور دوسرے ستاروں کے سامنے ان زایوں پر پہنچا دیتی ہے جہاں انسانی آنکھ کو نظر تو کچھ نہیں آتا لیکن ان کے جسم وروح اور کرۂ ارض پر بہترین انداز سے زندگی گزارنے کے لیے جس طرح کے رزق اور توانائی کی ضرورت پڑ سکتی ہے وہ تمام چیزیں کائنات کے ان مقامات پر بہ آسانی دستیاب ہوتی ہیں۔

''تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے۔'' (سورہ الزاریات: آیت ۲۲)

اوقات نماز اور زمین وآسمان کی گردش کے درمیان کوئی رشتہ ضرور ہے:

زمین، سورج کے سامنے اپنے محور پر آٹھ سو کلومیٹر فی گھنٹہ کے حساب سے گھوم رہی ہے اور خلا میں اپنے مدار پر اسّی ہزار کلومیٹر کی رفتار سے سورج کے گرد سفر کر رہی ہے۔ لاکھوں کروڑوں سال سے اس کی یہی رفتار ہے اور یہی راستہ۔

آپ اگر اوقات نماز پر غور فرمائیں تو فجر سے ظہرین، پھر مغربین سے نماز شب کے اوقات میں ساڑھے چھ یا سوا چھ گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے۔ اس وقفے میں زمین اپنے محور پر 5200 مرتبہ سورج کے سامنے گھوم چکی ہوتی ہے اور سورج کے گرد دوڑتے ہوئے بیکراں خلاء میں پانچ لاکھ بیس ہزار (5,20000) کلومیٹر کا فاصلہ طے کر چکی ہوتی ہے۔

اب مجھے اور آپ کو کیا معلوم کہ زمین کے اپنے محور پر پانچ ہزار دو سو مرتبہ گھومنے سے کیا ہوتا

ہے اور سورج کے گرد ہر ساڑھے چھ گھنٹے میں پانچ لاکھ بیس ہزار کلومیٹر کے بعد زمین بیکراں کائنات میں کن مقامات پر پہنچتی ہے اور وہاں کیا کیا ہوتا ہے؟ اس وقت کون کون سے ستارے، کہکشائیں اور کہکشاؤں کے جھرمٹ اس کے سامنے ہوتے ہیں؟ ان ستاروں اور کہکشاؤں سے سے کون سی ریڈی ایشنز خارج ہو رہی ہوتی ہیں؟ زمین کے اپنے محور پر پانچ ہزار دو سو مرتبہ گھومنے سے اس مقناطیسی میدان (Magnetic Field) پر کیا اثر ہوتا ہے اور مقناطیسی لہروں میں یہ تبدیلی انسانوں پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے؟

میں کوئی سائنسی ثبوت تو فی الحال پیش نہیں کر سکتا لیکن مجھے یقینِ کامل ہے کہ اوقات نماز اور زمین و آسمان کی گردش کے درمیان کوئی رشتہ ضرور ہے اور یہ ایسا ہی رشتہ ہے جیسا سورج کی توانائی اور زمین پر زندگی کی نشو و نما کے درمیان ہے۔

سورج کی روشنی اور توانائی زمین تک آتی ہے تو ہمیں بہ ظاہر کچھ نظر نہیں آتا کہ اس روشنی اور توانائی سے کیا ہوا؟ لیکن اس روشنی اور توانائی سے سمندروں کا کروڑوں ٹن پانی فضا میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اس توانائی سے برف پگھلتی ہے، دریا، ندی، نالے بہتے ہیں، فصلیں اُگتی ہیں، پیڑ بڑھتے ہیں، پھول کھلتے ہیں، پھل نمودار ہوتے ہیں، بادل برستے ہیں، موسم بدلتے ہیں۔ ہماری جلد سورج کی توانائی سے ہمارے لیے وٹامن D بناتی ہے اور سارے جسم کو فراہم کرتی ہے۔ سورج کی تپش اور روشنی کے یہ فائدے تو آج ہم سب کو معلوم ہیں۔ پانچ اوقات میں زمین ہمیں کن کن مقامات پر پہنچاتی ہے اور وہاں ہمارے لیے کیا کچھ موجود ہوتا ہے۔ یہ ابھی قطعی طور پر کسی کو معلوم نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے ایک سسٹم بنا دیا ہے:

اللہ تو ہر جگہ موجود ہے لیکن اس نے ہر کام کے لیے ایک سسٹم بنا دیا ہے۔ پانی کا گلاس کبھی اڑ کر ہمارے ہاتھ میں نہیں آئے گا کیوں کہ اس مقصد کے لیے اللہ نے ہمیں ہاتھ پیر ہی نہیں عقل، ارادہ اور مطلوبہ طاقت بھی فراہم کر دی ہے۔ اب ہم لاکھ دعائیں مانگتے رہیں لیکن جب تک اپنا ہاتھ نہیں بڑھائیں گے اس وقت تک ہماری پیاس نہیں بجھے گی۔ اوقات نماز، زمین کے

سب سے بہترین اوقات ہیں اسی لیے تو اللہ رب العالمین نے ان اوقات کو اپنے بندوں کو اپنے پاس بلانے کے لیے مخصوص کیا ہے۔ یہ پانچ وقت بھی اللہ کے اسی سسٹم کا حصہ ہیں جن کے ذریعے بندوں کے مسائل حل ہوتے ہیں۔

اوقاتِ نماز اور ہم:

اب جس وقت رب العالمین کے حکم کے مطابق انیس کروڑ انہتر لاکھ اکیاون ہزار (196951000) مربع میل کا 6600000000000 میٹرک ٹن وزنی یہ کرۂ ارض گردش کرتا ہوا، ہمیں کائنات کے ان مخصوص حصوں میں پہنچا رہا ہوتا ہے جہاں سے ہم ہر طرح کا رزق اور توانائی حاصل کر سکتے ہیں، اس وقت اذان کی آواز سن کر اٹھنے اور رزق حاصل کرنے کے لیے دوڑنے کی بجائے کچھ لوگ کروٹ بدل کر دوبارہ سو جائیں، ٹی وی پر بے مصرف ڈرامے، بے نتیجہ ٹاک شو یا ایک احمقانہ مزاحیہ پروگرام کے ختم ہونے کا انتظار کرتے رہیں یا سستی اور کاہلی کا شکار ہو جائیں اور پھر غربت، بیماری، عدم تحفظ، کند ذہنی اور زندگی کی دوڑ میں دوسروں کے آگے بڑھ جانے کا شکوہ کریں تو اس میں قصور کس کا ہے۔

دیکھیں! اگر آپ سسٹم سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اس سسٹم کو فالو کرنا پڑے گا۔ فالو کریں گے تو کام بنے گا۔ نہیں کریں گے تو نہیں بنے گا۔

بہت ہی خاص اوقات:

ان پانچ اوقات کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے روزانہ قبولیت دعا کے ایسے بہترین اوقات بندوں کو عطا کیے ہیں کہ ہر انسان مکمل ذہنی یکسوئی کے ساتھ، بالکل تنہائی میں اپنے مالک سے دل کا حال کہہ سکے۔

دن بھر اور رات کے گیارہ بارہ بجے تک تو ہم لوگ دنیا کے چکروں میں مصروف رہتے ہیں۔ اس سارے عرصے میں ہمارے اردگرد کی فضا میں ٹی وی چینلز کی پھیلائی ہوئی نشریاتی آلودگی عروج پر ہوتی ہے کہ ہر طرف ٹی وی کھلے رہتے ہیں اور ان کی مہلک ریڈی ایشنز دماغ کو ڈی

ٹریک کرتی رہتی ہیں۔ایسے ماحول میں ذہنی یکسوئی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر جیسے جیسے رات ڈھلنے لگتی ہے تو دماغ میں سکون اور ذہنی یکسوئی کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے۔اللہ نے یہی اوقات نمازشب جیسی عظیم عبادت کے لیے مخصوص کیے ہیں۔

جب کوئی شخص اس نماز کی نیت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نماز شب پڑھتا ہوں اللہ سے قریب ہونے کے لیے تو بلاشبہ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے صرف زبانی طور پر اللہ سے قریب ہونے کی نیت نہیں کی بلکہ وہ واقعی محسوس کرے گا کہ وہ اللہ سے کس قدر قریب ہو گیا ہے۔ کتنا قریب! اس کی کوئی حدو انتہا نہیں ہے۔اس کیفیت میں دل کی سچائی اور بار بار کی پریکٹس کے ذریعے ہر روز اضافہ کیا جا سکتا ہے۔اللہ رب العالمین نے رات کے آخری حصے اور صبح کاذب کے اوقات قربتہ الی اللہ کی اس خاص الخاص کیفیت کو حاصل کرنے کے لیے اپنے بندوں کو عطا کیے ہیں۔

اوّل وقت نماز:

اوّل وقت میں نماز ادا کرنے کی بڑی فضیلت ہے اور دیر سے نماز پڑھنے والوں کی ہمارے موجودہ امام، قائمِ آلِ محمد علیہ السلام نے سخت مذمت کی ہے امام زمانہ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

''ملعون ہے، ملعون ہے، وہ شخص جو صبح کی نماز اتنی دیر سے ادا کرے کہ ستارے آسمان سے غائب ہو جائیں اور مغرب کی نماز اتنی دیر سے ادا کرے کہ آسمان پر ستارے چھٹک جائیں۔ یعنی آسمان پر ستارے چمکنے لگیں۔ (حوالہ: اصولِ کافی)

آپ نے دیکھا کہ تاخیر سے نماز ادا کرنے والوں کو امامؑ وقت نے دو بار ملعون کہہ کہ مخاطب کیا ہے۔ہم انھی امامؑ کے دور میں زندہ ہیں (اللہ تعالیٰ ہمیں انؑ کے ظہور کے وقت تک زندہ رکھے)

ہمیں چاہیے کہ اذان ہوتے ہی ہم خود بھی فوراً نماز کے لیے کھڑے ہو جائیں اور اپنے گھر والوں کو بھی اول وقت میں نماز پڑھنے کی تاکید کریں۔آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم نماز پڑھیں تو اس سے امام علیہ السلام کو ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اگر آپ اور میں نماز نہ پڑھیں تو بھی اس سے امام علیہ السلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔امام علیہ السلام کا یہ فرمان تو ان کی ہم سے محبت کی دلیل

ہے۔ماں باپ بھی تو اکثر اسی طرح اپنے بچوں کی سرزنش کرتے ہیں۔

دعا قبول ہونے میں دیر کیوں ہوتی ہے؟

اگر آپ نے اپنی شرعی ذمے داریوں کو کسی حد تک ادا کرتے ہوئے اللہ سے کچھ مانگا ہے اور آپ کو بظاہر نہیں ملا تو یقین کیجیے کہ آپ نے جو مانگا تھا اس سے کہیں زیادہ آپ کو مل چکا ہے لیکن یہ حقیقت ابھی آپ کے علم میں نہیں ہے۔

کبھی کبھی بچے اپنے والدین سے ایسی چیز کے لیے ضد کرتے ہیں جو اگر انہیں مل جائے تو ان کے لیے مہلک ثابت ہو گی۔مثلاً ایک دس سالہ بچہ ضد کرے کہ مجھے اسکوٹر دلا دی جائے تو سمجھ دار والدین کسی قیمت پر اسے اسکوٹر نہیں دلائیں گے کیونکہ اسکوٹر سے حادثات کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اور اسے ایک سات سالہ بچہ چلائے تو خطرے کے امکانات کہیں زیادہ بڑھ جائیں گے۔اس لیے والدین اپنے بچے سے یہ کہتے ہیں کہ تم ذرا بڑے ہو جاؤ۔ہم تمہیں اسکوٹر نہیں کار دلا دیں گے۔

اب والدین خلوص دل سے ارادہ رکھتے ہیں کہ مناسب وقت پر اپنے بچے کو ایک خوب صورت اور آرام دہ کار دلا دیں گے لیکن بچے کو کار کی سہولتوں اور تحفظ کا اندازہ ہی نہیں ہوتا، وہ اسکوٹر ہی کے لیے ضد کرتا رہتا ہے۔

> ''ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو۔حالانکہ وہ تمہارے لیے مفید ہو اور شاید تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو (اور حقیقت میں) وہ تمہارے لیے بُری (نقصان دہ) ہو۔'' (سورہ بقرہ: آیت ۲۱۶)

باب: ۲۳

دن میں پانچ مرتبہ

ذرا کسی اور سے اپنے مسائل بیان کر کے دیکھیں۔

آپ کا کوئی دوست، رشتے دار، محبت کرنے والا، اللہ کے سوا ہے؟ جس کے پاس آپ دن میں پانچ مرتبہ جائیں اور ہر مرتبہ اس سے اپنا ایک نیا مسئلہ بیان کریں اور وہ ہر مرتبہ آپ سے ہمدردی اور شفقت کے ساتھ پیش آئے۔ ہر مرتبہ آپ کی بات پوری توجہ سے سنے، ہر مرتبہ چلتے چلتے، بہت سے قیمتی تحفے بھی آپ کے ہاتھوں میں تھما دے۔ ''اچھا نہیں لگتا کہ تم میرے پاس آؤ اور میں تمہیں خالی ہاتھ لوٹا دوں۔''

آپ کا قریب ترین عزیز اور جان نثار کرنے والا دوست بھی دو تین دن ہی میں آپ کو ٹالنے کے بہانے اور جواز تلاش کرنے لگے گا اور اس میں اس کا کوئی قصور بھی نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کی صلاحیتیں، اس کے وسائل، اس کی برداشت بس اتنی ہی ہے۔

ایک مہربان ہے:

ہاں! بس ایک دوست اور مہربان ایسا ہی ہے کہ آپ اس کے پاس ہزار مرتبہ بھی جائیں تو وہ آپ کے آنے سے ہر مرتبہ خوش ہوگا اور آپ کو خوش کر دے گا۔ اگرچہ وہ بے نیاز ہے۔ اسے آپ سے کچھ لینا دینا نہیں۔ آپ سے اسے کوئی فائدہ ملنے والا نہیں۔ وہ تو صرف آپ کو اپنے قریب دیکھنا چاہتا ہے، ہمیشہ آپ کے فائدے کی سوچتا ہے۔

اس کے دربار میں حاضر ہونے کے لیے آپ کو اجازت نہیں صرف نیت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ پاکیزگی اور طہارت تو بہر حال ضروری ہیں۔ بس اور کوئی شرط نہیں اور ہاں وہ آپ کی

توجہ ضرور چاہتا ہے کہ اس میں آپ کا اپنا فائدہ ہے۔کوئی ایمرجنسی ہوتو پاکیزگی اور طہارت بھی لازمی نہیں۔آپ اسے دل ہی دل میں مدد کے لیے پکار سکتے ہیں۔

آپ کے پروردگار نے آپ کو یہ سہولت عطا کی ہے کہ آپ دن میں پانچ مرتبہ اپنے خالق و مالک کے دربار میں حاضر ہوسکتے ہیں اور اس دوران گزرنے والے اچھے یا برے واقعات، مشکلات و مسائل کے حوالے سے اپنے خالق و مالک سے کھل کر اپنے دل کا حال، اپنی کیفیت، اپنی پریشانی بیان کر سکتے ہیں۔اس یقین کے ساتھ کہ وہ تمام مسائل، مشکلات، امراض اور دشمنوں کو ایک لمحے میں دور کرسکتا ہے۔

میر انیسؔ مرحوم صرف شاعر ہی نہیں تھے، وہ صاحب عرفان شخصیت بھی تھے اور دین و مذہب کا حقیقی اور واضح عقیدہ رکھتے تھے۔جناب حُر کے حال کا ایک مرثیہ ''بہ خدا فارس میدان تہوّر تھا حُر'' ان کا ایک بے مثال مرثیہ ہے۔اس مرثیے میں میر انیس نے جناب حُر کا استغاثہ، ایک فریاد، نظم کی ہے۔جناب حُر جب فوج یزید سے نکل کر امامِ عالی مقامؑ کے خیمے کی طرف بڑھتے ہیں تو امام علیہ السلام سے فریاد کرتے ہیں۔معافی کے طلب گار ہوتے ہیں۔قدموں میں گر جاتے ہیں۔جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں میر انیسؔ کے اس لازوال مرثیے سے چند بند آپ کو بھی سناؤں۔

استغاثہ جو کیا حُر نے یہ بادیدۂ نم
جوش میں آگیا اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھے ہاتھوں کو پھیلائے شہنشاہِ اُممؑ
حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُس دَم

شکر کر سبطِ رسول الثقلینؐ آتے ہیں
لے بہادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیرؑ
دوڑ کر چوم لیے پائے سرِ عرش سَریر
شہہؑ نے چھاتی سے لگا کر کہا، اے با توقیر
میں نے بخشی، میرے اللہ نے بخشی تقصیر

میں رضامند ہوں کس واسطے مُضطر ہے تو
مجھ کو عباسِ دلاور کے برابر ہے تو

کس کے کیوں باندھا ہے ہاتھوں کو میں ہوتا ہوں خجل
سہل کر دیں اسے، گر اور کوئی ہو مشکل
بھائی......آ مجھ سے بغل گیر تو ہو کھول کے دل
غافر و راحم و توّاب ہے ربِّ عادل

جُرم سب محو کیے حق نے ترے دفتر سے
آج پیدا ہوا گویا شکمِ مادر سے

جنابِ حُر امامِ عالی مقام کی عنایات کا شکریہ ادا کرتے ہیں تو امام علیہ السلام فرماتے ہیں۔

شہہؑ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب
دے کسی شخص کو بندے میں یہ مقدور ہے کب
اُس مسبّب کی عنایت کے یہ سارے ہیں سبب
وہی منعم، وہی محسن، وہی رازق، وہی رب

اپنے کیسے سے نہ دام اور درہم دیتے ہیں
جب وہ خالق ہمیں دیتا ہے تو ہم دیتے ہیں

لاکھ ہاتھ اس کے ہیں دینے کے، وہ ایسا ہے جَواد
ہم اسے بھولیں تو بھولیں، وہ ہمیں رکھتا ہے یاد
رزق وہ حوصلۂ حرص سے دیتا ہے زِیاد
شکر کرتے نہیں معبود کا اس پر بھی عِباد

وہ غنی ہے کہ ہے محتاج زمانہ اس کا
کبھی خالی نہیں ہوتا ہے خزانہ اس کا

میں جب یہ سطریں لکھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت آپ کی بات سننے کو تیار رہتا ہے، موجود رہتا ہے تو اس وقت مجھے میر انیسؔ کے اس مرثیے کا درج ذیل یہ بند یاد آیا تھا۔

جس قدر اس سے طلب کیجیے خوشنود ہے وہ
صاحبِ جُود ہے، وہّاب ہے، محمود ہے وہ
ہاتھ پھیلائیں جو سو بار تو موجود ہے وہ
بخش دیتا ہے کہ ہم عَبد ہیں، معبود ہے وہ

پرورش جرم پہ بھی صبح و مَسا ہوتی ہے
یاں سے ہوتی ہے خطا، واں سے عطا ہوتی ہے

میرے ایک دوست جناب حُرؑ کے اس استغاثے کو اکثر نماز فجر یا عشاء کے بعد پڑھتے ہیں۔ حُرؑ کی جگہ خود کو تصور کرتے ہیں اور میر انیسؔ کے لفظوں میں امام حسین علیہ السلام سے استغاثہ کرتے ہیں۔

جناب حُرؑ کا مکمل استغاثہ ہم نے بہت خواہش کے باوجود جگہ کی کمی کے سبب نقل نہیں کیا

باب: ۲۴

ہم اللہ سے کیا چاہتے ہیں؟

اوراس کے بندوں کے ساتھ ہم کیا کرتے ہیں!

اب ذرا بات کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے، اپنے مہربان مالک سے کیا طلب کرتے ہیں اور اگر وہی چیز اللہ کا کوئی بندہ ہم سے طلب کرے تو اس وقت، اس بندے کے ساتھ ہمارا رویّہ کیا ہوتا ہے؟

مثلاً: ہم رب کریم سے خواہش کرتے ہیں، دعا مانگتے ہیں، اس سے درخواست کرتے ہیں کہ "استغفر اللہ رَبی وَ اَتُوبُ اِلیہ" اے میرے رب! میرے گناہوں کو چھپالے، میں تجھ سے توبہ کرتا ہوں۔"

یہ وہ گناہ ہوتے ہیں جنہیں میں ہی جانتا ہوں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک گناہ بھی کسی شخص کو بھی معلوم ہو جائیں تو جلد ہی طشت از بام ہو جائے گا۔ لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے۔ مجھے ہر جگہ سے دھتکار دیا جائے گا۔ آخرت میں جو انجام ہوگا وہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ اسی لیے میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے گناہوں کو چھپالے، معاف کردے، میں توبہ کرتا ہوں۔

رب العالمین، اللہ جلّ شانہ کیا کرتا ہے ہمارے ساتھ؟ اگر آپ نے توجہ کے ساتھ معافی چاہی تو مالک اس گناہ کو اسی وقت معاف کر دیتا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز فجر سے پہلے تین مرتبہ یہ کلمات اپنے دل وزبان سے جاری کرے تو اس کے گناہ خواہ سمندروں کے جھاگ کے برابر ہوں یکسر مٹا دیے جاتے ہیں۔ اَستغفِر اللہ رَبّي وَاَ توبُ اِلیه.

اگر اللہ کا بندہ ہم سے معافی طلب کرے:

ہمارے پاس اگر اللہ کا کوئی بندہ آئے۔ ہمارا ملازم، دوست، رشتے دار، پڑوسی، کوئی دفتر کا ساتھی اگر ہم سے اپنی غلطی کی معافی طلب کرے تو ہمارا روّیہ کیا ہوتا ہے؟ ہم شاید کبھی بھی اسے معاف نہیں کرتے۔ زبانی معاف بھی کر دیا تو بھی اس کی غلطی کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔

یہی نہیں...... ہمیں کسی کے گناہ کے بارے میں معلوم ہو جائے تو یہ خبر ہمیں اس وقت تک بے چین رکھتی ہے جب تک ہم اسے کسی دوسرے شخص سے بیان نہ کرلیں۔ اس طرح ہم اپنے اعمال میں غیبت جیسے عظیم گناہ کو شامل کر لیتے ہیں۔ ''ارے یار بس کیا بتاؤں۔ نام نہیں لینا چاہتا، غیبت ہو جائے گی...... تم اسے جانتے ہو، ہاں...... بس اپنے تک رکھنا...... تمہیں پتا چلا......''

آپ نے سب کچھ کہہ بھی دیا اور اپنی دانست میں کچھ بھی نہیں کہا۔ پھر جس شخص سے آپ نے اپنا دل ''ہلکا'' کیا، وہ ''بیچارہ'' بھی تو کہیں اپنا دل ہلکا کرے گا۔ گویا ہم کسی کا گناہ چھپانے کو تیار نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے استغفار کی لمبی لمبی تسبیحیں پڑھتے رہتے ہیں۔ تو جناب اگر ہم معافی چاہتے ہیں تو معاف کرنا سیکھیں۔ ورنہ ہماری معافی کی طلب بے معنی ہوگی۔

کوئی شخص اپنی مشکل میں ہمارے پاس آئے:

ہم مشکل اور تنگ دستی میں مبتلا ہوتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غیب کے خزانوں سے ہماری مدد کرے لیکن اللہ کا بندہ ایسی ہی مشکل میں ہمارے پاس آتا ہے کہ ہم اس کی شکل دیکھ کر ہی ساری بات سمجھ جاتے ہیں اور وسائل ہونے کے باوجود مہنگائی، بلوں اور اپنے خرچوں کا رونا شروع کر دیتے ہیں تاکہ آنے والا اپنا مسئلہ بیان کرنے کی ہمت ہی نہ کرے۔ بہت سے دوستوں اور رشتہ داروں کو تو ہم نے اپنے روّیے سے اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ وہ کبھی ہم سے اپنی مشکل، اپنا مسئلہ بیان کرسکیں۔

فقیروں اور گداگروں کا معاملہ:

یہ تو دوستوں اور رشتہ داروں کی بات ہوئی۔ راستے میں کوئی فقیر، سگنل پر کوئی عورت یا بچہ

ہمارے آگے ہاتھ پھیلائے تو اکثر لوگ ان مانگنے والوں کو حقارت سے ڈانٹتے ہیں۔ میں نے اپنے ایک ایسے ہی دوست سے پوچھا کہ بھائی انہیں نہیں دینا چاہتے تو نرمی سے انکار کردیں۔ اس قدر حقارت سے ڈانٹنے کی کیا ضرورت تھی؟ انہوں نے کہا۔" ارے بھائی! یہ سب پروفیشنل ہیں۔ چرس پیتے ہیں، نشہ کرتے ہیں۔ ان کے گروپ بنے ہوئے ہیں۔ یہ جرائم پیشہ لوگ ہیں۔"

میں نے کہا۔" ہم بھی تو اپنے مالک سے دن رات جھوٹ بولتے ہیں۔ کبھی کبھی ہم اتنے مظلوم ہوتے نہیں جتنا کہ اس کے احسانات اور اپنے جرائم کو بھول کر اللہ کے سامنے خود کو مظلوم ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تو کبھی ہمیں اس طرح نہیں جھڑکتا۔ وہ ہمارے جھوٹ کو جاننے کے باوجود ہماری مدد کر دیتا ہے۔ پھر وہ جو کچھ ہمیں دیتا ہے اس سے ہم اکثر وہ کام کرتے ہیں جو اسے بالکل پسند نہیں۔

بالکل اس طرح جیسے ہمیں ان مانگنے والوں کا چرس پینا اور نشہ کرنا پسند نہیں ویسے ہی اللہ تعالیٰ کو ہمارے جھوٹ اور جرائم پسند نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نہ کسی سے کچھ کہتا ہے، نہ ہمیں ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے، نہ ذلیل کر کے دیتا ہے۔"

یہ واقعہ بیان کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ غیر مستحق لوگوں میں دولت بانٹنے لگیں۔ بس گزارش یہ ہے کہ دوسروں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ مانگنے والے کے ہاتھ پر ممکن ہے تو کچھ نہ کچھ رکھیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کا قول ہے:" تمہارے دروازے پر سائل، اللہ کی جانب سے ایک تحفہ ہے۔"

آپ ڈاک خرچ (یعنی صدقہ) نہ دیں لیکن سائل کے ساتھ نرمی سے بات کر کے تحفہ تو وصول کرلیں۔

ایک اور مقام پر آپؑ نے فرمایا:" سائل کے ہاتھ پر کچھ نہ کچھ رکھو۔ خواہ وہ جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔" (حوالہ: نہج البلاغہ)

بات ذرا لمبی ہوگئی۔ ہم تقابل کر رہے تھے کہ ہم اللہ سے کیا چاہتے ہیں اور اللہ کے بندوں کے ساتھ ہم کیا کرتے ہیں۔

ہم جب کسی سخت مشکل میں ہوں تو چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری فوری مدد فرمائے، کسی طرح

ہمیں اس مشکل سے نکالے۔لیکن ہم روزانہ اپنے ہی جیسے دوسرے ہزاروں افراد کو سخت مصیبتوں میں مبتلاء دیکھتے ہیں لیکن ان کی مصیبت کو محسوس ہی نہیں کرتے۔کچھ اور نہیں تو دل سے ان کے لیے دعا تو ہم کرہی سکتے ہیں۔

غریب رشتے دار، غریب دوست اور پڑوسی مشکل میں ہوتے ہیں مگر ہم ان کی مدد کرنے کی پوزیشن میں بھی ہوتے ہوئے بھی ''آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل'' کے مصداق انہیں بھول جاتے ہیں۔آپ مالی مدد نہیں کرسکتے تو کم از کم ان کی مزاج پُرسی اور خوش دلی کے ساتھ ان سے ملاقات اور اپنی باتوں سے ان کے دل کا بوجھ تو ہلکا کرسکتے ہیں۔ان کے پاس جاکر ان کی تنہائی تو دور کر سکتے ہیں۔چند قدم چل کر کسی سے ان کی سفارش تو کرسکتے ہیں۔

ایک شخص امام حسین علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ میرا ایک کام فلاں شخص کے پاس پھنسا ہوا ہے اگر آپ چل کر میری سفارش کر دیں تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔امام حسین علیہ السلام سارے کام چھوڑ کر اس کے ساتھ چل دیے۔

راستے میں اس سے پوچھا: ''تمہارے راستے میں پہلے میرے بھائی حسنؑ کا گھر پڑتا ہے، تم ان کے پاس کیوں نہیں گئے؟'' اس شخص نے کہا۔''میں پہلے وہیں گیا تھا لیکن وہاں کسی نے مجھے بتایا کہ امام حسنؑ اعتکاف میں ہیں۔''

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔''تم ان تک اپنا پیغام بھجوا دیتے۔اگر انہیں معلوم ہو جاتا تو وہ اعتکاف چھوڑ کر تمہارے ساتھ جاتے کیوں کہ کسی بندہ مومن کے کام کے لیے چند قدم چلنے کا ثواب بہت سے اعتکافوں سے بڑھ کر ہے۔''

ہمارے ایک مہربان دوست دلشاد احسن صاحب نے یہ واقعہ پڑھ کر فی البدیہہ ایک شعر کہا۔آپ بھی سنیے ۔

یقین کتنا حسنؑ پر، میرے حسینؑ کو تھا
یہ بندگی کا ہنر بندہ پروری سے کھلا

باب: ۲۵

ہماری بعض دعائیں اس طرح کی ہوتی ہیں۔

بعض اوقات ہم اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز طلب کرتے ہیں جو ہمیں نہیں ملتی اس لیے کہ ربّ کریم ہمارے ماضی، حال اور مستقبل پر یکساں نظر رکھتا ہے، وہ ہماری مانگی ہوئی چیز، خواہش یا صلاحیت کو ہمارے لیے مناسب نہیں سمجھتا۔ اسے علم ہوتا ہے کہ اگر اس وقت یہ چیز اس بندے کو دے دی گئی تو یہ اسے کس طرح، کس وقت اور کس قدر نقصان پہنچائے گی۔ وہ ہمیں اس نقصان سے بچانے کے لیے ہماری خواہش کو التوا میں ڈال دیتا ہے لیکن اس کے بدلے میں ہمارے مستقبل میں ہمارے لیے ایک ایسا انمول اور نایاب و نادر تحفہ مخصوص کر دیتا ہے جس کی اہمیت وافادیت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

مثلاً کیا ماں کے پیٹ میں موجود بچہ آنکھ جیسی نعمت کا تصور کر سکتا ہے کہ پانی کے بلبلے جیسا یہ عضو دنیا میں اس کے کس کس کام آئے گا! یہ تو اسے پیدا ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ اگر آنکھ نہ ہوتی تو یہ دنیا اس کے لیے تاریک سرنگ کی طرح تھی!

ہم سب انسان کسی اور دنیا سے اس دنیا میں پیدا ہوئے اور کچھ عرصے بعد ہمیں کسی اور دنیا میں "پیدا" ہونا ہے۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا ارشاد ہے۔ "انسان یہاں آزمائے جا رہے ہیں۔ یہ دنیا کسی اور دنیا کے لیے پیدا کی گئی ہے۔"

آخرت میں ہماری ضروریات:

اب وہاں ہماری ضروریات، احتیاجات کیا ہوں گی ہمیں نہیں معلوم۔ ہماری بظاہر نہ پوری ہونے والی دعاؤں کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس وقت کے لیے بہت سی نعمتیں ہمارے لیے مخصوص کر دیتا ہے لیکن انسان اس سات سالہ بچے کی طرح ہے جو اسکوٹر ہی کے لیے روتا رہتا ہے۔

مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ دنیا میں بندوں کی جو دعائیں پوری نہیں ہوتیں ان کے بدلے میں اللہ آخرت میں انہیں ایسی اشیاء مرحمت فرمائے گا کہ اس وقت انسان خواہش کرے گا کہ کاش دنیا میں اس کی کوئی دعا پوری نہ ہوئی ہوتی۔ (حوالہ: کلماتِ حکمت)

تو جناب! دعا قبول ہونے میں دیر نہیں ہوتی۔ بس اکثر اوقات ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ ہماری دعا قبول ہوئی ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم بڑے ذوق شوق اور یقین کے ساتھ کوئی خاص نماز حاجت پڑھتے ہیں، کوئی خاص ذکر و عمل کرتے ہیں۔ چہاردہ معصومینؑ سے توسّل کرتے ہیں لیکن مسئلہ فوری طور پر حل نہیں ہوتا۔ ایسے میں کئی لوگ مایوس ہو کر روحانی طور مزید پستی کی حالت میں چلے جاتے ہیں۔ ''ارے صاحب! کچھ نہیں رکھا ان دعاؤں میں۔ یہ سب قسمت کے چکر ہیں......'' اس طرح وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ٹوٹی ہوئی کشتی کی طرح حالات کے سمندر میں ہچکولے کھانے لگتے ہیں۔

یہ حالت غیر مستقل مزاجی سے پیدا ہوتی ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اگر وہ اسی توسّل، نماز یا دعا کو ایک دن یا چند روز اور جاری رکھتے تو دعا کے اثرات بھی ظاہر ہو جاتے۔

سونے کی کان:

جنوبی افریقہ میں جیالوجیکل سروے والوں نے اندازہ لگایا کہ فلاں پہاڑ کے اندر بڑی مقدار میں سونا ہو سکتا ہے۔ ایک شخص نے حکومت سے وہاں کی کھدائی کرنے کا معاہدہ کر لیا۔ مشینیں آ گئیں، کھدائی ہوتی رہی لیکن دو ماہ تک کھدائی کے باوجود سونا نظر نہیں آیا۔ اس شخص نے مایوس ہو کر کام بند کر دیا۔ کچھ عرصے بعد ایک اور شخص نے اسی جگہ کھدائی شروع کی۔ ابھی چند فٹ تک ہی کھدائی ہوئی تھی کہ سونا نظر آ گیا۔ اب آپ سوچیں! اگر پہلے والا شخص ذرا اور انتظار کرتا تو کئی ٹن سونے کا مالک بن سکتا تھا لیکن اس کی غیر مستقل مزاجی نے اسے اس دولت سے محروم کر دیا۔ دوسرے شخص نے یقین اور مستقل مزاجی کو اپنایا اور سونے کا مالک بن گیا۔

دعا قبول ہونے پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں!

اگر ہم اپنی مانگی ہوئی دعاؤں پر غور کریں تو ہم پر یہ حیران کن انکشاف ہوگا کہ ہماری بے شمار دعائیں اس دنیا میں پوری ہو چکی ہیں لیکن ہمیں اس خوش کن حقیقت کا احساس ہی نہیں ہوا۔ ہماری دعائیں تو پوری ہوگئیں لیکن شیطان نے ہمیں کہیں اور الجھائے رکھا تا کہ ہم شکر کرنے سے غافل رہیں۔

بظاہر یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے کہ ہماری دعا قبول ہوگئی ہو اور ہمیں خود ہی اس کا احساس نہ ہوا ہو لیکن چھوٹی سی مثال سے اس بات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

مثلاً ایک بچہ بیمار ہوتا ہے۔ ماں باپ اسے محلے کے ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں، اس ڈاکٹر کی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا۔ آخر وہ ڈاکٹر کسی خطرناک بیماری کا خدشہ ظاہر کرتا ہے اور مریض کو شہر کے مشہور اسپیشلسٹ کے پاس لے جانے کا مشورہ دیتا ہے۔ ماں باپ یہ سن کر تڑپ جاتے ہیں اور دل کی گہرائیوں سے گڑگڑا کر بچے کی صحت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اسی دوران میں وہ اس چائلڈ اسپیشلسٹ سے رابطہ کرتے ہیں جس کی کئی لوگوں نے تعریف کی ہوتی ہے کہ وہ ڈاکٹر فیس تو زیادہ لیتا ہے لیکن اس کے ہاتھ میں بہت شفا ہے۔

مشہور اسپتال اور مہنگی فیس:

بچے کے والدین اس اسپیشلسٹ کی شہرت سے متاثر ہوتے ہیں اور اس کی مہنگی فیس، بیرون ملک کی ڈگریوں اور ایک بڑے اسپتال سے اس کے تعلق کی بنیاد پر اس سے بہت سی امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں کہ اگر اس ڈاکٹر نے بچے کو دیکھ لیا تو بچے کو یقیناً شفا ہو جائے گی۔

زبانی باتوں سے قطع نظر عام طور پر جو یقین چائلڈ اسپیشلسٹ سے وابستہ ہوتا ہے، وہ یقین اکثر اوقات اللہ کی ذات پر نہیں ہوتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسے موقعوں پر اللہ سے دعا ضرور کی جاتی ہے تا کہ بچے کی صحت کے لیے ادھر سے بھی ''سپورٹ'' مل جائے لیکن زیادہ امیدیں دنیاوی وسائل سے ہی وابستہ ہوتی ہیں۔

بہر حال ماں باپ مہنگی فیس، قیمتی دواؤں اور مہنگے ٹیسٹوں کے پیسے ادا کر کے صحت یابی کے لیے

اپنے یقین میں اضافہ کرتے ہیں۔اس دوران بچے کی بیماری کی شدت کم ہونے لگتی ہے اور ماں باپ کی توجہ بتدریج دعا سے ہٹ کر آہستہ آہستہ دوا کی اثر انگیزی کی طرف مبذول ہوتی جاتی ہے۔

اب انہیں کیا معلوم کہ ایک رات بچے کی طبیعت جب زیادہ بگڑ گئی تھی تو ماں نے تڑپ کر بی بی فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا سے رجوع کیا تھا اور انہیں وسیلہ بناتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ اے اللہ! تیرے پیارے بندے اور تیرے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہلِ بیتؑ نے ہمیں تیرا پتا بتایا ہے کہ تو ہر شے پر قادر ہے، تو ہی ہمارا کام کر سکتا ہے۔تو بس اب ان پر درود وسلام اور برکتیں نازل فرما اور ان کے صدقے میں میرے بچے کو شفائے کاملہ عطا فرمادے۔

شیطان نے دعا کو محو کرادیا:

ماں کی دعا اولاد کے حق میں کبھی رد نہیں ہوتی۔لیکن جب بچے کی صحت بہتر ہونے لگی تو شیطان نے ماں کے ذہن سے اس دعا کو محو کرادیا حالانکہ جس وقت اس نے اللہ سے دعا کی تھی تو اسی وقت بارگاہِ احدیت سے اس بچے کی صحت کا مژدہ اور طویل زندگی کا فرمان جاری ہو چکا تھا۔کارکنانِ قضا وقدر نے اسی وقت بچے کے جسم میں موجود مدافعتی نظام کو متحرک کر دیا تھا۔اس کے ساتھ ہی خون کے خلیوں کو تباہ کرنے والے مہلک وائرس کی قوت ٹوٹنے لگی تھی۔اس کے خون میں سرخ اور سفید خلیوں کا کاؤنٹ (Count) نارمل ہونے لگا تھا۔بچہ تیزی سے شفایابی کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

علاج کی اہمیت اپنی جگہ......

میں ڈاکٹروں کی اہمیت اور دواؤں کی افادیت کا منکر نہیں ہوں۔میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر کی دستیابی، بیماری کی تشخیص، دواؤں کے انتخاب اور مریض کے جسم میں ان کی قبولیت اور مثبت اثرات، ان سب کے پیچھے دراصل ماں کی دعا اور مالک حقیقی کا فرمان قبولیت کام کر رہا تھا۔

لیکن مریض یا اس کے گھر والے اللہ رب العالمین کے اس فرمان قبولیت کا شکر زیادہ سے

زیادہ رسماً ہی ادا کرتے ہیں، ان کی توجہات اس چائلڈ اسپیشلسٹ کی جانب مبذول ہو جاتی ہیں جس کے "ہاتھ میں بڑی شفا ہے۔" وہ دوسروں سے اس ڈاکٹر کی تعریف کرتے کرتے نہیں تھکتے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بھول جاتے ہیں۔ یا اکثر یہ بات ان کے ذہن سے نکل جاتی ہے کہ اس بچے کی صحت کے لیے کبھی انہوں نے اللہ سے دعا بھی کی تھی۔

"اور آدمی کی (کی حالت تو یہ ہے) جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی طرف رجوع کر کے اپنے پروردگار سے دعا کرتا ہے (مگر) پھر خدا اپنی طرف سے اسے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو جس کام کے لیے پہلے سے اس سے دعا کیا کرتا تھا، اسے بھلا دیتا ہے۔ بلکہ اللہ کا شریک بنانے لگتا ہے تاکہ (اس ذریعے سے اور لوگوں کو بھی) گمراہ کر دے۔" (الزمر: آیت ۸)

اس مثال کو سامنے رکھیں:

اس ایک مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم اپنی زندگی میں حاصل ہونے والی بیشتر خواہشات کو دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ کبھی ان خواہشات کا حصول ہمارے لیے ناممکن تھا اور اس وقت ہم نے ان کے حصول کے لیے اللہ رب العالمین سے بہت خضوع و خشوع سے دعائیں کی تھیں لیکن جب دعا کے اثرات سے دنیاوی ذرائع متحرک ہوئے اور دھیرے دھیرے، یکے بعد دیگرے یہ خواہشات پوری ہوتی گئیں تو ہم نے اس کامیابی کا سارا کریڈٹ دنیاوی ذرائع اور اپنی یا اپنے جیسے انسانوں کی صلاحیتوں کو دے دیا۔

"اور انسان کو جب کوئی نقصان (تکلیف یا مرض) چھو بھی گیا تو اپنے پہلو پر (لیٹا ہو) یا بیٹھا ہو یا کھڑا ہو (غرض ہر حالت میں) ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو (آہستہ سے) کھسک جاتا ہے کہ گویا اس نے تکلیف کے (دور کرنے کے) لیے جو اسے پہنچی تھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔" (سورہ یونس: آیت ۱۲)

جو مل جاتا ہے، بے قیمت ہو جاتا ہے:

یوں بھی جو چیز ہمیں حاصل ہو جاتی ہے اس کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے۔ایک خواہش پوری ہوتی ہے تو شیطان ہمیں دنیا کی دوسری پُرکشش چیزوں کی طرف راغب کر دیتا ہے۔ہم ایک موبائل فون خریدتے ہیں تو چند ماہ بعد ہم اس کی خامیاں ڈھونڈ لیتے ہیں اس عرصے میں دوسری یا تیسری کمپنی نیا پُرکشش ماڈل بازار میں لے آتی ہے تو ہمیں اپنا موبائل فون بُرا لگنے لگتا ہے۔یہی حال دوسری خواہشات کا ہے۔اسی لیے تو حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ ''مجھے تمہاری جانب سے دو باتوں کا خطرہ ہے۔ایک تمہاری خواہشات کی کثرت۔دوسرے تمہاری امیدوں کا پھیلاؤ۔'' خواہشات کی کثرت ہمیں حاصل ہو جانے والی نعمت کا شکر ادا نہیں کرنے دیتی اور امیدوں کا پھیلاؤ ہم سے ہماری زندگی کا سکون چھین لیتا ہے۔

آج انسانی معاشروں کے بیشتر، سماجی، معاشرتی، نفسیاتی مسائل، بیماریاں اور جرائم سب انہی بے جا خواہشات اور بے پناہ امیدوں کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں اور اس کام کے لیے شیطان کے پاس ماڈلز اور پُرکشش اشتہارات جیسے ہتھیار موجود ہیں جن کے ذریعے اس نے ساری دنیا کے انسانوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔

دعائیں اس طرح کیوں پوری ہوتی ہیں کہ ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا!

گزشتہ صفحات میں ہم نے عرض کیا تھا کہ ہماری اکثر دعائیں اس طرح پوری ہوتی ہیں کہ ہمیں اس حقیقت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔آپ کے ذہن میں خیال آ سکتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

دراصل اس میں اللہ کی بہت سی مصلحتیں چھپی ہوئی ہیں۔اگر ہماری دعائیں معجزاتی انداز سے آناً فاناً پوری ہو جایا کرتیں تو کون بدنصیب ہے جو ہر وقت جائے نماز پر بیٹھ کر دعائیں نہ کرتا رہتا، لوگ مسجدوں ہی میں بیٹھے رہتے۔شاید کم لوگ ہوتے جو اِن معجزوں کے باوجود اللہ کو نہ مانتے

لیکن اللہ کا طریقہ کار ایسا نہیں ہے۔اگر اسے ایسا ہی کرنا ہوتا تو اسے انبیأ و مرسلینؑ کو بھیجنے اور دنیاوی اسباب پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی!

اللہ تعالیٰ نے اس عالم اسباب میں ایسا سسٹم رکھا ہے کہ اس کے بندے اسے حیران کن معجزوں ہی کے ذریعے نہ مانیں بلکہ اسے بغیر معجزے کے، اپنے ایمان کی بنیاد پر بھی مانیں۔زندگی کی ہر مشکل، ہر پریشانی کو اسی پر بھروسا کرتے ہوئے برداشت کریں اور اپنے تمام معاملات میں اسی کو اپنا حقیقی کارساز سمجھیں۔

بندوں کے ثواب میں اضافے کی خاطر کبھی وہ دعاؤں کے اثرات ظاہر کرنے میں تاخیر کر کے بندے کو اپنی محبت کے اظہار کا موقع عطا کرتا ہے اور کبھی اس کی مطلوبہ شئے (فوری طور پر) نہ دے کر اسے اللہ پر ایمان ہونے یا نہ ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے اور ساتھ ہی اسے کسی بڑے نقصان سے بھی بچالیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک نظام حکومت ہے اور اس میں کبھی تبدیلی نہیں آتی۔ایسا ممکن نہیں کہ ہم میں سے ہر آدمی کے لیے اللہ اپنا سسٹم بدلتا رہے۔ہمیں اس کے سسٹم سے ہم آہنگ ہونے کے لیے خود کو بدلنا ہوگا۔خود کو اس کا عادی کرنا ہوگا۔

کیا مل گیا؟ کیا نہیں ملا؟

آیئے آج ہم اپنے اردگرد موجود ان نعمتوں کا جائزہ لیں جن کا حصول کبھی ہمارے لیے ناممکن تھا اور آج اللہ کے فضل سے ہمارے ماں باپ یا ہماری دعاؤں کے طفیل وہ نعمتیں ہماری ملکیت ہیں یا ہم ان سے کسی نہ کسی طرح فائدہ اٹھا رہے ہیں۔(وہ نعمتیں جو ہم سب ہی کو اس عرصے میں مفت دستیاب رہی ہیں، وہ الگ ہیں۔مثلاً ہوا، روشنی، پانی، غذا اور ان کو حاصل و استعمال کرنے کے ذرائع)۔

اپنی ذاتی نعمتوں کا ادراک کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی رات تنہائی میں بیٹھ کر اپنے ماضی کے دنوں میں لوٹ جائیں۔کاغذ قلم اپنے ساتھ رکھیں اور اپنے حافظے پر زور ڈال کر یہ

یاد کرنے کی کوشش کریں کہ آج سے دس پندرہ سال پہلے آپ اللہ سے کیا دعائیں کیا کرتے تھے۔

دعاؤں کی چیک لسٹ:

ان دنوں میں آپ کی زیادہ تر دعاؤں میں کن اشیاء، صلاحیتوں اور وسائل کے حصول کی خواہش ہوا کرتی تھی۔ کن مسائل و مشکلات نے آپ کو ان دنوں پریشان کر رکھا تھا جن کے دور ہونے کے لیے آپ اپنے مالک سے درخواست کیا کرتے تھے۔ کون سی سخت مشکل تھی جو آپ کے سامنے کھڑی تھی مگر آپ محفوظ رہے۔ کون سا مسئلہ تھا جو پہاڑ کی طرح نظر آتا تھا لیکن پھر پکی سڑک پر ریت کی ہلکی سی چادر کی طرح ہوا میں کہیں تحلیل ہو گیا ہے۔

کاغذ اور قلم کے ذریعے آپ ان تمام اشیاء، صلاحیتوں، وسائل، مشکلات اور مسائل کی ایک چیک لسٹ بنا لیں اور پھر اپنے آج کے حالات کا اس فہرست سے موازنہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ موازنہ کر کے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں گے اور آپ بے اختیار سجدۂ شکر میں گر پڑیں گے۔

اگر اللہ تعالیٰ آپ کو یہ کیفیت عطا کرے تو اس سجدۂ شکر میں مالک سے اپنے ارد گرد تمام ہی لوگوں کے لیے سفارش کیجیے گا۔ خلقِ خدا ان دنوں سخت مصیبتوں میں گھری ہوئی ہے۔ ہر طرف ظلم اور ناانصافی کا بازار گرم ہے۔ دنیا کی ساری دولت اور طاقت سمٹ کر شیاطین کے ہاتھ آ گئی ہے اور وہ خدا کے بندوں کو اپنے ظلم کی چکی میں پیس رہے ہیں۔

اس کا بس اب ایک ہی حل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر نماز کے بعد دعا کریں کہ وہ ہماری غلطیوں کو معاف کر دے اور اپنی آخری حجت کو اذنِ ظہور عطا فرمائے تاکہ ظالموں کا انجام ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔

باب: ۲۶

اللہ رحمان ورحیم ہے
تو بندے مشکلات میں کیوں گرفتار ہیں؟

یہ سوال اکثر لوگ کرتے ہیں کہ صاحب، اللہ رحمان ورحیم ہے تو اس کے بندے مشکلات میں کیوں مبتلا رہتے ہیں؟

آپ جانتے ہی ہیں کہ اگر ہم دنیا میں کوئی مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کے لیے قربانی دینا پڑتی ہے۔ جتنا بڑا مقصد ہوگا اتنی ہی زیادہ قربانیاں درکار ہوتی ہیں۔ شدید سردیوں کے موسم میں جب مائیں اپنے چھوٹے بچوں کو کچی نیند سے اٹھا کر ٹھنڈے پانی سے ان کا ہاتھ منہ دھلا کرانہیں بسا اوقات زبردستی اسکول بھیجتی ہیں تو اس وقت ماؤں کے دل پر کیا گزرتی ہے کیا آپ کو اس کا اندازہ ہے؟ اس کا اندازہ صرف مائیں ہی کرسکتی ہیں۔

ISSB کے کورسز میں داخلہ لے کر فوجی ٹریننگ حاصل کرنے والے بچوں کے ماں باپ اپنے دلوں کو مٹھی میں بھینچ کر اپنے بچوں کو سخت ترین مشکلات سے گزرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ فوجی ٹریننگ کے دوران ایسے بچوں کو اپنی جان خطرات میں ڈالنا پڑتی ہے۔

صبح سویرے اندھیرے میں اٹھنا، بے حد وزنی فوجی ساز و سامان کے ساتھ میلوں پیدل چلنا، بھوک و پیاس کو آخری درجے تک برداشت کرنا، سیکڑوں فٹ اونچے پہاڑوں کے درمیان بندھے ہوئے رسوں کی مدد سے کھائیوں کو عبور کرنا۔ سخت ترین ڈسپلن کے مطابق شب و روز بسر کرنا اور ڈسپلن کی ذراسی خلاف ورزی کرنے پر سخت سزائیں برداشت کرنا، ان بچوں کے روزمرہ میں شامل ہوتا ہے۔

پھولوں کے بیج:

اپنے بچوں کو ان ''مشکلات'' میں گھرا دیکھ کر ان بچوں کی ماؤں کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی؟ کیا آپ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ لیکن سمجھ دار مائیں اپنے بچوں کو اپنے آنسوؤں تک سے واقف نہیں ہونے دیتیں کہ اس طرح بچوں کے ارادے کمزور ہو جاتے ہیں۔

سمجھ دار مائیں جانتی ہیں کہ بھٹی کی شدید آگ کو برداشت کرنے والا سونا ہی کندن بنتا ہے۔ ان مشکلات سے گزر کر ہی دنیا میں اعلیٰ مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پھولوں کے بیجوں کو آپ ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں سونے کی پلیٹ میں رکھے رہیں تو ان میں زندگی کے امکانات پیدا نہیں ہوں گے۔ بیج جب مٹی میں ڈالے جائیں گے، موسموں کی سختیاں برداشت کریں گے تو پھولوں، پھلوں اور بیجوں کے انبار میں تبدیل ہو جائیں گے۔

''نشانِ حیدر'' کا تمغہ سردیوں کی صبح میں نیند کے سرور اور لحاف کی گرمی سے لطف اندوز ہونے والوں کو نہیں ملا کرتا۔ اس اعزاز کو حاصل کرنے کی سب سے پہلی اور کم از کم شرط صبحِ کاذب کے وقت سے اپنے دن کا آغاز کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ زندگی کا ہنر سکھاتا ہے:

اللہ رب العالمین اپنے بندوں کے لیے ایک ماں سے ستر گنا زیادہ مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو ان دنیاوی مشکلات میں گھرا دیکھ کر خوش نہیں ہوتا۔ وہ ان مشکلات کے ذریعے دراصل اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے اور انہیں زندگی گزارنے کا ہنر سکھاتا ہے۔

''اور ہم تمہیں مصیبت اور راحت میں امتحان کی غرض سے آزماتے ہیں اور آخر میں ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (سورہ الانبیاء: آیت ۳۵)

زندگی گزارنے کا یہ ہنر دنیا میں نہ صرف زیرِ آزمائش بندے بلکہ دوسروں کے بھی کام آتا ہے۔ ابتلا و آزمائش کی سختیاں، اللہ کی مرضی پر راضی رہتے ہوئے برداشت کرنے والے ہی اللہ کی بارگاہ سے عظیم اعزازات، انعامات اور تمغوں کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

آخرت کا نشان حیدرؑ:

اس بات کو اس طرح سمجھیے، حکومت جب کسی عظیم کارنامے پر کسی فوجی کو نشان حیدرؑ کا اعزاز عطا کرتی ہے تو وہ عام سا فوجی پوری قوم کا ہیرو بن جاتا ہے۔ نشان حیدرؑ کے ساتھ ساتھ اس کے گھر والوں کو بہت سی زمین اور دیگر مراعات بھی حاصل ہو جاتی ہیں اور رہتی دنیا تک اس کا تذکرہ باقی رہتا ہے۔

اللہ رب العالمین بھی ہمیں سخت ٹریننگ سے گزار کر دنیا میں شیطان کے لشکر کے مقابل صف بستہ دیکھنا چاہتا ہے۔ جو لوگ اس میدان جنگ کی اذیتوں کو برداشت کر کے شیطان کے لشکر سے نبرد آزما رہتے ہیں، انہیں ربِ کائنات، بادشاہوں کا بادشاہ ذاتی طور پر ''نشان حیدرؑ'' عطا کرتا ہے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اللہ کے عطا کردہ نشان حیدرؑ کے آگے دنیا کے سارے خزانے، تمام اعزازات، سارے مرتبے اور تمام تمغے راکھ کا ڈھیر ہیں۔

یہ نشانِ حیدرؑ کیا ہے؟

یہ نشان حیدرؑ اللہ کی خوشنودی ہے۔ اس کے ساتھ جو دوسرے اعزازات و مراعات حاصل ہوتی ہیں وہ ہیں، محمدؐ و آل محمدؑ کی شفاعت اور جنت کے ہمیشہ رہنے والے باغات اور محلات۔ ان نشان حیدرؑ حاصل کرنے والوں کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہوتا ہے کہ وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ محمدؐ و آل محمدؑ کے قریب رہتے ہیں۔ اللہ کا نشان حیدرؑ حاصل کرنے والا اپنی قوم کا ہیرو بنے یا نہ بنے جنت کے رہنے والوں کا ہیرو ضرور بن جاتا ہے۔

> ''اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے جو مصیبت آن پڑی اسے جھیل گئے اور پابندی سے نماز ادا کی اور جو کچھ ہم نے انہیں روزی دی تھی اس میں سے چھپا کر اور دکھلا کر خرچ کیا اور یہ لوگ برائی کو بھی بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔
>
> یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کی خوبی (نعمت) مخصوص ہے (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ جن میں وہ آپ جائیں گے اور ان کے باپ داداؤں

اوران کی بیویاں اوران کی اولاد میں سے جو نیکوکار ہیں (وہ سب بھی)
اور فرشتے (بہشت کے ہر) دورازے سے ان کے پاس آئیں گے اور
السلام علیکم (کے بعد کہیں گے) کہ تم نے (دنیا میں) صبر کیا (یہ اسی کا
صلہ ہے۔ دیکھو) تو آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے۔''

(سورہ الرعد: آیت ۲۲ تا ۲۴)

یاد رہے کہ نشان حیدرؑ کا اعزاز حاصل کرنے کی سب سے پہلی اور کم سے کم شرط رات کے آخری پہر سے اپنے دن کا آغاز کرنا ہے۔ یہ تمغہ سردیوں کی صبح میں نیند کے سرور اور لحاف کی گرمی سے لطف اندوز ہونے والوں کو نہیں ملا کرتا۔

ماں محبت کرتی ہے لیکن اس کے بس میں کچھ نہیں:

جس طرح ہر ماں چاہتی ہے کہ اس کا بچہ دنیا میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کرے، اس سے کہیں زیادہ اللہ رب العالمین چاہتا ہے کہ اس کا ہر بندہ اس کی بارگاہ سے زیادہ سے زیادہ اعزازات حاصل کرے۔ ماں چاہتی ضرور ہے مگر خود نہیں دے سکتی۔ اللہ رب العالمین چاہتا بھی ہے اور خود ہی عطا کرنے کا سب سے زیادہ اختیار بھی رکھتا ہے۔

دعا اور کوشش کریں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ''نشان حیدرؑ'' کے اعزاز سے سرفراز کرے کہ اسی تمغے کے ذریعے ہم قیامت کی ہولناکیوں سے بہ آسانی گزر سکیں گے۔ اسی تمغے کی وجہ سے فرشتے ہم پر مہربان ہوں گے، اسی تمغے کی بنیاد پر جہنم کی آگ ہم سے فاصلے پر رہے گی اور یہی تمغہ دیکھ کر فرشتے ہمیں جنت میں خوش آمدید کہیں گے۔

''اور انہیں قیامت کا بڑے سے بڑا خوف بھی دہشت میں نہ لائے گا اور
فرشتے ان سے (خوشی خوشی) ملاقات کریں گے اور (یہ خوش خبری دیں
گے کہ) یہی وہ تمہارا (خوشی کا) دن ہے جس کا (دنیا میں) تم سے وعدہ کیا
جاتا تھا۔'' (سورہ الانبیاء: آیت ۱۰۳)

باب: ۲۷

اللہ نے ہمیں کن گناہوں کی سزا دی ہے!

اکثر لوگ جب کسی سختی سے دوچار ہوتے ہیں تو حیرت و افسوس کے ساتھ سوال کرتے ہیں کہ آخر اللہ نے ہمیں کن گناہوں کی سزا دی ہے!

ایسے لوگوں کو اللہ معاف کرنے والا ہے کہ یہ جملہ بعض دوست انتہائی پریشانی اور کم علمی کی بنا پر کہتے ہیں۔ اگر ہم ''کن گناہوں'' پر غور کریں تو سیکڑوں گناہ تو ہمارے روزمرہ میں شامل ہیں لیکن ہم انہیں گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ سمجھتے بھی ہیں تو بہت معمولی نوعیت کا۔

> ''اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو (زبان سے تو) کہہ دیتے ہیں کہ ہم خدا پر ایمان لائے۔ پھر جب انہیں خدا کے بارے میں (خدا کو ماننے کے حوالے سے) کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لوگوں کی زیادتی کو عذاب (الٰہی) کے برابر ٹھہراتے ہیں۔'' (سورہ عنکبوت: آیت ۱۰)

سب سے بھاری گناہ:

حضرت امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے۔ ''سب سے بھاری گناہ وہ ہے جس کا ارتکاب کرنے والا اسے ہلکا سمجھے''۔

مثلاً غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، رقص و موسیقی سے لطف اندوز ہونا (یہ سہولت تو اب انٹرنیٹ، ٹی وی چینلز اور موبائل فونز کے ذریعے ہر گھر اور گھر کے ہر کمرے میں موجود ہے)، دوسروں کی دل آزاری، حق تلفی، غرور تکبر، ماں باپ سے بلند آواز سے بات کرنا، ان کا کہنا نہ ماننا، خمس اور زکواۃ کی چوری، نماز نہ پڑھنا، دھوکا دہی...... کیا یہ سب معمولی گناہ ہیں؟

جناب! یہ ایسے گناہ ہیں جن سے پورے معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ ایسے کام جو لاکھوں انسانوں کو نقصان پہنچائیں ان کی سزا آپ کے خیال میں کیا ہونا چاہیے؟ ان کی سزا بے حد سخت اور اذیت ناک ہے لیکن اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کے انتظار میں اس سزا کو ٹالتا ہی رہتا ہے کہ اس کا عذاب بہت سخت ہے۔

ہم نے اللہ تعالیٰ کی سزا دیکھی نہیں ہے...... ورنہ کبھی بھول کر بھی یہ جملہ نہ کہتے کہ اللہ نے ہمیں کن گناہوں کی سزا دی ہے! کسی دن سوات کے زلزلے، سندھ کے سیلاب اور جاپان کے سونامی کی ویڈیوز دیکھئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اللہ کی سزا کیا ہوتی ہے؟

''اور جس طرح لوگ اپنی بھلائی کے لیے جلدی کر بیٹھتے ہیں اسی طرح اگر اللہ ان کی برائی کی سزا میں جلدی کر بیٹھتا تو ان کی موت ان کے پاس کب کی آ چکی ہوتی مگر ہم تو ان لوگوں کو جنہیں (مرنے کے بعد) ہماری حضوری کا کھٹکا نہیں، کھلا چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں آپ سرگرداں رہیں۔'' (سورہ یونس: آیت ۱۱)

دعا کرنے سے کیا فائدہ؟
تقدیر تو لکھی ہوئی ہے!

اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے شائع ہونے کے بعد ایک صاحب نے مجھے خط تحریر کیا۔ انہوں نے لکھا کہ جناب انسانوں کی تقدیر تو لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہے۔ اب دعا کرنے سے کیا حاصل۔ ہم لاکھ دعائیں کرتے رہیں تقدیر کا لکھا ہر گز نہیں مٹ سکتا۔ ہمیں اسی طرح زندگی گزارنا ہوگی جس طرح تقدیر میں لکھا ہے۔

تقدیر کے متعلق اس طرح کے سوالات واقعی اکثر دوستوں کو الجھن اور مایوسی میں مبتلا کر دیتے ہیں لیکن اس طرح کے خیالات کا حقیقت حال سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ خیالات ہماری کم علمی اور قرآن کریم سے دوری کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ہم رب العالمین کی عطا کردہ اس

کتاب کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اکثر اس کا "مطالعہ" بھی کریں تو ہمارے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کے جواب ہمیں قرآن کریم سے بہ آسانی مل جاتے ہیں۔ مثلاً:

سورۂ الشمس کی آیات اسی قسم کے سوالوں کے جواب فراہم کرتی ہیں۔ ان آیات میں رب العالمین نے فرمایا۔

"اور نفس (انسانی کی قسم) اور (اس ذات کی قسم) جس نے اسے (یعنی نفس انسانی کو) درست کیا۔ پھر (انسان کو) اس (کے نفس میں موجود) بدکاری (شر) اور پرہیزگاری (یعنی خیر کی صلاحیتوں کے بارے میں) شعور عطا کیا۔ (اپنے اندر خیر و شر کی ان صلاحیتوں کو سمجھنے کے بعد) جس نے اس نفس کو پاک رکھا (یعنی جس نے اپنے اندر موجود عمل خیر کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا) وہ کامیاب ہوا اور جس نے شر کی راہ اختیار کی اور گناہ (کا راستہ اختیار) کر کے اس (یعنی اپنے نفس) کو دبا دیا وہ نامراد رہا۔"

ان آیات مبارکہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ نے انسان کو خیر و شر دونوں کا شعور عطا کیا ہے۔ اس نے انسان کو یہ دونوں راستے اور ان کی اچھائیاں برائیاں بتا دیں اور عمل کرنے کے لیے اسے آزادی عطا کر دی۔ اب وہ نیکی کی جانب بڑھے یا گناہ کے راستے کو اختیار کرے یہ فیصلہ کرنا انسان کا کام ہے اور یہی اس کا امتحان ہے۔ جس کا رزلٹ آخرت میں آؤٹ کیا جائے گا۔

ایک راستہ اس کے مالک کا پسندیدہ ہے۔ مالک چاہتا ہے کہ اس کا ہر بندہ اسی صراط مستقیم کو اختیار کرے۔ دوسرا راستہ وہ ہے جو مالک کو پسند نہیں۔ مالک چاہتا ہے کہ اس کا کوئی بندہ اس راستے کی طرف نہ جائے کیونکہ یہ راستہ بندے کو براہ راست جہنم کے بدترین عذاب تک پہنچا دیتا ہے۔

دونوں کے راستے کھلے ہیں:

"دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں (کیونکہ) ہدایت گمراہی سے (الگ) ظاہر ہو چکی۔ (اب) جس شخص نے جھوٹے خداؤں سے انکار کیا

اور اللہ ہی پر ایمان لایا تو اس نے وہ مضبوط رسی پکڑ لی جو ٹوٹ ہی نہیں سکتی
اور اللہ (سب کچھ) جانتا ہے۔

اللہ ان لوگوں کا سرپرست ہے جو ایمان لا چکے ہیں کہ انہیں (گمراہی
کی) تاریکیوں سے نکال کا (ہدایت کی) روشنی میں لاتا ہے۔

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے سرپرست شیطان ہیں کہ (وہ
انہیں (ایمان کی) روشنی سے نکال کر (کفر کی) تاریکیوں میں ڈال دیتے
ہیں۔ یہی لوگ تو جہنمی ہیں اور یہی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(سورہ بقرہ: آیت ۲۵۶۔۲۵۷)

ان آیات سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان مجبور محض نہیں ہے اور دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان مکمل طور پر خود مختار بھی نہیں ہے۔ عمل کرنے کی بہر حال اسے مکمل آزادی ہے کہ وہ اچھا عمل کرے یا برا۔ مثلاً ایک چھری کسی کے پاس ہو۔ اب اسے یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اس سے کسی کمزور کا سر کاٹے یا خربوزہ۔

انسان، انسان ہے، روبوٹ نہیں:

اس سلسلے میں دوسری دلیل تو بہت ہی سادہ ہے وہ یہ کہ اگر انسان تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہوتا تو عذاب وثواب اور جنت وجہنم کے تمام وعدے بے معنی ہو جاتے۔ مثلاً کوئی شخص اگر کسی دوسرے شخص کو قتل کر دیتا ہے تو اللہ اسے سزا کیوں دے گا کیونکہ اس شخص نے تو وہی عمل انجام دیا جو اللہ نے اس کی تقدیر میں پہلے سے لکھ رکھا تھا۔ اس شخص نے پہلے سے طے شدہ پروگرام پر عمل کیا۔ وہ اس کے برعکس عمل کر ہی نہیں سکتا تھا۔ عدل الٰہی کے مطابق اسے جہنم میں نہیں ڈالا جا سکتا۔

اسی طرح جو شخص ساری زندگی عبادت وریاضت میں مصروف رہا تو اس کے عمل کی جزا کیسی؟ اس نے تو اللہ کے دیئے ہوئے پروگرام (تقدیر) کے مطابق عمل کیا۔ وہ گناہ کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا تھا! تو ایسے شخص کو عبادت وریاضت کا صلہ کیوں دیا جائے گا۔ اس عمل میں اس

کی ذاتی کوشش کا دخل ہی نہیں تھا۔ وہ تو تقدیر کے ہاتھوں مجبور تھا۔

آپ خود انصاف کریں۔ کیا آپ کسی روبوٹ کو کسی کام کرنے کی جزا یا سزا دے سکتے ہیں۔ روبوٹ بے چارہ تو اسی پروگرام کے مطابق عمل کرے گا جو اس میں ڈالی گئی ہارڈ ڈسک میں موجود ہے۔

اگر تقدیر کے معاملات کو ویسا ہی سمجھا جائے جیسا کہ بعض دوستوں کا خیال ہے تو انسان کی حیثیت ایک روبوٹ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ جب کہ انسان، انسان ہے روبوٹ نہیں۔

تقدیر بدل سکتی ہے:

قرآن کریم کا مطالعہ کیجیے۔ نبی کریمؐ کے ارشادات سے استفادہ کیجیے۔ آئمہ معصومینؑ کے اقوال پر غور کیجیے تو ہر مقام پر نفس کی برائیوں سے بچنے، شیطان کی مکاریوں سے ہوشیار رہنے، اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں سے گریز کرنے اور اللہ کے پسندیدہ اعمال بجالانے کی تلقین موجود ہے۔ ہر جگہ گناہوں کے بدلے عذاب اور نیکیوں کے بدلے ثواب کا ذکر موجود ہے۔ قرآن کی آیات میں جگہ جگہ نیکوکاروں کے لیے جنت اور بدکاروں کے لیے عذاب جہنم کی خبر دیتی نظر آتی ہیں۔

اگر انسان روبوٹ ہوتا تو اللہ رب العالمین بار بار ثواب و عذاب کا تذکرہ نہ کرتا۔ اگر انسان تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہوتا تو اللہ رب العالمین جنت و دوزخ کو خلق ہی نہ فرماتا۔ جنت و دوزخ کا وجود ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نے انسان کو روبوٹ نہیں بنایا۔ انسان کی آخری قیام گاہ انہی دونوں میں سے کسی ایک جگہ ہوگی۔ البتہ جگہ کا انتخاب انسان کو خود اپنے اعمال کے ذریعے کرنا ہے۔

صدقہ موت کو ٹال دیتا ہے:

نبی کریمؐ کی ایک حدیث ہے کہ صدقہ ردِّ بلا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ صدقہ موت تک کو ٹال دیتا ہے۔ آپؐ کے ایک اور ارشاد کا مفہوم ہے کہ والدین کی خدمت کرنے والوں کی عمر دراز ہوتی ہے۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا: ''صلۂ رحمی کرنے والوں کی عمر دراز ہوتی ہے۔ قطع رحمی کرنے والوں کی عمر کم ہو جاتی ہے۔'' اگر تقدیر کا لکھا اٹل ہوتا تو صادق القول

نبیؐ حبیب رب العالمین کی زبان مبارک سے یہ کلمات ہرگز ادا نہ ہوتے۔

قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں انبیاءؑ و مرسلینؑ کی دعائیں بھی اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ تقدیر کے سارے معاملات اٹل نہیں ہیں اور لوحِ محفوظ کی تحریریں بندے کی دعا، جدوجہد اور اللہ رب العالمین کے فضل و کرم سے تبدیل بھی ہوتی رہتی ہیں۔

تقدیر کا کچھ حصہ ضرور ایسا ہے جس میں واقعی کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ ممکن نہیں لیکن یقین کریں کہ اللہ رب العالمین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ان کے اہلِ بیتؑ کی سفارش اور بندے کی دعا میں یہ طاقت بھی پیدا کی ہے کہ تقدیر کے ناقابل ترمیم حصوں میں بھی تبدیلی ہو جائے۔

آخرت میں شفاعت، دنیا میں سفارش:

اس بات پر تو ہم سب کا ایمان ہے کہ قیامت کے دن نبی کریمؐ اور ان کی پاک و پاکیزہ اولاد ہماری شفاعت کرے گی۔ جو لوگ جہنم میں جانے والے ہوں گے اگر نبی کریمؐ ان کی سفارش کر دیں تو وہ جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔

اللہ کے رسولؐ آخرت میں (جہاں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا) ہماری سفارش کر سکتے ہیں، تو کیا اس دنیا میں انہوں نے ہمیں اکیلا چھوڑ رکھا ہے؟ نہیں۔ وہ دنیا میں بھی ہمارے نگراں اور ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔ اللہ کے نبی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم آج بھی زندہ ہیں۔ اگر معاملہ اس کے برعکس سمجھا جائے تو ہر نماز میں ہم انھیں السلام علیکم ایہا النبی و رحمت اللہ و برکاتہ نہ کہتے۔ انہی کے وسیلے سے ہماری دعائیں پوری ہوتی ہیں۔ قسمت میں بیماری لکھی ہوتی ہے مگر صحت مل جاتی ہے۔ تقدیر میں ذلت کی زندگی لکھی ہوتی ہے کہ نبی کریمؐ کی سفارش سے عزت کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''تمہارے اعمال (آج بھی) ہر جمعرات کو عصر کے وقت اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے اس بات سے حیا کرو کہ تمہارے بُرے اعمال حضرت رسولِ خداؐ کے سامنے پیش ہوں''۔

حضرت یونسؑ کا واقعہ:

قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ پڑھ کر دیکھئے کہ تقدیر کے اٹل فیصلے دعا کے ذریعے کس طرح تبدیل ہوتے ہیں۔ سورہ صافات میں جناب یونسؑ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد خداوندی ہے۔

"پھر اگر یونس (اللہ کی) تسبیح نہ کرتے تو روز قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ (سورہ صافات: آیت ۱۴۳۔۱۴۴)

یعنی اللہ تعالیٰ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں یہ طے کر چکا تھا کہ اب وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہیں گے۔ یہ تقدیر کا ایک اٹل فیصلہ تھا لیکن جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو گہری تاریکی میں ان کا دَم گھٹنے لگا۔ تب انہوں نے گھبرا کر بے اختیار اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہر عیب سے پاک و پاکیزہ ہے اور بے شک میں ظالموں میں سے ہوں (یعنی غلطی کرنے والوں میں سے ہوں)۔

ان کی تسبیح کے جواب میں اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

"تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں رنج (و تکلیف) سے نجات عطا فرمائی اور ہم ایمان داروں کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔"

(سورہ انبیاء: آیت: ۸۸)

دعا کرنا سنتِ انبیاء ہے:

اگر تقدیر کا لکھا اٹل ہوتا تو حضرت یونسؑ کس امید پر دعا کرتے اور جب وہ دعا ہی نہ کرتے تو تقدیر کا فیصلہ نافذ ہو کر رہتا اور وہ قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ دعا کرنا سنت انبیاء ہے۔ سورہ انبیاء میں کئی پیغمبروں کی دعاؤں کا تذکرہ موجود ہے۔

۱۔ "(اے رسولؐ لوط سے بھی) پہلے (ہم نے) نوح (کو نبوت پر فائز کیا) جب انہوں نے ہمیں پکارا تو ہم نے ان کی (دعا سن لی۔ پھر انہیں اور

ان کے ساتھیوں کو (طوفان کی) بڑی سخت مصیبت سے نجات عطا کی۔"

(۲) "(اے رسولؐ) ایوب (کا قصہ یاد کرو) جب انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (اے اللہ یہ) بیماری تو میرے (پیچھے ہی) لگ گئی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کا جو کچھ دکھ درد تھا اسے دور کر دیا اور انھیں ان کے اہل وعیال عطا کیے اور اپنی رحمت سے ان کے ساتھ مزید (کرم بھی کیا) جو عبادت کرنے والوں کے لیے ایک نصیحت ہے"۔

(۳) "اور زکریا (کو یاد کرو) جب انہوں نے (مایوسی کی حالت میں) اپنے پروردگار سے دعا کی: اے پالنے والے تو مجھے تنہا (بے اولاد) نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بڑھ کر ہے۔

تو ہم نے ان کی دعا سن لی اور انہیں یحییٰ جیسا بیٹا عطا کیا اور ہم نے ان کے لیے ان کی زوجہ کو بھی اچھا بنا دیا (یعنی ان کے بانجھ پن کو دور کر دیا) اس میں شک نہیں کہ (یہ) لوگ نیک کاموں کے سر انجام دینے) میں جلدی (کیا) کرتے تھے اور ہم کو بڑی رغبت اور خوف کے ساتھ پکارا کرتے تھے اور ہمارے آگے گڑ گڑایا کرتے تھے"۔

(آیت ۸۹ـ۹۰)

آخری اور حتمی دلیل:

اس موضوع یعنی تقدیر میں تبدیلی کے حوالے سے ہم آخری اور حتمی دلیل بھی اللہ رب العالمین کے کلام ہی سے پیش کرر ہے ہیں۔ کیا قرآن کی تلاوت کرنے والوں نے سورہ رعد کی یہ آیات نہیں پڑھیں۔

"ہر وقت (یعنی ہر لحہ جو گزرے گا) کے لیے ایک تحریر (پہلے سے موجود) ہے۔ پھر اللہ (اس میں سے) جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو) چاہتا

ہے باقی رکھتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) موجود ہے۔"

(آیات۔۳۸۔۳۹)

اللہ کی تاکید اور دعا نہ کرنے والے:

ہم میں سے بہت سے لوگ شعوری یا لاشعوری طور پر دعا کرنے سے گریزاں رہتے ہیں۔ان میں دو قسم کے افراد شامل ہیں۔ایک قسم تو ہمارے ان دوستوں کی ہے جنہیں اللہ رب العالمین نے دنیا میں مال و دولت، صحت، اولاد اور عزت و آبرو عطا کی ہے۔وہ بہت کم مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں۔مشکل آتی بھی ہے تو انہیں اپنے دنیاوی وسائل پر بھروسا ہوتا ہے۔دولت کے بل بوتے پر وہ زیادہ تر مشکلات پر قابو پا لیتے ہیں اسی لیے انہیں اللہ سے رابطہ کرنے کی کوئی خاص ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

حالانکہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کو پکارنا، اپنے مالک کو یاد کرنا، رب کریم کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا زیادہ ہی ضروری تھا کیونکہ دنیا کا مال چلتی پھرتی چھاؤں ہے اور صحت سے بیماری اور بیماری سے اگلے جہان تک پہنچنے کا سفر صرف ایک خوردبینی مخلوق کے جسم میں داخل ہونے یا دورانِ خون میں ایک ننھی سی گٹھلی بننے کی وجہ سے چند لمحوں میں طے ہو جاتا ہے۔

دعا نہ کرنے والوں کی دوسری قسم ایسے افراد کی ہے جو مسائل و مشکلات کے باوجود اس وجہ سے اللہ کو نہیں پکارتے کہ اللہ تو علیم و خبیر ہے، وہ خود ہی ہمارے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔دعا کرنے سے کیا حاصل۔اللہ وہی کرتا ہے جو وہ پسند کرتا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ بے نیاز ہے۔وہ کرتا تو وہی ہے جو پسند کرتا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ دعا کرنے والے بندوں کو پسند کرتا ہے۔جو لوگ اس سے دعا نہیں کرتے وہ اسے سخت ناپسند ہیں۔

"(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ اگر تم (لوگ) دعا نہیں کرتے تو میرا پروردگار بھی تمہاری کچھ پروا نہیں کرتا۔" (سورہ شعراء: آیت ۷۷)

سورہ مومن میں اللہ نے ایسے بندوں کو اس طرح متنبہ کیا ہے:

''اور تمہارا رب فرماتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگو۔ میں (تمہاری دعا) قبول کروں گا۔ (البتہ) جو لوگ عبادت میں اکڑتے ہیں وہ جلد ہی ذلیل و خوار ہو کر یقیناً جہنم میں داخل ہوں گے۔ (آیت ۶۰)

بندے کی تقدیر اَن مٹ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو دعا کرنے کے سلسلے میں بار بار تاکید کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اللہ رب العالمین کی ذات اس سے بالاتر ہے کہ اس سے کسی بے سود عمل کی توقع رکھی جائے۔ اس نے دعا کرنے کا حکم ہی اس لیے دیا کہ بندے کی توجہ لوح محفوظ تک ہی محدود نہ رہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی ساری توجہ لوح محفوظ کے خالق و مالک کی جانب مبذول رکھے جو اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ لوح محفوظ کی تمام تحریریں مٹا کر ساری مخلوقات کی تقدیریں نئے سرے سے تحریر کر دے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''دعا کرو اور یہ نہ کہو کہ جو تقدیر میں ہے وہی ہوگا اس لیے کہ وہ قادر مطلق ہے اور دعا، تقدیر کو بدل دینے والی ہے۔''

مفاتیح الجنان میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی تعلیم کردہ ایک دعا موجود ہے اور اسے صبح و شام پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یعنی فجر اور مغرب کے بعد۔

''اے دلوں اور آنکھوں کو پلٹانے والے اللہ! میرے دل کو اپنے دین پر جما دے۔ میرے دل کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر۔ مجھ پر اپنی طرف سے رحمت نازل فرما۔ اس میں شک نہیں کہ تو بہت ہی عطا کرنے والا ہے اور اپنی رحمت سے مجھے (جہنم) کی آگ سے بچا اور محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میری عمر میں اضافہ کر دے، میرے رزق میں وسعت عطا کر اور مجھ پر اپنی رحمت کا سایہ فرما دے اور اگر میں لوحِ محفوظ میں تیرے نزدیک بد بخت ہوں تو مجھے نیک بخت بنا دے۔ کہ بہ تحقیق تو جو چاہے مٹاتا ہے (اور جو چاہے) لکھتا ہے اور لوحِ محفوظ تیرے قبضہٗ قدرت میں ہے۔

(مفاتیح الجنان۔ صفحہ۔ ۶۶)

باب: ۲۸

دعائیں کس طرح اثر کرتی ہیں؟

اکثر افراد جو دعاؤں کی پراسرار قوت سے واقف نہیں ہیں، دعاؤں کی اثر پذیری پر یقین نہیں رکھتے۔ان میں سے اکثر افراد مشکل وقت میں دعاؤں کا سہارا تو حاصل کرتے ہیں مگر ان کی امیدیں بہرحال دنیاوی وسائل ہی سے وابستہ ہوتی ہیں اسی لیے جب ان کی مشکل حل ہوجاتی ہے تو ایسے افراد اللہ رب العالمین کے سوا ہر ایک کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے ہیں۔

بہت سے افراد جب قرآن کریم کے مختلف سوروں اور آیات کی خصوصیات پڑھتے ہیں تو انہیں یہ باتیں بس تصوراتی سی معلوم ہوتی ہیں۔مثلاً وہ سوچتے ہیں سورہ واقعہ کو پابندی کے ساتھ تلاوت کرنے سے رزق میں اضافہ کس طرح ہوسکتا ہے۔سورہ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کرنے سے کوئی بے اولاد جوڑا کس طرح صاحب اولاد ہوسکتا ہے۔سورہ طٰہٰ کی بعض آیات کس طرح حافظے میں اضافے کا باعث بن سکتی ہیں۔

جزوی اتفاق، جزوی اختلاف:

ایسے دوستوں کی باتیں ان کے خیال میں بے بنیاد بھی نہیں ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ چند الفاظ کی تکرار کرنے سے کسی بھی قسم کی مادّی تبدیلی کس طرح رونما ہوسکتی ہے۔رزق کے لیے محنت، صحت کے لیے علاج اور ذہانت بڑھانے کے لیے مطالعے کے جدید طریقوں پر عمل کرنے کے ساتھ بعض ادویات کی ضرورت پڑتی ہے۔چند الفاظ کے دہرانے سے کسی نوعیت کی تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی۔

مجھے ان دوستوں کی باتوں سے جزوی اتفاق اور جزوی اختلاف ہے۔مادّی جدوجہد کے

بغیر صرف دعا پر بھروسا کرنے والا حضرت علی ابن ابی طالب کے نزدیک اس تیرانداز کی طرح ہوتا ہے جو بغیر کمان کے تیر چلانا چاہے۔ دنیاوی مسائل کے دور کرنے کے اسباب اللہ رب العالمین نے دنیا ہی میں پیدا کیے ہیں لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ دنیاوی اسباب اکثر انسانوں کی دسترس میں نہیں ہوتے یا کچھ مشکلات ایسی ہوتی ہیں جن کا حل کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ایسے میں صرف دعا ہی انسان کو اس مشکل سے نکال سکتی ہے۔ زیادہ تر صورتوں میں انسان کی جدوجہد اور دعاؤں کے ملاپ ہی سے نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

چند الفاظ کے دہرانے سے کیا ہوتا ہے؟

جہاں تک ان کا کہنا ہے کہ چند الفاظ کے دہرانے سے کوئی ماڈی تبدیلی رونما نہیں ہو سکتی، یہ قرین عقل نہیں۔ دوستوں کا یہ خیال لاعلمی کے سبب ہے۔ بھئی دیکھیں ناں! آپ سب دوست جانتے ہیں کہ یہ اربوں کہکشاؤں اور کھرب ہا کھرب سورج چاند ستاروں والی لامحدود کائنات ہمیشہ سے نہیں تھی۔ پہلے کچھ تھا ہی نہیں۔ نہ سورج نہ چاند نہ ستارے، پھر ایک لفظ ''کن'' سے ماڈہ اور توانائی عدم سے وجود میں آئے اور پھر سات مرحلوں سے گزر کر یہ کائنات وجود میں آ گئی۔

اب آپ کہیں گے کہ یہ تو اللہ کی طاقت تھی کہ اس نے ایک لفظ کے ذریعے یہ عظیم الشان کائنات پیدا کر دی۔ بندے، الفاظ کے ذریعے ماڈے میں تبدیلیاں کس طرح پیدا کر سکتے ہیں، جناب اس بات کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے لیکن اس مثال سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس ماڈی دنیا سے ماورا، ضد مادہ کی غیر مرئی دنیا واقع ہے۔ سائنس ابھی ضدِ ماڈہ کی دنیا کے بارے میں کسی قسم کے شواہد جمع نہیں کر سکی۔ پھر بھی سائنس ضدِ ماڈہ کے وجود کو تھیوری کی حد تک تسلیم کرتی ہے۔

ضدِ ماڈہ کی دنیا:

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ممکن ہے ضدِ ماڈہ کی دنیا کے اصول و قواعد مادی دنیا کے اصول و قواعد سے قطعی برعکس ہوں۔ مثلاً ممکن ہے مادی دنیا میں کسی عمل کے ظہور پذیر ہونے کے لیے حرکت ناگزیر ہو لیکن ضد مادہ کی دنیا میں ہر عمل بغیر کسی حرکت کے ظہور پذیر ہوتا ہو۔ اس کی سب سے بڑی

مثال اس کائنات کا وجود میں آنا ہے۔ اللہ رب العالمین نے صرف ایک لفظ ''کن'' کہا اور کسی پہلے سے دستیاب مادے کے نہ ہونے کے باوجود یہ بے کراں مادی کائنات وجود میں آ گئی۔

غیب پر ایمان رکھنے والے اس ضد مادہ کی دنیا پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ضدِ مادّہ کی دنیا کا ایک اہم ثبوت تو ہر انسان کے اپنے اندر موجود ہے۔ انسان کا وجود خود مادّے اور ضدِ مادّہ کے امتزاج کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اس کا جسم مادّی دنیا سے تعلق رکھتا ہے اور روح ضد مادّہ کی دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ انسان کے جسم پر اسی روح کی حکمرانی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ ساری مادّی کائنات دراصل 'ضدِ مادّہ' کی محکوم ہے۔ ضدِ مادّہ کی اصطلاح تو انسانی عقل کی ایجاد کردہ ہے۔ دراصل یہ کیا ہے اسے انسان شاید ہی کبھی سمجھ سکے۔

الفاظ کی طاقت:

اب آیئے مادّی دنیا کی چند مثالوں کی مدد سے یہ دیکھتے ہیں کہ دعاؤں کے ذریعے مادّی تبدیلیاں کس طرح رونما ہوتی ہیں اور الفاظ کس طرح مادّے کو حرکت میں لاتے ہیں۔

ایک صاحب کی صحت قابلِ رشک تھی۔ وہ بے حد کم گو اور خوش اخلاق انسان تھے۔ ان کی نبض کی رفتار اور دل کی دھڑکن نارمل تھی۔ انہیں کھل کر بھوک لگتی تھی۔ وہ رات کو بڑے آرام کی نیند سونے کے عادی تھے۔ ایک دن وہ دفتر آئے تو بڑے خوشگوار موڈ میں تھے۔ اچانک ان کا ایک پرانا دشمن وہاں آ گیا اسے دیکھتے ہی سب سے پہلے تو ان کے مزاج کی خوش گواری رخصت ہوئی۔ اس دشمن نے گفتگو کے دوران انہیں اچانک ہی گالی دے دی۔ گالی کے الفاظ جیسے ہی دشمن کے ہونٹوں سے نکل کر ان صاحب کے کانوں میں داخل ہوئے تو پلک جھپکنے کے سے مختصر عرصے میں ان کے جسم میں بے شمار تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہوگئیں۔

مثلاً ان کا بلڈ پریشر (نارمل ۱۲۰/۸۰ سے بڑھ کر) اچانک ہی ۱۶۰/۱۰۰ تک پہنچ گیا۔ نبض کی رفتار ہوگئی۔ جسم کا خون پٹھوں میں جانے کی بجائے جلد کی نسوں میں امنڈ آیا۔ ان کے رخسار اور کان سرخ ہوئے۔ سانس لینے کی رفتار بڑھ گئی۔ گلے کی رگیں پھول گئیں۔ ہونٹوں سے جھاگ

نکلنے لگے۔ منہ کی رطوبت خشک ہوگئی اور وہ خوش مزاج اور شریف آدمی غصے کی شدت سے دیوانہ ہو کر دوسرے شخص کو مارنے دوڑ پڑا۔

الفاظ کے سننے سے جسم میں تبدیلیاں:

اب اگر اس نے دشمن کو برا بھلا کہہ کر دل کا غبار نکال لیا تو خیر اور اگر وہ دشمن سے بدلہ نہ لے سکا تو غصے کی وجہ سے اس کی بھوک اور نیند مستقل غائب ہو جائے گی۔ اٹھتے بیٹھتے ذلت و انتقام کا ایک شعلہ اس کے دل میں روشن رہے گا۔ یہ کیفیت اگر زیادہ عرصے برقرار رہی تو یہ خوش مزاج، صحت منداور شریف آدمی ایک بدمزاج اور بیمار انسان میں تبدیل ہو جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آتش انتقام ایک دن اسے ایک سفاک قاتل میں تبدیل کر دے اور یہ ایک عام سا انسان قتل کے الزام میں پھانسی کے تختے پر پہنچ جائے۔

سوال یہ ہے کہ:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی خوش مزاجی، بدمزاجی میں، شرافت درندگی میں اور صحت، بیماری میں کس طرح تبدیل ہوئی۔ اس کے مادی جسم میں رونما ہونے والی تبدیلیاں کس طرح ظہور پذیر ہوئیں؟ نہ اس نے کوئی دوا کھائی، نہ اسے کوئی انجکشن دیا گیا، نہ اسے کوئی زہریلی غذا استعمال کرائی گئی۔ دشمن کو دیکھنے اور گالی کے الفاظ سننے سے ایک لمحے پہلے وہ ایک خوش مزاج، صحت منداور شریف آدمی تھا۔ وہ ان چند الفاظ کو سننے سے پہلے تک کسی سے لڑنے یا کسی کو قتل کر دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس کی زندگی میں سارے انقلابات صرف چند الفاظ کے سننے سے رونما ہوئے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جن الفاظ نے ایک شخص کو قاتل بنایا اگر یہی الفاظ اس کا کوئی گہرا دوست آ کر اس کے سامنے ادا کرتا تو وہ شخص اپنے دوست کو سینے سے لگا لیتا اور یہی الفاظ اس کی خوش مزاجی میں اضافے کا سبب بنتے۔ اس مثال سے آپ الفاظ کی طاقت اور اثر پذیری کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

نیت اور نتائج:

جب کچھ ناشائستہ الفاظ کسی انسان پر منفی اثرات مرتب کر سکتے ہیں تو کیا رب العالمین کی مقدس و محترم آیات، قرآن کریم کے حیات آفرین الفاظ، لوح محفوظ کے معجز نما، شفا بخش جملے انسان کی زندگی میں مادّی تبدیلیاں رونما نہیں کر سکتے؟ کیا یہ آیات، بیمار کو شفا، جاہل کو علم، مفلس کو دولت، بے قرار کو سکون، بے اولاد کو اولاد، خوف زدہ کو تحفظ اور کمزور کو طاقت عطا نہیں کر سکتیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ نتائج کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ جزا عقل کے مطابق ملتی ہے اور مدد امید کے مطابق حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً دعا مانگتے ہوئے یا کوئی آیت مبارکہ پڑھتے وقت جیسی نیت ہوگی ویسے ہی نتائج ظاہر ہوں گے۔ جس حد تک ہم اللہ پر بھروسا کریں گے اسی مناسبت سے ہماری فریاد رسی ہوگی۔ جس حد تک ہمیں اللہ کی ذات پر یقین ہوگا، دعا کے اثرات بھی اسی تناسب سے ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے۔

یہ تو اصولی باتیں ہیں:

یہ اصولی باتیں ہیں۔ ہونا تو ایسا ہی چاہیے کہ دعاؤں کے نتائج ہماری نیت، امید اور عقل کے مطابق ظہور پذیر ہوں لیکن اللہ رب العالمین بہت رحم کرنے والا ہے۔ اس کا فضل ہمارے معیارات سے بالاتر ہے۔ اس کی رحمت اس کے غضب سے آگے چلتی ہے۔ وہ رب کائنات اور اپنے بندوں کا سب سے زیادہ ہمدرد اور ان پر سب سے بڑھ کر شفیق و مہربان ہے اس لیے وہ گناہ گاروں پر بھی کرم فرماتا ہے۔ نہ مانگنے والوں کو بھی ان کی ضروریات عطا کرتا ہے اور نافرمانوں کے عمل سے بھی درگزر کرتا رہتا ہے اس لیے کہ وہ بے نیاز اور اپنی مصلحتوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

(اگر آپ یہ سطور کئی اور لوگوں کے درمیان پڑھ رہے ہیں اور تھک گئے ہیں تو آخری چند صفحات آپ ابھی نہ پڑھیں۔ بہتر ہے اگلے صفحات کو آپ رات گئے ذرا دیر سے تنہائی اور یکسوئی کے ماحول میں پڑھیں)

باب: ۲۹

ہماری دعائیں صرف دنیا کے لیے ہوتی ہیں

دنیا کی زندگی کو باعزت طریقے پر گزارنے کے لیے دعا کرنا بہت اچھی بات ہے۔ رزق میں کشادگی، خوش حالی، عزت و آبرو، گھر، نوکری، شادی، صحت، علم، عقل اور بہتر زندگی کے لیے ضرور دعا کرنا چاہیے کیونکہ مفلسی، بدحالی اور پریشانیاں انسان کو شیطان کا نوالہ تر بنا دیتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں چاہئے کہ جب ہم اللہ جیسے عطا کرنے والے سے مانگ رہے ہوں تو اس مختصر سی زندگی کے لیے مانگنے کے ساتھ ساتھ آخرت کی ابدی اور لافانی زندگی کے لیے بھی جس حد تک مانگ سکتے ہیں ضرور مانگیں۔

> ''پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے میرے پروردگار ہم کو (جو دینا ہے) دنیا ہی میں دے حالانکہ (پھر) آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور بعض بندے ایسے ہیں کہ جو دعا کرتے ہیں کہ اے میرے پالنے والے مجھے دنیا میں نعمت دے اور آخرت میں (بھی نعمت) ثواب دے اور دوزخ کی آگ سے بچا۔'' (سورہ بقرہ: آیت ۲۰۱)

چمک دار اشیاء کے ڈھیر:

اگر ہمارے سامنے چمک دار اشیاء کے دو ڈھیر پڑے ہوں اور ہمیں بتایا جائے کہ ایک ڈھیر میں اصلی، خالص اور قیمتی جواہرات ہیں اور دوسرے ڈھیر میں بالکل اصلی جواہرات جیسے شیشے اور پتھر کے ٹکڑے ہیں تم جس ڈھیر سے چاہو اپنا دامن بھر لو۔ ایسی صورت میں ہم کس ڈھیر سے اپنی جھولی بھرنا پسند کریں گے! فطری بات یہ ہے کہ ہر انسان اصلی جواہرات سے اپنا دامن بھرنا چاہے گا۔

"(دنیا میں) لوگوں کو ان کی مرغوب چیزیں (مثلاً) بیبیوں (عورتوں) اور بیٹوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے لگے ڈھیر (دولت کی افراط) اور عمدہ عمدہ گھوڑوں (سواریوں) اور مویشیوں اور کھیتی باڑی (جانوروں کے فارم) کے ساتھ الفت بھلی کر کے دکھادی گئی ہے۔ یہ سب دنیاوی زندگی کے (چندروزہ) فائدے ہیں اور ہمیشہ کا ٹھکانا تو خدا ہی کے یہاں ہے۔

(اے رسولؐ) ان لوگوں سے کہو کہ کیا میں تمہیں ان تمام چیزوں سے بہتر چیز بتا دوں۔ اچھا سنو! جن لوگوں نے پرہیزگاری اختیار کی ان کے لیے پروردگار کے ہاں جنت کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اس کے علاوہ ان کے لیے صاف ستھری بیبیاں ہیں اور (سب سے بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی ہے۔

اور اللہ (اپنے) ان بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے جو (یہ) دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پالنے ہم تو (بے تامّل) ایمان لے آئے پس تو بھی ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

(یہی لوگ ہیں) صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، اور اللہ کے فرماں بردار اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور آخر شب میں (اللہ سے توبہ) استغفار کرنے والے۔" (سورہ آل عمران: آیت ۱۴ تا ۱۶)

آخرت کہیں بہتر اور دیرپا ہے:

ہم ٹی وی کے پروگراموں میں عالی شان گھروں اور باغوں کو دیکھتے ہیں تو ان گھروں کے حسن میں کھو کر رہ جاتے ہیں۔ یقین جانیں کہ دنیا کے یہ حسین گھر اور باغات جنت کے محلات اور باغوں کے مقابلے میں ان تصویروں سے بھی کم تر ہیں جو ٹی وی بند کرتے ہی غائب ہو جاتی ہیں۔ اس لیے دعا مانگتے وقت اپنی ساری توجہ اللہ کے ان خزانوں پر مرکوز رکھیے جو اس نے آخرت میں بانٹنے

کے لیے رکھ چھوڑے ہیں۔ دنیا کی چیزوں کی مثال چمک دار شیشوں، رنگ برنگ کے خوب صورت پتھروں اور رنگین تصویروں سے زیادہ نہیں ہے۔

''مگر تم لوگ تو دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور دیر پا ہے۔ بے شک یہی بات اگلے صحیفوں ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں (بھی ہے)۔'' (سورہ الاعلیٰ: آیت ۱۶ تا ۱۹)

آخرت کی تین نعمتیں:

ہماری دنیاوی زندگی تو ایک لمحہ بھر ہے۔ وقت کے اس بے کراں سمندر میں پھوار کے ایک ذرّے سے بھی کم تر۔ اس لیے جب آپ اللہ جیسے مالک سے مانگ رہے ہیں تو وہ نعمتیں مانگیے جو آپ کی ابدی اور لافانی زندگی میں کام آئیں۔

آخرت کی ابدی اور لافانی زندگی میں ہمیں کن کن نعمتوں کی ضرورت ہوگی ان کی تفصیل تو کسی کو بھی نہیں معلوم لیکن تین نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید نے بہت صراحت کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ ان میں سب سے عظیم نعمت ہے اللہ کی مغفرت وخوشنودی، دوسری جہنم سے نجات اور تیسری جنت میں قیام۔

اللہ کی مغفرت

ہم روزمرہ کی ضروریات و مسائل میں اس قدر الجھے ہوئے ہوتے ہیں کہ ہمیں اس گرد وغبار کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اللہ کی مغفرت ایک، بلکہ سب سے عظیم الشان نعمت ہے لیکن ہم فوری طور پر اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور کرتے بھی ہیں تو شاید یہ ہماری خواہشات کی فہرست میں تقریباً اٹھارویں نمبر پر ہوتی ہے۔ خواہشات کی لمبی فہرست کے بعد ہم اس کے لیے بھی رسماً دعا کر لیتے ہیں۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اللہ کی مغفرت کو اپنی خواہشات کی فہرست میں سب سے پہلے نمبر پر رکھیں اور اس کی اہمیت وافادیت کو سمجھتے ہوئے اس کے لیے ہر نماز کے بعد خضوع وخشوع سے گڑگڑا کر دعا مانگیں۔

دوزخ......عذابِ خدا کا مرکز:

دوزخ یا جہنم، جنت کی طرح ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ کلام مجید میں سو سے زیادہ مقامات پر اللہ نے عذاب جہنم اور اہل جہنم کا تذکرہ کیا ہے۔ جہنم اللہ کے بدترین عذاب کا مرکز ہے۔ یہاں کا کم ترین عذاب بھی دنیا کے بدترین عذاب یا تکلیفوں سے لاکھوں گنا زیادہ بھیانک ہوگا۔ تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ انسانوں کو اس عذاب الٰہی سے ڈراتے رہے ہیں۔ اس سے بچنے کے راستے بھی انہوں نے ہمیں بتادیے ہیں۔ اب یہ ہماری مرضی ہے کہ ہم آخرت کی زندگی کے بارے میں حاصل شدہ معلومات سے فائدہ اٹھائیں یا نہ اٹھائیں۔

شیطان کی ازل سے یہ کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ انسانوں کو جہنم کے عذاب میں گرفتار کرائے جب کہ اللہ رب کریم کی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ انسان بہشت میں اس کے مہمان بن کر آئیں اور ہمیشہ کے لیے وہیں کے ہو کر رہ جائیں۔

انسان اللہ کی شان خلاقیت کا اعلیٰ ترین شاہکار ہے۔ بھلا کوئی مصور اپنے شاہکار کو آگ میں جلانا چاہے گا؟ اللہ تو اپنے اس شاہکار کو جنت کے حسین اور ابدی ماحول میں سجانا چاہتا ہے۔ اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ رب العالمین کسی کو زبردستی جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ وہ بڑا بے نیاز ہے۔ اگر ساری انسانیت بھی شیطان کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی دوزخ میں داخل ہو جائے تب بھی اللہ کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

جنت تو اس نے اپنے بندوں کی محبت میں سجائی ہے۔ اب اگر کچھ بندے اس کی محبت کی قدر نہیں کرتے تو ان کے لیے جہنم کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

> ''بلکہ (سچ تو یہ ہے کہ) ان لوگوں نے قیامت ہی کو جھوٹ سمجھ رکھا ہے اور جس شخص نے قیامت کو جھوٹ سمجھا اس کے لیے ہم نے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے کہ جب جہنم ان لوگوں کو دور سے دیکھے گی تو (جوش کھائے گی اور) یہ لوگ اس کے جوش و خروش کی آوازیں سنیں گے اور جب لوگ

زنجیروں سے جکڑ کر اس کی کسی تنگ جگہ میں جھونک دیئے جائیں گے تو
اس وقت موت کو پکاریں گے۔اس وقت ان سے کہا جائے گا آج ایک
ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو (مگر اس سے کچھ فرق نہیں
پڑے گا)۔
(اے رسولؐ) تم پوچھو تو کیا یہ جہنم بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والا باغ
(جنت) جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے۔'' (سورہ الفرقان:
آیت ۱۱۔۱۵)

خود کو چیک کرتے رہنا چاہیے:

اگر ہم اپنے پالنے والے رب العالمین کو خوش کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی طرف سے پوری کوشش کرنا چاہیے کہ ہم عذاب جہنم کے خریدار نہ بنیں بہ صورت دیگر ہم رب العالمین کا مقابلہ کرنے والے ہی کے ہاتھ مضبوط کریں گے۔اگر ہمیں دوزخ یا جہنم پر یقین ہے تو ہمیں اپنی ہر نماز، ہر دعا میں بلکہ ہر وقت اللہ سے درخواست کرنا چاہیے کہ وہ ہمیں اس عذاب سے نجات عطا فرمائے۔

اس مقصد کے لیے صرف دعا ہی کافی نہیں، ہمیں بار بار خود کو چیک (Check) بھی کرتے رہنا چاہیے کہ ہم کس راستے پر سفر کر رہے ہیں۔کہیں شیطان نے ہمیں راہ سے بے راہ تو نہیں کر دیا۔

دعا کرتے وقت جہاں ہم دنیا کی مشکلات اور تکلیف سے بچنے کے لیے دعا کرتے ہیں اس سے زیادہ شدت سے ہمیں آخرت کے عذاب و مصیبت سے بچنے کے لیے دعا کرنا چاہیے۔

پوش علاقوں میں عالی شان گھر:

دنیا میں ہر آدمی کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ وہ اپنا مکان ان علاقوں میں بنائے جہاں اعلیٰ افسران، بڑے بڑے عہدیدار، مشہور اور صاحب حیثیت افراد رہتے ہوں کیونکہ ایسے علاقوں میں بڑے لوگوں کے ساتھ رہنا ایک اسٹیٹس سمبل ہے۔ڈیفنس (کراچی) ایف۔سیون (اسلام آباد) اور گلبرگ (لاہور) جیسے علاقوں میں مکان خریدنے کے لیے آدمی کو زندگی بھر تگ ودو کرنا پڑتی ہے۔

اس جدو جہد میں وہ حلال وحرام کی تمیز بھی کھو بیٹھتا ہے اور جب سارے مرحلوں سے گزر کر وہ ان ''پوش'' علاقوں میں اپنا گھر بنالیتا ہے تو خود اس کے پاس اس بنگلے سے لطف اندوز ہونے کے لیے چند برس سے زیادہ مہلت نہیں ہوتی۔

امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''ان دونوں قسم کے اعمال میں کتنا فرق ہے۔ایک وہ عمل جس کی لذت مٹ جائے اور اس کا وبال باقی رہ جائے اور ایک وہ عمل کہ جس کی سختی ختم ہو جائے لیکن اس کا اجر وثواب باقی رہے۔''

پینتالیس پچاس سال کے بعد کوچ کی گھنٹی بجنا شروع ہو جاتی ہے۔شوگر، بلڈ پریشر، گردوں یا دل کی بیماریوں کا آغاز ہونے لگتا ہے۔کسی کو کینسر کا خطرہ لاحق ہوتا ہے، کسی کو جوڑوں کا درد، کسی کو ٹی بی، کسی کو ڈپریشن۔

نوجوانی کے مزے خواب وخیال ہو جاتے ہیں ۔حسن وخوبصورتی اپنے معنیٰ کھو دیتی ہے۔ بینائی جواب دے جاتی ہے، پیٹ بڑھ جاتا ہے، کمر جھک جاتی ہے۔کبھی فلاں اسپیشلسٹ، کبھی فلاں ڈاکٹر کبھی یہ اسپتال کبھی وہ اسپتال۔جس شخص نے حلال وحرام کی تمیز کیے بغیر یہ گھر بنایا تھا وہ اس گھر سے انجوائے ہی نہیں کر پاتا۔اس طرح عالی شان گھر کے نقصانات بنانے والے کو برداشت کرنا پڑتے ہیں، فوائد سے دوسرے مزے اڑاتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''ہر شخص کے مال میں دو حصے دار ہوتے ہیں ۔ایک وارث، دوسرے حوادث۔''

جنت کے گھر:

بہر حال اگر آخرت میں ہم ایک ایسے علاقے میں اپنا محل تعمیر کرانا چاہتے ہیں جہاں انبیاؑ مرسلین، آئمہ طاہرینؑ اور شہداء وصالحین کے پکھراج، یاقوت، زبرجد، لاجورد اور ہیروں کے عظیم الشان محلات ہوں تو اس مقصد کے لیے ہمیں آج ہی سے پلاننگ کرنا ہوگی۔

بنوانے کی آپ فکر نہ کریں۔آپ یہاں اعمال خیر سرانجام دیں، وہاں فرشتے کنسٹرکشن کا کام

شروع کر دیں گے۔ دنیا کے گھروں کے برعکس آخرت کے گھروں کے لیے آپ کو سخت محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان گھروں کے لیے پیسہ جمع کرنے کی بجائے پیسے کو اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کریں۔ بیکار کاموں میں اپنی دولت نہ لٹائیں۔ دنیا کی مشکلات پر صبر کریں اور پھر دیکھیں کہ جنت میں کتنا عالیشان مکان آپ کے لیے تیار ہوتا ہے۔

''اور فرشتے (بہشت کے ہر) دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور سلام علیکم (کے بعد کہیں گے) کہ تم نے (دنیا میں) صبر کیا۔ (یہ اسی کا صلہ ہے دیکھو) تو آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے''۔ (سورہ رعد: آیت ۲۴)

یوں تو آخرت میں ہمیں جنت کے ''گردونواح'' ہی میں کوئی چھوٹا سا گھر بھی مل گیا تو یہ دنیا کے تمام محلات سے کہیں زیادہ قیمتی، پائیدار اور کشادہ ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ دینے والا اپنی حیثیت کے مطابق ہی عطا کرتا ہے اور جب عطا کرنے والا رب العالمین ہو تو اس کی عطا ہماری سوچ اور امید سے کہیں بڑھ کر ہوگی۔

ان گھروں کی قیمت اللہ کی خوشنودی ہے:

جنت کے محلات اور دیگر نعمتوں سے ہم ہمیشہ ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں گے۔ ان قیام گاہوں کی قیمت دنیا میں ہمیں کیش کی شکل میں ادا بھی نہیں کرنا پڑے گی۔ ان کی قیمت صرف تقویٰ اور اللہ کی خوشنودی ہے اور ان دونوں کا حصول بھی اللہ کی دی ہوئی توفیق ہی سے ممکن ہے۔

''اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا (یعنی اپنے گناہوں کے سبب قیامت میں اللہ کا سامنا کرنے سے ڈرتا رہا) اس کے لیے دو باغ ہیں۔ دونوں باغ (درختوں) ٹہنیوں سے ہرے بھرے (میوے سے لدے ہوئے)۔

ان دونوں میں دو چشمے بھی جاری ہوں گے۔ ان دونوں باغوں میں سب میوے دو دو قسم کے ہوں گے۔ یہ لوگ ان فرشوں پر جن کے استر اطلس کے

ہوں گے، تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔

دونوں باغوں کے میوے (اس قدر) قریب ہوں گے (کہ اگر چاہیں تو لگے ہوئے کھائیں)۔ اس میں (پاک دامن) غیر کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنے والی عورتیں ہوں گی جن کو ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہوگا اور نہ جن نے۔ (ایسی حسین) گویا وہ (مجسم) یاقوت و مونگے ہیں۔" (سورہ الرحمٰن تلخیص آیات)

جنت ناگواری میں گھری ہوئی ہے:

امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے: "جنت ناگواریوں میں گھری ہوئی ہے اور دوزخ خوشگواریوں میں"۔ صبح کی نماز کے لیے اٹھنا، سچ بولنا (جہاں نقصان کا اندیشہ ہو) روزے میں بھوک پیاس اور پابندیاں برداشت کرنا ہمیں ناگوار گزرتا ہے۔ موسیقی سننا، نگاہوں کا بے باکانہ استعمال، غیبت اور اسی نوعیت کے دوسرے گناہ کرتے وقت ہمیں بڑا مزہ آتا ہے۔

جنت کو حاصل کرنے کے لیے دنیا کی ناگواریوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور زندگی بھر جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ آسان کام تو ہر آدمی کر گزرتا ہے۔ مزہ تو اس میں ہے کہ انسان مشکل کام کو اپنے لیے چیلنج کے طور پر قبول کرے۔

کچھ ایسا ہی معاملہ روزِ قیامت کا ہے:

قیامت پر ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جو روز قیامت کے بارے میں کبھی سنجیدگی سے غور بھی کرتے ہوں۔

اگر ہمیں یقین ہو جائے کہ ہمیں ایک سال بعد اس ملک سے ہجرت کر کے کسی اجنبی جگہ جانا ہوگا تو کیا ہم آج ہی سے اس کے لیے منصوبہ بندی شروع نہیں کر دیں گے؟ نوجوان جب امریکہ، یورپ یا دنیا کے دوسرے علاقوں میں جانے کی پلاننگ کرتے ہیں تو لینگویج کورس کرتے ہیں۔ کمپیوٹر استعمال کرنا سیکھتے ہیں، وہاں کے ماحول، موسم اور رسم و رواج سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش

کرتے ہیں۔

آخرت کے لیے ہماری تیاری کیا ہوتی ہے؟ کیا ہم قیامت کے دن کے لیے بھی کوئی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔

ابھی کچھ دنوں سے قیامت کے بارے میں فلمیں بھی بننا شروع ہوگئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مایا تہذیب کے کلینڈر کے مطابق دسمبر 2012ء میں قیامت آجائے گی۔ لوگ یہ فلمیں بڑے مزے مزے سے دیکھتے ہیں اور خوب ہنسی مذاق کے ساتھ قیامت پر تبصرے کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو فون کر کے بتاتے ہیں کہ ارے بھائی! تم نے وہ فلم دیکھی...... پتا ہے قیامت آنے والی ہے۔ بات یہ کہ انھیں قیامت پر ایک بہت دور افتادہ سا گمان ہے۔ اگر یقین ہوتا تو ہنسی مذاق کے بجائے اپنے اعمال کو درست کرتے۔ قیامت کے بارے میں یہ رویّہ قیامت کا مذاق اڑانے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے۔

''بلکہ (سچ تو یہ ہے) کہ ان لوگوں نے قیامت ہی کو جھوٹ سمجھ رکھا ہے اور جس نے قیامت کو جھوٹ سمجھا اس کے لیے ہم نے عذابِ جہنم تیار کر رکھا ہے۔'' (سورہ فرقان: آیت:۱۱)

قیامت کے چھوٹے نمونے:

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں بھی قیامت کے چھوٹے چھوٹے نمونے دکھاتا رہتا ہے تاکہ قیامت کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ ہم روزانہ اپنے ٹی وی پر قیامت کے یہ نمونے دیکھتے رہتے ہیں۔ روزانہ نت نئے حوادث، نئے حادثات، نئے سانحات۔ کیا جاپان میں رہنے والے 2011ء میں آنے والے سونامی اور 2005ء میں پاکستان کے شمالی علاقوں میں آنے والے بھیانک زلزلے اور 2010ء میں پاکستان میں آنے والے سیلاب سے چند سیکنڈ پہلے بھی مرنے والوں کو اس قیامت کا اندازہ ہو سکتا تھا جو اُن پر آنے والی تھی؟

عراق اور افغانستان کے لوگ جس قیامت سے گزر رہے ہیں اگر ہم اور آپ ان علاقوں میں رہ

رہے ہوتے تو ہمیں اس عذاب کا اندازہ ہوتا جو راکٹوں، نیپام بموں، ہارپون میزائلوں، خودکش حملوں اور رات رات بھر مسلسل بمباری کی صورت میں ان علاقوں پر نازل ہوتا رہتا ہے۔

قیامت پر ایمان ہونے کے باوجود ہم اسے اپنی دعاؤں کا سرنامہ نہیں بناتے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے کچھ لوگوں نے عرض کی کہ یارسولؐ اللہ! آپ پر بڑھاپے کے آثار اتنی جلدی کیوں نمایاں ہو گئے؟ اللہ کے پیارے حبیبؐ نے فرمایا: ''سورہ ھود، سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، عم یتساء لون اور سورہ تکویر نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے''۔ واضح رہے کہ ان تمام سورتوں میں قیامت کے دن کی ہولنا کیوں کا ذکر ہے۔ (تفسیر نمونہ جلد۔۱۵)

اللہ کے نبی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قیامت کی ہولنا کیوں کو کس طرح محسوس کرتے ہیں اور ہم اُن کے اُمتی قیامت کے دن سے کس طرح بے پروا ہیں۔ اگر چہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو قیامت کا جو خوف تھا وہ اپنی اُمت کے افراد کے لیے تھا۔ خود آنحضرتؐ کو قیامت کا کیا خوف ہوسکتا ہے کہ آپؐ تو خود ساری اُمتوں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔

کبھی دعا رَد بھی ہو جاتی ہے

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ بعض حالات میں کچھ بندوں سے دعا ایسی بین الکائناتی ہاٹ لائن کی سہولت عارضی طور پر منقطع کر دی جاتی ہے۔ یہ انتہائی اقدام بار بار کی وارننگ اور تنبیہ کے بعد اٹھایا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ لائن ون وے (One way) ہو جاتی ہے۔ یعنی اللہ رب العالمین کی جانب سے تو ہم سے رابطہ رہتا ہے لیکن جب ہم اس سہولت سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں تو ہماری دعائیں براہ راست اللہ کے دربار میں پہنچنے کی بجائے کائنات کے کسی نامعلوم مقام کی طرف ڈائیورٹ (Divert) ہو جاتی ہیں۔ جہاں یہ محفوظ کر لی جاتی ہیں اور جب بندہ ان اسباب کو دور کر لیتا ہے جن کی وجہ سے یہ سہولت منقطع کی گئی تھی تو اللہ کریم اپنی مصلحت و مشیت کے مطابق ان کے نتائج ظاہر فرماتا ہے۔

یہ سہولت منقطع کیے جانے کی وجہ گناہان کبیرہ کا ارتکاب یا اپنے کسی بھی گناہ کو ہلکا سمجھ کر اس کی

تکرار کرتے رہنا ہے۔

ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ خداوند تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو کہ میں اسے قبول کروں مگر میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ دعائیں کرتے ہیں لیکن ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں!

امامؑ نے جواب دیا۔ "وائے ہو تجھ پر کوئی شخص ایسا نہیں کہ وہ اللہ سے دعا مانگے اور قبول نہ ہو مگر ظالم کی دعا اس وقت تک رد ہوتی رہتی ہے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلے"۔

ہم عام طور پر ظالم ایسے شخص کو سمجھتے ہیں جو سخت دل، بے رحم، اذیت دینے والا یا بے قصور لوگوں کو قتل کرنے والا ہو۔ یہ ظالم کے ایک معنی ہو سکتے ہیں۔ دراصل ظلم ہر وہ عمل ہے جو خلاف فطرت یا احکام الٰہی کے برعکس ہو۔

بہرحال ایسا ظالم شخص بھی جب چاہے اللہ رب العالمین کو پکار سکتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ "درمیانی رکاوٹوں" کو خلوص دل سے توبہ کر کے دور کرلے۔ یہ اختیار ہر وقت خود اس کے پاس موجود ہے۔

باب: ۳۰

امتحان تو نیک بندوں کا ہوتا ہے

بہت سے لوگ جب کسی مشکل، پریشانی یا صدمے سے دوچار ہوتے ہیں تو مایوسی کی حالت میں ان کے منہ سے یہ الفاظ سننے کو ملتے ہیں۔ ہم نے بہت سے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ امتحان تو نیک بندوں کا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گناہ گاروں کو اللہ نے امتحان سے چھوٹ دے رکھی ہے۔

گویا ہر مشکل میں گرفتار ہونے کے لیے صرف اللہ کے نیک بندے ہی رہ گئے ہیں۔ دنیا کی ذلتیں، پریشانیاں، دکھ، درد، بھوک، تلواروں اور گولیوں کے زخم، قید و بند کی صعوبتیں صرف اللہ کے نیک بندے برداشت کریں اور مجھ جیسے گناہ گار خوب مزے اڑاتے پھریں۔

یہ جاہلانہ تصور احکام الٰہی کے یکسر خلاف ہے۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے اور یہاں جو بھی موجود ہے وہ ہر لمحہ امتحان دے رہا ہے۔ ہر ذی نفس کو امتحان سے گزرنا ہے اور ہر انسان کو ایک مختلف نوعیت کا امتحان دینا ہے۔

"اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے۔

(سورہ بقرہ۔ اقتباس از آیت: ۱۵۷)

سوچنے کی بات ہے کہ رب العالمین جب اپنے پیارے بندوں کو امتحان کی سختیوں میں مبتلا کر سکتا ہے اور کرتا ہے تو ہم جیسے عام بندوں میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ وہ ہمیں دنیا کی سختیوں سے آزاد کر دے۔

"ال م۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ (صرف) اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے، چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کا امتحان نہ لیا جائے

گا (ضرور لیا جائے گا) اور ہم نے تو ان لوگوں کا بھی امتحان لیا جو اِن سے
پہلے گزر چکے ہیں۔" (سورہ عنکبوت: آیت ۱ تا ۳)

(نوٹ: تفاسیر کے مطابق سورہ عنکبوت کی ان آیات میں اس امتحان کی پیش گوئی کی گئی ہے جس سے ہم مسلمان، اللہ کے رسولؐ کے دنیا سے جانے کے بعد دوچار ہوئے اور دوچار ہیں۔)

ہمارے پیارے نبیؐ کا امتحان:

ہمارے پیارے نبیؐ کے راستوں میں کانٹے بچھائے گئے، طائف کے بچوں نے آپؐ کے جسم مبارک پر اتنے پتھر مارے کہ آپؐ لہولہان ہو گئے۔ آپؐ پر غلاظتیں پھینکی گئیں، آپؐ نے شعب ابو طالب کی سختیاں جھیلیں، عزیزوں کے داغ سہے، انہیں جادوگر کہا گیا، قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپؐ کی پیاری بیٹی کے ہاتھ چکی پیس پیس کر لہولہان ہو جایا کرتے مگر آنحضرتؐ ساری کائنات کے مالک ہوتے ہوئے بھی اپنی نورِ نظرؑ کو صبر و برداشت کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ وہ اپنی بیٹیؑ کے جہیز میں دنیا کی ہر چیز دے سکتے تھے لیکن انہوں نے وہی جہیز دیا جو ایک غریب ترین آدمی دے سکتا ہے۔

دنیا میں اگر کسی فرد کو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنے کا حق ہوتا تو وہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے صاحبزادے جناب ابراہیمؑ اور جناب قاسم بن محمد ہوتے کیونکہ وہ اللہ کے حبیب کے جگر کا ٹکڑا تھے لیکن آنحضرتؐ نے ان کی کمسنی کی موت کا صدمہ برداشت کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ استحقاق بنتا تھا کہ اللہ اپنے، اس کائنات کی تمام مخلوق سے زیادہ پیارے بندے کو دنیاوی صعوبتوں سے بچائے رکھتا لیکن آنحضرتؐ اس کے جس قدر پیارے تھے، انہوں نے اسی قدر زیادہ دنیاوی مشکلات و مصائب کو برداشت کیا تا کہ کہنے والے یہ نہ کہیں کہ یہ چونکہ اللہ کے چہیتے بندے تھے اس لیے اللہ نے انہیں امتحان کی سختیوں سے بچا لیا۔

ہمارا امتحان ہی کیا:

جو اللہ کا جتنا پیارا ہوتا ہے اسے اتنے ہی سخت امتحان سے گزرنا ہوتا ہے لیکن امتحان ہوتا ہر ایک

کا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بندہ وہی اللہ کو پیارا ہوتا ہے جس میں دنیا کی سختیوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوا۔ بہر حال اللہ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا یعنی اللہ یہ نہیں کرتا کہ میٹرک کی استعداد رکھنے والے سے ایم۔ ایس۔ سی کا امتحان لے۔ ہم ایسے ''نان میٹرک'' لوگوں کا تو امتحان ہی کیا! ہمیں یہ سخت اور مشکل اس لیے لگتا ہے کہ ہمیں ''ایم۔ ایس۔ سی'' کے نصاب اور پرچوں کی سختی کا اندازہ ہی نہیں ہے۔

مشکلات سے نہ گھبرائیں اللہ سے رابطے میں رہیں:

اللہ رب العالمین جیسا مددگار، رحمت اللعالمینؐ جیسا سفارش کرنے والا، اہل بیت علیہم السلام جیسے خیال رکھنے والے اور دعا جیسا ہتھیار ہر وقت جن کے پاس موجود ہو اور وہ مشکلات سے گھبرا جائیں تو بڑی حیرت کی بات ہے۔

یہ لازوال طاقتیں ہر لمحے ہمارے ساتھ، ہمارے پاس ہیں اور انہیں دنیا کی کوئی طاقت ہم سے نہیں چھین سکتی۔ جب ایسا ہے تو دنیاوی مسائل و مشکلات کے مقابلے میں پریشانی کیوں؟ شاید اس لیے کہ ہم اللہ رب العالمین کے اختیار و اقتدار، رسول کریمؐ کی محبت، اہلِ بیتؑ کی شفقت اور دعا کی عظیم قوت کا ادراک نہیں رکھتے۔ اسی لیے تو دنیا کے چھوٹے چھوٹے مسئلے ہمیں پہاڑ کی طرح نظر آتے ہیں۔ آپ یقین فرمائیں کہ اگر ہم اللہ پر یقین، نبی کریمؐ کی رحمت پر بھروسا اور اہل بیتؑ کی توجہ پر اعتماد کرتے ہوئے انہی کے وسیلے سے روزانہ نماز اور دعا کے ذریعے اللہ سے رابطے میں رہیں تو یہ پہاڑ ریت کے بھر بھرے ٹیلوں میں تبدیل ہو کر ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔

حالات موسموں کی طرح بدلتے ہیں:

حالات سے نہ گھبرائیں۔ حالات موسموں کی مانند ہوتے ہیں۔ فوراً نہیں بدلتے لیکن بتدریج بدلتے رہتے ہیں۔ اب اگر میں موسم سرما میں یہ دعا کروں کہ یا اللہ سردی فوراً ختم ہو جائے کیونکہ میرے پاس گرم کپڑے نہیں ہیں یا بارش نہ ہو کہ میرے مکان کی چھت کمزور ہے تو جناب سردی بھی پڑے گی اور بارش بھی ہوگی کیونکہ موسموں کی تبدیلی زمین پر قضا و قدر کے بے شمار فیصلوں کو نافذ کرتی ہے۔

ان تبدیلیوں کے ذریعے اللہ کے لاتعداد احکامات پر عمل درآمد ہونا ہوتا ہے۔ قضاوقدر کے یہ معاملے میرے پاس گرم کپڑے نہ ہونے یا چھت کمزور ہونے کی وجہ سے ملتوی نہیں ہوں گے کیونکہ ان سے بے شمار مخلوقات کا رزق، زندگی، موت، بیماریاں، صحت، غم، خوشیاں، فائدے اور نقصانات وابستہ ہیں۔ مجھے اور آپ کو چاہیے کہ ایسے موقعوں پر اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ اللہ پر بھروسا کیے رہیں اور اسی کے سہارے ان ناگواریوں کو جھیل جائیں۔

آپ دیکھتے ہی ہیں کہ نہ دھوپ کو قرار ہے نہ سائے کو، نہ دن کو ثبات ہے نہ رات کو، نہ سردی ٹھہرتی ہے نہ گرمی، نہ بارشیں ہمیشہ رہتی ہیں نہ خشک سالی۔ کبھی پیڑ پھولوں سے ڈھک جاتے ہیں اور کبھی پتوں تک سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کا معاملہ ہمارے ساتھ بھی رہتا ہے۔ کبھی پریشانیاں دور ہونے کا نام نہیں لیتیں، کبھی خوشیاں سنبھالے نہیں سنبھلتیں۔

تیزی سے بدلتے ہوئے ان تمام موسموں میں آپ اللہ رب العالمین سے رابطے میں رہیں جو سب سے طاقت ور اور قریبی مددگار ہے اور اپنے بندوں پر بے حد مہربان بھی۔

منفی اثرات آپ کے لیے مثبت ہو جائیں گے:

اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ہم سے رابطے میں ہے لیکن ہماری جانب سے اس سے رابطہ، اس کا ذکر، نماز اور دعا ہے۔ ان اچھے، بُرے موسموں میں اگر آپ اسے یاد نہیں رکھیں گے تو بھی ان موسموں کے اچھے یا بُرے اثرات بہر حال آپ پر مرتب ہوں گے لیکن اگر موسموں کی ان سختیوں میں آپ اسی سے لَو لگائے رہیں گے تو بُرے اثرات آپ پر اثر انداز تو ہوں گے لیکن آخر کار یہ منفی اثرات، نتیجے کے طور پر آپ کے لیے مثبت ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے ہر بندے کے ساتھ ایک بالکل الگ طرح کی پیکیج ڈیل ہے۔ کسی کے لیے کچھ مسائل، کسی کے لیے کچھ وسائل۔ کہیں فائدے، کہیں نقصان، کبھی بے فکری کبھی سخت مشکلات، کبھی ہر کام میں آسانی، کبھی ہر کام میں رکاوٹ۔ ہمیں اس پیکیج ڈیل کے مطابق ہی چلنا ہوتا ہے۔

لیکن ہمارے لیے مسئلہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر آدمی کسی اور کی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ اسے

اپنا پیکج پسند نہیں۔ وہ کوئی دوسرا پیکج لینا چاہتا ہے۔

ہر فرد کا پیکج الگ طرح کا ہے:

کئی سال پہلے کی بات ہے۔ ہم لوگ رضویہ سوسائٹی (کراچی) میں رہتے تھے۔ اس زمانے میں بہت سے مسائل میں گھرا ہوا تھا۔ پیسے کی تنگی (جو میرے پیکج میں شامل ہے) گھر میں بیماری، قرض داروں کے تقاضے، مکان کا کرایہ، ہر روز کے خرچے۔

ایک دن شیطان نے مجھے یاد دلایا کہ تم سے کم صلاحیتوں کے لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ دیکھو! تمہارے دوسروں دوستوں کو اللہ نے کیا کچھ نہیں دیا۔ ان کے پاس اپنے گھر، گاڑیاں، بزنس، مال و دولت موجود ہے۔ ان کے بچے بیرون ملک تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور تمہارا کیا حال ہے؟ نہ اپنا گھر، نہ اچھی نوکری، نہ کاروبار، نہ بچوں کی فیس کے پیسے، نہ بے فکری، نہ زندگی کا سکون......وغیرہ وغیرہ۔ میں نے غور کیا تو ایسا ہی نظر آیا۔ میں بہت کمزور آدمی ہوں لیکن ناشکر گزاری کو عقلاً اخلاقی جرم تصور کرتا ہوں۔ بہرحال شیطان نے جو منظر مجھے دکھایا تھا، اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ ناشکر گزاری کر نہیں سکتا تھا لیکن ناشکر گزاری کی اپنی ایک لذت ہوتی ہے۔ خود ترسی یا خود کو مظلوم سمجھ کر اپنے اوپر ترس کھانے کا بھی ایک الگ مزہ ہے۔

اجازت سے ناشکری:

بہرحال میں نے ایک درمیانی راستہ نکالا۔ میرا دل دکھ سے بھرا ہوا تھا۔ میں خوب رونا چاہتا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے کہا کہ مالک! میں تیرے احسانات کا منکر نہیں لیکن آج تیری اجازت سے، ذرا دیر کے لیے ناشکری کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں بستر پر گر گیا اور بہت دیر تک روتا رہا۔

دوستوں، پڑوسیوں اور رشتے داروں کو اللہ نے جو نعمتیں دے رکھی ہیں، اور میں جن محرومیوں کا شکار تھا ان کا موازنہ کرتا رہا، روتا رہا۔ میرا ہی امتحان کیوں؟ میرے ہی ساتھ یہ مسلسل مشکلات کیوں، میرا قصور کیا ہے، میں نے ایسا کیا کیا ہے جو تو نے مجھے اس حال میں رکھا ہوا ہے؟ (''میں نے کیا کیا'' اُس سب کی تفصیل میں اُس وقت یاد ہی نہیں رکھنا چاہتا تھا)

ناشکری کے طے شدہ وقت کے بعد میں اٹھا۔ منہ ہاتھ دھویا اور گھر سے نکل کر امام بارگاہ کی طرف چل پڑا۔ ایام عزا تھے۔ رضویہ امام بارگاہ میں مجلس ہونے والی تھی۔ میں امام بارگاہ کی پارکنگ کے پاس ایک جگہ جا کر بیٹھ گیا۔

زندگی تو اِن کی ہے:

طرح طرح کی گاڑیاں آ رہی تھیں اور ان میں سے بڑے خوش حال چہروں والے لوگ اتر اتر کر اندر جا رہے تھے۔ اسی دوران ایک نیلے رنگ کی BMW اندر داخل ہوئی۔ اس شاندار کار کو ایک بہت دولت مند شکل وصورت والے بزرگ ڈرائیور کر رہے تھے۔ برابر کی سیٹ پر ایک نوجوان لڑکا بیٹھا تھا۔ لڑکے کے چہرے پر بے فکری اور دولت مندی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

ناشکری کے بگولوں نے جو غبار اڑایا تھا اس کی گرد ابھی تک میرے دماغ میں موجود تھی۔ میں نے BMW اور اس کے مالکان کو دیکھا اور بڑی حسرت سے سوچا کہ بھائی! زندگی تو ان لوگوں کی ہے!

مجھے جواب مل گیا:

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ گاڑی میرے قریب آ کر رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے بزرگ کار سے نکلے اور کار کے اس دروازے کی طرف آئے جہاں ایک نوجوان لڑکا (غالباً ان کا بیٹا) بیٹھا تھا۔ بزرگ نے وہ دروازہ کھولا اور نوجوان کے بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھنے اور کار سے نکلنے میں مدد دی۔ جب وہ نوجوان کار سے نکلا تو معلوم ہوا کہ وہ اعصابی بیماری کا شکار ہے۔ نہ ہاتھ اس کے قابو میں ہیں نہ پیر۔ بے فکری تو اس کے چہرے پر ہونا ہی تھی!

میں یہ منظر دیکھ کر لرز سا گیا۔ مجھے اپنے شکوے کا جواب مل چکا تھا۔ اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے ہر بندے سے الگ طرح کی ''ڈیل'' ہے اور یہ ڈیل ہر بندے کی صلاحیتوں اور برداشت کے مطابق ہے۔ لیکن ہر بندہ اپنا پیکج تبدیل کرانا چاہتا ہے یہ جانے بغیر کہ اگر اسے کسی دوسرے کی زندگی دے دی جائے تو پیکج تبدیل کرانے والا چند ہی روز میں اپنی زندگی سے عاجز آ جائے گا۔

باب: ۳۱

مہربان مالک کے ساتھ ہمارا رویّہ

ہم سب کا عقیدہ، یقین اور ایمان ہے کہ اللہ رب العالمین کے سوا کوئی ہمارا معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہ سب سے بڑا ہے۔ وہ سب کو پیدا کرنے والا، زندہ رکھنے والا اور ایک معلوم وقت کے بعد سب کو فنا کر دینے والا اور نئی دنیائیں، نئی کائناتیں پیدا کرنے والا ہے۔ ہمارا یہ بھی ایمان کہ وہ رحمان ورحیم اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے۔

اللہ رب العالمین کی ان تمام صفات کو ہم مانتے ہیں لیکن شاید ان صفات کو اپنی زندگی میں محسوس نہیں کرتے۔ وہ ہم سے رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن عملاً ہم نے اسے ساتویں آسمان تک محدود کر رکھا ہے۔

میری ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کو پہچانیں اور اسے اپنی روزمرہ کی زندگی میں ''محسوس'' کریں۔ رب العالمین کی بنائی ہوئی اس عظیم کائنات کے تناظر میں یہ دنیا ایک خرد بینی جرثومے، وائرس سے بھی کم تر ہے اور اس دنیا میں ہمارا وجود ایک ذرّہ خاک سے بھی کم تر حیثیت رکھتا ہے۔ وہ رَبِّ کائنات ہے اور ہم ایک ذرّہ خاک سے بھی کم تر۔ تو کیا اپنے مالک سے ہمارا موجودہ رویہ اس کے شایانِ شان ہے؟ نہیں۔ ہمارا رویہ نہ صرف اس کے شایان شان نہیں بلکہ حدِ ادب سے گرا ہوا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو محسوس ہی نہیں کرتے:

ہم انسانوں کے چھوٹے چھوٹے احسانوں کو تو مانتے ہیں اور زندگی بھر ان کا شکریہ ادا کرتے رہتے ہیں لیکن اللہ رب العالمین کے عظیم احسانوں کو ہم میں سے اکثر لوگ [illegible]ی زندگی محسوس تک نہیں کرتے، شکریہ ادا کرنا تو بعد کی بات ہے۔ حالانکہ تمام انسانوں کے تمام احسان مل کر بھی اللہ

تعالیٰ کے ایک احسان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مثلاً کیا ساری دنیا کے انسان مل کر ایک انسان کے لیے ''ہوا'' تخلیق کر سکتے ہیں؟

ہم تمام زندگی اسی ہوا کے ذریعے زندہ رہتے ہیں لیکن اس کی اہمیت وافادیت اور قدر و قیمت سے بے خبر رہتے ہیں۔ ہاں جب کسی مریض کو مصنوعی طریقے سے آکسیجن دی جاتی ہے، اس وقت اسے اپنے جسم میں موجود نظامِ تنفس اور دنیا میں آکسیجن کی موجودگی اور اس کی قدر و قیمت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔

آقا، غلام کو منالیتا ہے:

دنیا میں ہمارے ساتھ نیکی کرنے والا ایک حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا جب کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ جو نیکیاں (احسان) کرتا ہے، ویسی ایک نیکی بھی دنیا کے سارے انسان مل کر نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود ہم (دل سے) اللہ تعالیٰ کا اتنا احسان بھی نہیں مانتے جتنا چھوٹی چھوٹی نیکیاں کرنے والوں کا مانتے ہیں۔ کیا ہمارا یہ رویہ مالک حقیقی کے شایانِ شان ہے؟

ہم معمولی معمولی باتوں پر اس سے روٹھ جاتے ہیں، جب کہ اللہ رب العالمین کی محبت کا یہ عالم ہے کہ بجائے اس کے کہ غلام اپنے آقا کو منائے، آقا اپنے غلام کو منالیتا ہے، اسے راضی کر لیتا ہے کہ شاید اس طرح غلام کو اپنے آقا کی محبت کا احساس ہو جائے!

ہم کیا کرتے ہیں؟

اس کے برعکس مالک ہم سے کہتا کچھ ہے ہم کرتے کچھ ہیں۔ وہ ہمیں نماز قائم کرنے کا حکم دیتا ہے، ہمیں اپنا آرام پیارا ہوتا ہے۔ اگر نماز پڑھتے بھی ہیں تو اس کی مرضی کے بجائے اپنے موڈ اور سہولت کے مطابق۔ اگر نماز فجر کا وقت 5:15 پر ہے تو ہم یہ نماز دفتر جانے سے پہلے ساڑھے آٹھ بجے ادا کرتے ہیں۔ ظہر کا وقت ایک بجے ہے تو ہم پانچ بجے نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ مغرب اگر ساڑھے چھ بجے ہے تو ہم گیارہ بجے جانماز پر پہنچتے ہیں۔ یہی حال عصر اور عشاء کی نمازوں کا ہوتا ہے۔

وہ سچ بولنے کو پسند کرتا ہے۔ہم ساری زندگی جھوٹ کے سہارے گزارتے ہیں۔یا کم از کم جھوٹ اور سچ میں اللہ کے حکم کے بجائے اپنی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

وہ ہمیں غیبت سے منع کرتا ہے،ہمیں اپنے مُردہ بھائی کا گوشت زیادہ پسند ہے۔وہ ہمیں روزہ رکھنے کی ہدایت کرتا ہے،ہم اس سے بچنے کے لیے جواز ڈھونڈنے لگتے ہیں۔

وہ ہمیں والدین کی خدمت کرنے کا حکم دیتا ہے،ہم بیوی بچوں کو خوش کرنے میں لگ جاتے ہیں۔بیوی بچوں کو خوش رکھنا اچھی بات ہے لیکن والدین اور بیوی بچوں کے درمیان انصاف کرنا ضروری ہے۔

وہ ہمیں اپنے گھر مدعو کرتا ہے،ہم حج کے بجائے صحت افزا مقامات کی طرف نکل جاتے ہیں۔

وہ ہمیں پڑوسیوں کی دیکھ بھال کی طرف متوجہ کرتا ہے،ہم پڑوسیوں سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتے۔وہ ہمیں آخرت کی فکر کرنے کو کہتا ہے،ہم اپنے آج کے مسائل کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔وہ ہمیں حلال کی طرف راغب کرتا ہے،ہم حرام سے باز نہیں آتے۔وہ موسیقی کو جہنم کے کتوں کی غذا سمجھتا ہے،ہم موسیقی کو روح کی غذا کہتے ہیں۔وہ ہمیں شیطان کے منصوبوں سے آگاہ کرتا ہے،ہم انہی منصوبوں کا حصہ بن جاتے ہیں۔

ہمارا مالک ہمیں جو کچھ عطا کرتا ہے،ہم وہ سب کچھ لے کر دشمن کی فوج میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی شیطان کے پاس بھی کوئی جگہ نہیں کیونکہ یہ بات شیطان بھی جانتا ہے کہ جو شخص اللہ رب العالمین جیسے مہربان مالک کا وفادار نہیں ہو سکا تو وہ کسی دوسرے کا وفادار کیسے ہو سکتا ہے۔

رب العالمین ہماری توبہ کا منتظر ہے:

ہماری ان تمام گمراہیوں،بے وفائیوں اور غداریوں کے باوجود میرا اور آپ کا مالک ایسا مہربان اور اس قدر درگزر سے کام لینے والا ہے کہ ہماری آخری سانس تک ہماری توبہ کا انتظار کرتا رہتا ہے کہ بندہ توبہ کرے اور وہ اسے قبول کرے۔

یہ حقیقت ہے کہ اس مالک حقیقی کے مخصوص بندوں کے علاوہ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جس نے اپنے مالک کے حکم سے سرتابی نہ کی ہو۔ہم سب کسی نہ کسی حد تک گناہوں کی آلودگی میں مبتلا ہیں اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ میری اور ساری دنیا کے انسانوں کے تمام گناہوں کی معافی صرف ایک حرف ''دعا'' میں پوشیدہ ہے۔اپنے گناہوں، گمراہیوں، بے وفائیوں، غداریوں کے لیے معافی کی دعا، یعنی خلوص اور سچائی کے ساتھ توبہ۔

''پھر اس میں شک نہیں کہ جو لوگ نادانستہ (جہالت کی بنا پر) گناہ کر بیٹھے ہیں (لیکن) اس کے بعد (صدق دل سے) توبہ کر لی اور خود کو (آیندہ کے لیے) درست کر لیا تو (اے رسولؐ) اس میں شک نہیں کہ تمہارا پروردگار اس کے بعد (بھی) بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔''

(سورہ نحل: آیت ۱۱۹)

دیکھیں! کسی عام شخص کو بھی غیر ضروری انتظار کرانا غیر اخلاقی بات ہے اور ہمارا مالک تو اللہ ربِ کائنات ہے۔ بادشاہوں کا بادشاہ، رب کائنات، خالقِ حقیقی، پروردگار عالم، مسجودِ ملائکہ، معبود انبیاؑ، مقصود آئمہؑ، رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے آقا کا آقا، حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ جیسے مولا کا مولا۔

ایسے رحمان ورحیم، غفور وکریم مالک کو انتظار کرانا ہمیں کسی بھی طرح زیب نہیں دیتا۔وہ جانے کب سے ہماری توبہ کا منتظر ہے۔

کیا ہم ساری زندگی اسے انتظار ہی کراتے رہیں گے؟

آج کی رات ہی شبِ جمعہ بن جائے:

آج اس انتظار کا خاتمہ ہو جانا چاہیے۔آج اور اسی وقت کیوں کہ کل کبھی نہیں آتی۔جو کام کرنا ہے آج ہی کیوں نہ نمٹا دیں۔کل کا کیا بھروسا۔کل کا بھروسا تو وہ کرے جسے اگلے لمحے کا اعتبار ہو۔

کیا کہا......شب جمعہ......ہاں شب جمعہ بہت مبارک رات ہے۔اپنی خاص دعاؤں کے لیے

انبیائے کرامؑ اس رات کا انتظار کیا کرتے تھے لیکن آپ اس کے انتظار میں توبہ کو مؤخر نہ کریں۔ آپ توبہ کے ارادے سے اللہ کے دربار میں حاضر ہوں گے تو آج کی رات ہی آپ کے لیے شبِ جمعہ بن جائے گی۔ امام معصومؑ نے فرمایا ہے۔ ''سب سے مبارک رات یا دن وہ ہے جس میں انسان کو توبہ کرنے کی توفیق حاصل ہو جائے''۔ آج کے دن کو عید اور آج کی رات کو شب برأت بنانا ہمارے اور آپ کے اختیار میں ہے۔

توبہ کا دروازہ اس وقت بھی کھلا ہوا ہے:

یقین کیجئے جس لمحے آپ اس کتاب کی یہ آخری سطور پڑھ رہے ہیں، اس لمحے بھی اللہ جل شانہ کا دربار کھلا ہوا ہے۔ اس وقت بھی اس کی رحمت، کائنات کی ہر شے پر چھائی ہوئی ہے۔ ربِّ کائنات اپنے بندوں کے لیے ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی مہربان، معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا اور نعمتیں عطا کرنے والا ہے۔ میرے اور آپ کے لیے توبہ کا دروازہ اس وقت بھی کھلا ہوا ہے۔

اس کی رحمت کو اس وقت بھی اس کے غضب پر سبقت حاصل ہے۔ میرا اور آپ کا رحیم و کریم مالک اللہ رب العالمین ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی زمین و آسمان کے خزانے اپنے بندوں میں بانٹ رہا ہے۔ راستے میں کوئی ایسا دربان بھی نہیں جو آپ کا راستہ روکے۔ اس کے دربان تو مقرب بارگاہ فرشتے ہیں جو توبہ کرنے والوں کے مددگار بننے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور ایسے بندوں کو ''سر آنکھوں'' پر بٹھاتے ہیں۔

موقع اچھا ہے۔ آج ہم وہ کر گزریں جس کے کرنے میں ہمیشہ شیطان کے لشکر سدِ راہ ہو جایا کرتے تھے۔ اپنی ذرا سی کوشش سے آج ہم ان لشکروں کو شکست دے کر اپنے ازلی دشمن کا سر کچل سکتے ہیں۔

دعا جیسا ہتھیار اور توبہ جیسی عظیم سہولت ہمیں میسّر ہے۔ جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ، عزرائیلؑ جیسے طاقت ور اور مقرب بارگاہ فرشتے ہمارے مددگار ہیں۔ رحمت للعالمینؐ جیسے اللہ کے

رسولؐ کی مکمل سفارش ہمیں حاصل ہے۔مولائے کائناتؑ ہمارا بازو تھامنے کو تیار ہیں۔شہزادی فاطمہ زہراؑ کی دعاؤں کا حصار ہمارا احاطہ کیے ہوئے ہے۔امام حسنؑ وحسینؑ ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہیں۔حضرت حجت ابن الحسن علیہ السلام اپنے ایک نافرمان چاہنے والے کے دل میں توبہ کے ارادے دیکھ کر خوش ہورہے ہیں۔اور کیا چاہیے آپ کو؟

جی ہاں...... یہ جو آپ اپنی آنکھوں کے کناروں پر اور اپنے رخساروں پر آنسوؤں کی گرمی محسوس کر رہے ہیں، یہ ایک اشارہ ہے کہ بس دیر نہ کریں۔

ایسے قیمتی لمحے بار بار ہاتھ نہیں آتے۔بسم اللہ کیجئے،انہی کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوں،غسل یا وضو کریں۔جائے نماز پر آئیں۔زیادہ بہتر ہے کہ مسجد چلے جائیں۔دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے ادا کریں......(قضا نمازیں تو بہت ہیں انھیں ابھی رہنے دیں)۔خداوند کریم،اپنے مہربان مالک کو حاضر و ناظر جانیں......اور اللہ ہی کو نہیں خود کو بھی حاظر و ناظر تصور کریں اور پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد کچھ نہ کریں بس براہ راست سجدے میں گر جائیں۔اس حالت میں......

۱)اگر کوئی دعا یاد نہیں تو لاتعداد مرتبہ العفو......العفو......العفو(معاف کر دے،معاف کردے،معاف کردے) کہتے رہیں۔

۲) "اَستغفِرِ اللّٰہ رَبّی وَ اَتُوبُ اِلیہِ" کا ورد کرتے رہیں

۳)اگر دعائے کمیل کا آخری حصہ یاد ہے تو خلوص دل سے دعائے کمیلؒ کے ان آخری الفاظ کو دہراتے رہیں۔

یَاسَرِیعَ الرِّضَا اِغْفِرْ لِمَنْ لَا یَمْلِکُ اِلَّا الدُّعَاءَ فَاِنَّکَ فَعَّالٌ لِمَا تَشَاءُ یَامَنِ اسْمُهُ دَوَاءٌ وَ ذِکْرُهُ شِفَاءٌ وَ طَاعَتُهُ غِنَاءٌ، اِرحَمْ مَنْ رَأْسُ مَالِهِ الرَّجَاءُ وَ سِلَاحُهُ الْبُکَاءُ، یَا سَابِغَ النِّعَمِ وَ دَافِعَ النِّقَمِ یَا نُورَ الْمُسْتَوْحِشِینَ فِی الظُّلَمِ، یَا عَالِماً لَا یُعَلَّمُ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَ افْعَلْ بِی مَا أَنْتَ أَهْلُهُ وَ صَلَّی اللّٰهُ

عَلٰى رَسُولِهِ وَ الْأَئِمَّةِ الْمَيَامِينَ مِنْ آلِهِ وَ سَلِّمَ تَسْلِيماً كَثِيراً.

ترجمہ: ''اے جلد راضی ہو جانے والے، اسے بخش دے جس کا دعا کرنے کے سوا کچھ بس نہیں چلتا۔ بے شک تو جو چاہے کر سکتا ہے۔

اے وہ جس کا نام ہر جسمانی مرض کی دوا، جس کا ذکر ہر روحانی مرض کی شفا اور جس کی اطاعت غنی (بے نیاز) کر دینے والی ہے، اس بندے پر رحم فرما جس کا سرمایہ صرف (تجھ سے) امید اور جس کا ہتھیار (تیرے آگے) رونا پیٹنا ہے۔

اے نعمتوں کو گوارا بنانے والے، اے بلاؤں کو دور کرنے والے، اے تاریکیوں میں گھبرا جانے والوں کے لیے نور۔ اے! وہ عالم جسے پڑھایا نہیں گیا (جسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں) تو محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت بھیج اور میرے حق میں وہ کر جو تیری شان کو زیبا ہے...... اور اے اللہ اپنے رسولؐ اور اُن کی اولاد میں جو صاحبانِ رحمت و برکت امامؑ ہیں، ان پر رحمت بھیج جیسا بھیجنے کا حق ہے''

۴) اگر آپ دعائے صباح پڑھتے رہے ہیں تو حالت سجدہ میں دعائے صباح کا آخری حصہ پڑھیے۔

اِلٰهِي قَلْبِي مَحْجُوبٌ وَ نَفْسِي مَعْيُوبٌ وَ عَقْلِي مَغْلُوبٌ وَ هَوَائِي غَالِبٌ وَ طَاعَتِي قَلِيلٌ وَ مَعْصِيَتِي كَثِيرٌ وَ لِسَانِي مُقِرٌّ بِالذُّنُوبِ فَكَيْفَ حِيلَتِي يَا سَتَّارَ الْعُيُوبِ وَ يَا عَلَّامَ الْغُيُوبِ وَ يَا كَاشِفَ الْكُرُوبِ اِغْفِرْ ذُنُوبِي كُلَّهَا بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ، يَا غَفَّارُ يَا غَفَّارُ يَا غَفَّارُ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ.

ترجمہ: ''اے میرے پروردگار! میرا دل تنگ، میرا نفس داغ دار، میری

عقل تھکی ہاری، میری خواہش زور آور، میری عبادت قلیل، میرے گناہ، حد سے بڑھے ہوئے اور میری زبان میرے گناہوں کی اقراری ہے۔

ایسی صورت میں میرے لیے بچنے کا کیا راستہ ہے؟ سوائے اس کے کہ تو میری خطاؤں کو معاف کر دے۔

اے برائیوں کی پردہ پوشی کرنے والے، اے غیب کی باتوں کو جاننے والے، اے سختیوں کو ختم کرنے والے...... میرے سارے ہی گناہوں کو معاف کر دے۔ تجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہلِ بیتؑ اطہار کا واسطہ!

اے عفو و درگزر کرنے والے، اے معاف کرنے والے! تجھے تیری بے پناہ رحمت کا واسطہ، اے تمام مہربانوں سے بڑھ کر مہربان!''

۴) اگر ممکن ہو تو مفاتیح الجنان اعمال روز جمعہ میں سحری کی دعا سے دعا کا یہ حصہ سجدے میں پڑھیے۔

يَا مَلْجَأَ الْهَارِبِينَ بِأَثْقَالِ الذُّنُوبِ اَحْمِلُهَا عَلىٰ ظَهْرِى لَاأَجِدُ لِى اِلَيْكَ شَافِعاً سِوىٰ مَعْرِفَتِى بِأَنَّكَ اَقْرَبُ مَنْ رَجَاهُ الطَّالِبُونَ وَ أَمَّلَ مَا لَدَيْهِ الرَّاغِبُونَ، يَا مَنْ فَتَقَ الْعُقُولَ بِمَعْرِفَتِهِ وَ اَطْلَقَ الْأَلْسُنَ بِحَمْدِهِ وَ جَعَلَ مَا امْتَنَّ بِهِ عَلىٰ عِبَادِهِ فِى كِفَاءٍ لِتَأْدِيَةِ حَقِّهِ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهِ وَ لَاتَجْعَلْ لِلشَّيْطَانِ عَلىٰ عَقْلِى سَبِيلاً وَّ لَا لِلْبَاطِلِ عَلىٰ عَمَلِى دَلِيلاً.

''اے پناہ لینے والوں کی پناہ گاہ...... میں اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ تیری طرف بھاگتا ہوا آیا ہوں۔ تیرے دربار میں میرا کوئی سفارشی نہیں سوائے اِس معرفت کے کہ تو اہلِ حاجت کی امیدوں کے بہت

قریب ہے اور رغبت کرنے والوں کو ڈھارس دیتا ہے۔

اے وہ کہ جس نے عقلوں کو اپنی معرفت کے لیے کھولا، زبانوں کو اپنی حمد کی طاقت سے نوازا اور بندوں کو اپنے حق کی ادائیگی کی ہمت دے کر ان پر عظیم الشان احسان فرمایا ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر رحمت فرما اور شیطان کو میری عقل میں دَر آنے کی راہ نہ دے اور باطل کو میرے عمل و کردار میں داخل نہ ہونے دے۔"

اللّٰھمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحمَّد وَ عَجِّل فَرَجَھُم

میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا اور لاثانی ہے

اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اے اللہ رحمت فرما تا رہ محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر اور مجھے توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ لوگوں میں سے قرار دے۔

ڈاکٹر غلام حسین لاکھانی (میثمی)

کے ایصال ثواب کے لیے

اول و آخر درود کے ساتھ ایک مرتبہ سورہ فاتحہ۔ تین مرتبہ سورہ اخلاص۔

کی درخواست ہے۔

باب: ۳۲

کچھ سوال اوران کے ممکنہ جواب:

ہمارے یہاں کتاب لکھنے والے کو خط لکھنے کا رواج نہ ہونے کے برابر ہے۔ بہر حال اکثر ملاقاتوں میں لوگ کتاب یا مضمون پر تبصرہ کرتے ہیں اور سوال بھی پوچھتے ہیں۔ ہم خود کو ہرگز اس قابل نہیں سمجھتے کہ کسی دینی یا شرعی مسئلے پر جواب دے سکیں۔ یہ علمائے کرام کا کام ہے۔ ایسے سوالوں کے لیے علماء سے رجوع کرنا چاہیے۔ اس چکر میں مجھ جیسے کئی جاہل اکثر خود کو علماء کی پاکیزہ صف میں شامل کر لیتے ہیں۔

البتہ بہت سے سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا جواب عقل اور منطق کی بنیاد پر دیا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی کچھ سوال اور ان کے جواب پیش خدمت ہیں جو اکثر لوگ ہم سے پوچھتے ہیں۔ مثلاً:

☆ایک دوست نے ہم سے شکوہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ہماری سنتا ہی نہیں۔ ہم نے اس سے سوال کیا کہ کیا آپ اللہ کی سنتے ہیں۔ ہم نے تفصیل بیان نہیں کی لیکن انہیں خود احساس ہو گیا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔

☆ایک صاحب نے ہم سے پوچھا۔ ''اللہ کے ہونے کی دلیل کیا ہے؟'' ہم نے کہا۔ ''یہ دلیل تو خود آپ کے پاس موجود ہے۔ آپ کسی دن کوشش کریں کہ اپنے دل کی دھڑکن کو کچھ دیر کے لیے بند کر لیں۔ یا کسی دن سانس ہی نہ لیں یا آنکھیں کھلی رکھیں لیکن کوشش کریں کہ آپ کو کچھ نظر نہ آئے۔ کان کھلے رکھیں لیکن آپ کو کوئی آواز سنائی نہ دے۔ آپ ایسا نہیں کر سکیں گے اس لیے کہ یہ جسم دراصل کسی اور کے احکامات کے مطابق کام کرتا ہے آپ کے احکامات کے مطابق نہیں بس وہ جو کوئی اور ہے وہی اللہ ہے۔

☆ایک دوست نے کہا" کسی درخت کا پتہ بھی اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہلتا تو ہم انسان اللہ کے حکم کے بغیر کوئی اچھا یا برا عمل کس طرح انجام دے سکتے ہیں۔" ہم نے ان سے عرض کی کہ بھائی! آپ درخت کا پتہ نہیں ہیں۔ درخت کے پاس خیر وشر اختیار کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ انسان کے پاس ہے اوراس کے لیے اسے تمام وسائل بھی عطا کیے گئے ہیں اور یہی اس کی آزمائش ہے۔

☆ایک نوجوان دوست نے کہا" کبھی کبھی نماز پڑھنے کو بالکل دل نہیں چاہتا۔ کیا کروں؟" ہم نے انہیں بتایا کہ ہم دنیا کے سارے مشکل ترین کام کر لیتے ہیں لیکن نماز پڑھنا مشکل لگتا ہے۔ اسی سے آپ سمجھ جائیں کہ نماز میں وہ فائدے موجود ہیں جو کسی بھی دوسرے کام سے حاصل نہیں ہو سکتے تبھی تو شیطان ہمارے کسی کام میں اتنی رکاوٹ نہیں ڈالتا جس قدر رکاوٹ وہ نماز میں ڈالتا ہے۔ جب آپ نماز پڑھنے میں یہ رکاوٹ محسوس کریں تو بس واجب واجب ارکان نماز پر اکتفا کریں لیکن اس وقت نماز ضرور پڑھیں۔ شیطان کی ناک رگڑنے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ آپ طوعاً وکرھاً، کسی نہ کسی طرح نماز پڑھ لیں۔

☆ایک سوال عام طور پر کیا جاتا ہے۔" کیا کچھ مخصوص اعمال سرانجام دینے سے امامِ زمانہ علیہ السلام خواب میں آتے ہیں؟" اس کا جواب یہ ہے کہ مخصوص اعمال کے ساتھ ساتھ افعال کو بھی ٹھیک رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ خواب یا بیداری میں امام علیہ السلام کی زیارت اللہ کے کرم اور امامِ زمانہ علیہ السلام کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے نہ کہ ہماری مرضی اور مخصوص اعمال کے سبب۔ ضروری نہیں کہ آپ لمبے لمبے اعمال کریں۔ اس کے بجائے اگر یہ نیت کر لی جائے کہ مثلاً آج کے بعد میں کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اس نیت پر قائم رہا جائے تو شاید یہ عمل ہمارے اور آپ کے امامؑ کو زیادہ پسند آئے۔

☆ایک اور جملہ کبھی اکثر محفلوں میں سنا جاتا ہے۔" علماء کے قول وفعل میں تضاد ہوتا ہے اس لیے ان کی باتوں پر عمل کرنے کو جی نہیں چاہتا۔" اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ علماء دین، معصوم عن الخطا نہیں ہوتے۔ جو معصومینؑ واقعتاً معصوم عن الخطا تھے ان کے زمانوں میں ان کی باتوں پر

معاشرے کے کتنے فی صد لوگوں نے عمل کیا؟ یہ انتہائی غیر ذمے دارانہ بات ہے جو ہماری اکثر محفلوں میں بہ طور جواز پیش کی جاتی ہے۔ یہ ذہنی فرار کی حالت ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔

دیکھیں! علمائے دین جو احادیث و روایات ہمارے سامنے بیان کرتے ہیں وہ خود ان کا ذاتی بیان نہیں ہوتا۔ وہ تو اللہ اور اللہ کے رسولؐ اور قرآنی تعلیمات، ساتھ ساتھ اہلِ بیتؑ کے احکامات کو ہم تک پہنچاتے ہیں۔ چلیں کہیں کوئی عالم خود اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ آپ کو تو عمل سے نہیں روک رہا۔ آپ اللہ کے پیغام پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ کہیں کسی جگہ نقائص بھی ہو سکتے ہیں لیکن ایک مثال کو سب پر لاگو نہ کر دیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی عقل دی ہے۔ خود بھی چیزوں پر غور و فکر کیا کریں لیکن واقعتاً کچھ سیکھنے اور سمجھنے کے لیے، نہ کہ الجھنے کے لیے۔

دلچسپ بات یہ ہے جو خرابیاں سچ یا جھوٹ خود ہم علماء کی شخصیتوں میں نکالتے ہیں انہیں اپنی زندگی اور قول و فعل سے نکالنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے۔ تو بھائی! پرفیکٹ کی تلاش کریں گے تو یہ کام آپ کی روحانی ترقی کو بہت سست کر دے گا۔ پرفیکٹ کی تلاش نہ کریں خود کو پرفیکٹ بنانے کی کوشش کریں۔ یقین جانیں کسی عالم دین کے عمل کے بارے میں آپ سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔ ہاں مجھ سے اور آپ سے ہمارے اعمال کے بارے میں قیامت کے دن باز پُرس ضرور کی جائے گی تو کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم دوسروں کی فکر کرنے کے بجائے خود اپنی جان بچانے کی کوشش کریں۔

سیدہ زہرہ عباس نے اپنے بچوں کے لئے مہیا کیا

الحمدُللہ کہ آج ۱۲ اور ۱۳ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ کی درمیانی شب میں یہ کتاب مکمل ہوئی۔

محمد علی سید